گنجینۂ تحقیق

یعنی

حضرت علامہ پروفیسر سید محمد احمد صاحب بیخود (موہانی) ایم، اے

منشی فاضل، پروفیسر شیعہ کالج، لکھنؤ

کے

پانچ انتقادی مضامین کا مجموعہ

باہتمام مرزا محمد جواد

نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپا

فہرست مضامین

مضمون سوم (حمایت غالب) سرمایہ تحقیق

یعنی آرگس بے حجاب بجواب غالب بے نقاب
جناب آرگس نے مجلہ نگار لکھنؤ مین غالب کے اکثر اشعار کو سرقہ اور توارد کی معجزنمائی قرار دیا۔

بعض خاص مقامات

مضمون تجسم آیۂ تحقیق

حضرت ابو العلا حکیم ناطق صاحب لکھنوی مدیر اول مبصر کے تبصرۂ "اصلاح سخن"
(مولفہ شوق سندیلوی) پر ناقدانہ نظر

(۸۷) صلاح ناطق سے مصنف کا کچھ مفہوم کم ہوگیا ۳۲۹

(۸۸) نوح نے حشو خوب سمیٹا ہے ۳۳۰

(۸۹) صلاح فضل سے شعر کا مزہ بڑھ گیا، تخئیل مصنف بدل گئی ۳۳۱

(۹۰) بیباک کی صلاح سے شعر مین بیساختگی پیدا ہوگئی، مصنف کی تخئیل بدل گئی

(۹۱) صلاح ریاض سے شعر کا مزہ بہت بڑھ گیا۔

(۹۲) صلاح نظم کو حضرت ناطق نہین سمجھے تو کوئی مضائقہ نہین، انھون نے صلاح نظم مین تحریف کی ہے

(۹۳) حضرت ناطق تابمقدور حضرت طبا طبائی کی صلاحون کو ناقابل فہم بتانے مین سعی جمیل فرماتے ہین اور صرف اسیسے کہ جناب طبا طبائی کی نقادانہ حیثیت، ادبی قابلیت کا ہندوستان معترف ہے، افسوس کہ حضرت ناطق کی یہ کوشش ناکام ہے اور ناکام رہیگی۔

بیخود موہانی

ہدیۂ شوق

مین گنجینۂ تحقیق کے جواہر خمسہ ذوق وشوق کی کشتی مین لگا کر شہنشاہ ادب و انتقاد کی بارگاہ گوہر بار مین پیش کرتا ہون، جسکی برقِ نگاہ کی چھوٹ پڑتے ہی ہر جوہر تابدار، ہر گوہر آبدار کا آب و رنگ، تاب و تنگ اپنے اصلی رنگ مین جگمگا اٹھتا ہے، اِدھر خمسۂ نجبا کے صدقہ مین یہ نذر قبول ہوئی اُدھر ہر ایک الماس ریزہ الماس آفتاب ہر ایک جواہر پارہ دنیائے آب و تاب بنا رکھا ہے۔

بندہ ناچیز

بیخود موُہانی

دیباچہ

بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

یہ دور ہندوستان کیلیے انقلاب کا دور ہے دنیا کی دنیا بدلی نظر آتی ہے، اور کچھ ایسے مناظر پیش نظر ہین کہ حسرت وقف حسرت اور حیرت محو حیرت ہے، ذوق شعری تو کی نیند سو رہا ہے، نا آشنایان رموز تحقیق کے ہاتھون تنقید کا خون ہو رہا ہے، کل کسی بانی بیدادنے کس تاجدار نکتہ سنجی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے، آج کسی جلادنے کسی شہریار نکتہ پروری کی لاش قبر سے نکال کر پامال کر ڈالی، کہین ایک تودے کو آگ دکھائی گئی اور خواجہ آتش علیہ الرحمہ کی خاک بازیچہ صبا نظر آئی، کہین ایک سر نگ اڑائی گئی اور مرزا غالب اعلی اللہ مقامہ کی قبر گرد و غبار کا پتلا نظر آئی، کوئی ایک تقویم پارینہ کے بل ہنگامہ پرداز کہ میر اپنے معاصرین کے صید زبون تھے کوئی اپنی کج طبعی و کج نگاہی کے زور پر غلغلہ انداز کہ سودا سودائی جنون تھے، نغمہ سنجان دقیق کی زبانین بند ہین ہر طرف انا انا کی صدائین بلند ہین۔

قصہ مختصر اردو (شہنشاہان تیموریہ اور تاجداران اودھ کی ناز پروردہ اردو) بے یار و مددگار اردو تیرون کے دور تلوارون کے حلقہ مین گھری ہے یہان کے اکثر ادیب ادب نا آشنا، یہان کے اکثر نقاد تنقید کے مفہوم سے بے پروا، کچھ ملٹن کے سنگیت اور شکسپیر کے ترانون سے میر کی بہار اور دیپک سودا کی ملتانی اور ہنڈول کا مقابلہ کرنے والے، کچھ عشق و ہوس مین موازنہ کرنے والے، بعض کا یہ عالم، کہ تعریف پر اترائے تو کلام عامی کو وحی ربانی بنا دیا، تنقیص کی ٹھانی تو کلام الہامی کو

شعر سوقی سے بھی پست بتادیا، کوئی مروت سے سرمہ در گلو، کوئی عداوت سے برق بارہ کسی کو مجاز اور لغت میں امتیاز نہیں، کوئی تشبیہ اور استعارہ کا محرم راز نہیں، کوئی گلابی اُردو کا موجد کوئی اُردوئے معرّب کا مؤید۔

اب وقت آگیا ہو کہ اگلے خاک نشینوں اور موجودہ نکتہ آفرینیوں سے گوشہ انزوا چھوٹے اور شبندہ بازان انتقاد کا باندھا ہوا طلسم ٹوٹے یہی ضرورت تھی اور یہی ضرورت ہے کہ بخود خاکسار کے احباب نکتہ سنج کے اصرار نے حکم کی صورت اختیار کرلی اور مجھے اپنے تنقیدی مضمون کا مجموعہ کتاب کی صورت میں شائع کرنا پڑا معترضین کا جواب دیتے وقت تحقیق و تدقیق کا کوئی دقیقہ تا حد امکان فروگزاشت نہیں کیا گیا ایک ایک لفظ کی سند میں اساتذہ معتبر کے تصانیف سے متعدد مثالیں پیش کی گئی ہیں اور یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ مخالف کو جائے دم زدن نہ رہے، ادائے مطلب کے لیے انتخاب الفاظ میں اپنی بساط بھر کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی گئی، یہ ضرور ہوا ہے کہ بعض مضامین کی تمہید میں کچھ مشکل ہوگئی ہیں، مگر آخر زبان قلم پر کوئی کہاں تک پہرے بٹھائے۔

ابتدائے تین مضمون آئینہ تحقیق، ثمرہ تحقیق اور سرمایہ تحقیق غالب عدیم المثال کے اُن احسانات کا حق ادا کرنے کی نظر سے لکھے گئے ہیں جو انھوں نے اُردو علم ادب پر کئے ہیں۔

مضمون اول آئینہ تحقیق:۔ اس میں دیوان غالب کی ۹ شرحوں کے متعلق اجمالی رائے اور غالب کی ایک غزل کا حل ہو اور جناب مجلہ دالسنہ مشرقیہ حضرت شوکت میرٹھی اور جناب نواب حیدر یار جنگ نظم طباطبائی لکھنوی اور جناب مولانا حسرت موہانی کے بیان کردہ مطالب پر نظر ڈالی گئی ہو پہلے پہل یہ مضمون ۱۹۲۰ء میں روزنامہ ہمدم کے ذریعہ سے ارباب نظر تک پہونچا اور کچھ اس طرح اسکی داد ملی کہ شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو کا ترانہ برسوں فراموش نہوا پھر ۱۹۲۵ء میں مدیر الناظر لکھنؤ نے اسے شائع کیا۔

مضمون دوم ثمرہ تحقیق:۔ (آئینہ تحقیق پر اودھ پنچ کے اعتراضات کا جواب) اس مضمون

مین شعرائے کرام و ادبائے عظام کے تصانیف سے سندین پیش کرنیکا خاص التزام کیا گیا ہے۔
لیکن ادودھ پنچ کے مضمون پر مین نے جہان تک غور کیا مجھے تو یہ نظر آیا ؎

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گمان نہین　　اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

مضمون سوم سرمایۂ تحقیق :۔ (آرگس بیجا بجواب غالب بے نقاب) حضرت آرگس نے "نگار" لکھنؤ مین ایک طولانی مضمون لکھا جس مین دکھایا گیا کہ غالب نے اساتذہ ایران و ہند کے مضامین کا سرقہ کرکے اپنے دیوان کو گلدستہ بنا دیا ہی، سرمایۂ تحقیق مین اکثر اشعار غالب کو اشعار اساتذۂ فارس پر ترجیح دیگئی ہی، اسکا اصل سبب یہ ہے کہ جناب آرگس نے فارسی اشعار کا انتخاب اچھا نہین کیا، بعض اشعار کے متعلق بتایا گیا ہی کہ یہان مرزا کا کام ہے بعض اشعار کے متعلق دکھایا گیا ہی کہ ان مین موزانہ صحیح نہین اور بحمد اللہ اب نگار کی رفتار بدل گئی ہے۔
یہ مضمون "نیرنگ خیال" لاہور اور "جام جہان نما" لکھنؤ مین شائع ہو کر مقبول اہل ذوق ہو چکا ہے۔
مضمون چہارم مایۂ تحقیق (شرح قصائد خاقانی نوشتہ حضرت شادمان لکھنوی پر ایک نظر) مین شرح حضرت شادمان لکھنوی پروفیسر مدرسہ ریاست عالیہ رامپور، حضرت پروفیسر شادان بلگرامی اور حضرت ناطق پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی کا موازنہ ہے اور قابل اختلاف مواقع پر ناقدانہ اظہار خیال کیا گیا ہی، یہ مضمون "نیرنگ" رامپور اور مرقع لکھنؤ مین شائع ہو کر مطبوع اہل نظر ہوا۔
مضمون پنجم آئینۂ تحقیق۔ (مدیر سابق مبصر لکھنؤ کے تبصرۂ اصلاح سخن کی حقیقت) ابھی غالب بے نقاب کا کفن میلا نہوا تھا کہ حضرت ناطق لکھنوی نے حضرت شوق سندیلوی کی مرتب فرمائی ہوئی کتاب "اصلاح سخن" (جسمین حضرت شوق نے اپنی پندرہ سولہ غزلون پر مشاہیر شعرائے ہند کی اصلاحین جمع کردی ہین) کی ایک منتخب غزل بیابانِ تمنا عنوان تمنا کی اصلاحون پر تنقید فرما کر دنیائے ادب مین ہلچل ڈالدی، آئینۂ تحقیق مین اسرار سخن سنجی کی پردہ کشائی کیگئی ہی اور دکھایا گیا ہے کہ تنقید کا پایہ کس قدر بلند ہی یہ ۱۱۷ صفحہ کا مضمون پہلے پہل شائع ہو رہا ہے۔
ابتدا کے چار مضمون مناسب ترمیم و حذف و اضافہ کے بعد شائع کئے گئے ہین میرا خیال یہ ہے کہ ابتک اُردو مین "گنجینۂ تحقیق" کے انداز کی صرف ایک قابل ذکر کتاب مناظرہ شرر دلچسپ ہے خدائے عزوجل میری اس ناچیز تصنیف کو جام جمشید اور آئینہ سکندر کا مرتبہ کرامت فرمائے۔

بندۂ ناچیز
بیخود موہانی

آئینۂ تحقیق

دیوان غالب کی شرحون پر ایک سرسری نظر

از بیخود موہانی

بیا اے عشق رسوائے جہانم کن کہ چندے
نصیحتہائے بیدردان شنیدن آرزو دارم

اردو شاعری کے آدم اول ہین حضرت امیر خسرو دہلوی اور آدم ثانی ہین (بربنائے شہرت عام) حضرت ولی دکنی۔ متقدمین مین اقلیم سخن کا نظم و نسق میر تقی میر اور میرزا رفیع سودا کے ہاتھون مین دیا گیا اور متاخرین مین تاج دارائی میرزا غالب کے سر پر جلوہ فگن ہوا۔

زبان پہ بار خدایا یہ کسکا نام آیا ۔ کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے

شعرائے اردو کے تذکرون پر بالاستیعاب نظر کرنیسے حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ میر و سودا و غالب وغیرہ کے کوس لمن الملکی بجانے کا اعتراف اُن باکمال ہستیون کو بھی جن کا قول قول، جن کا فیصلہ فیصلہ تھا جنکی تعریف تمغائے افتخار و طغرائے اعتبار تھی اور

آج ہندوستان کے بچہ بچہ کی زبان پر جو اِن حضرات کی یکتائی کا ترانہ ہے۔ وہ حقیقت مین سخن سنجان ماضی وحال کے فیصلہ کی صدائے بازگشت ہے۔ سامریان سحر حلال (اساتذۂ سخن) کے مرتبہ کا ادراک طبقہ عوام کو ہونیسے رہا۔ ان سے ایسی اُمید رکھنا کفر کے ایمان اور ایمان کے کفر بنجانے کی اُمید ہے اور بہرحال دلیل تنگسری۔ اِنکا یہ ظہر افراد کے نقطۂ عروج کی حقیقی معرفت محال ہے جبتک اہلِ ذوق اساتذۂ ایران کی معجزآرائیون پر ایمان نہ لاچکے ہون اور اُنکی بیخزان بہار سے نگاہ کا دامن گلچین کا دامن نہ بن چکا ہو۔ خاصکر مرزا غالب کی قوتِ پرواز وقدرت ابداع واختراع مضمون ملکۂ انتخاب الفاظ وطرز ادا کی داد اُسوقت تک دی ہی نہین جاسکتی جبتک عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری، کلیم ہمدانی، طالب آملی، شوکت بخاری، فغانی شیرازی۔ بیدل عظیم آبادی۔ ظہوری ترشیزی میر اکبرآبادی، سودا دہلوی کے دیوان پیش نظر نہ رہ چکے ہون۔ یہ واقعہ ہے کہ مرزا نے فارسی مین وہ کچھ کر دکھایا ہے جو انھین کا حق تھا۔ عرفی وہ ظالم ہے کہ زمین پر پاؤن ہی نہین رکھتا۔ نظیری کی غزل ترانہ باربدی کا جواب ہے۔ بیدل کی فکر آسمان سیر ہے۔ ظہوری کا کلام جانِ معنی وجہانِ معنی ہے۔ مرزا جب انکا جواب لکھتا ہے تو خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم۔ اِن اُستادون کی غزل پر غزل کہنے کا سہرا متاخرین مین اگر ہے تو مرزا ہی کے سہرے، پھر غزل بھی ایسی کہ اُس سے بالاتر محال نہین تو مشکل ضرور ہے۔

اب رہا دیوان اُردو۔ وہ جہان مختصر ہے وہان منتخب بھی ہے۔ ہان اس مین کلام نہین۔

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست ۔۔۔ در ید بیضا ہمہ انگشتہا یکدست نیست

یہ دیوان بھی مرزا کے کلام فارسی کے خصوصیات سے مالامال ہے۔ مین اس وقت غالب لاجواب کی فقط ایک خصوصیت کا ذکر کرنا چاہتا ہون اور وہ یہ ہے کہ مرزا اکثر جس

مضمون پر قلم اُٹھاتے ہین اُسے انتہا کو پہونچا دیتے ہین۔ ہر پہلو پر نظر رہتی ہے اور کچھ اس طرح کہہ جاتے ہین کہ اُسکا جواب لکھتے وقت نظر کردگان قدرت ایجاد سپر انداختہ نظر آتے ہین ہاتھ سے قلم چھوٹ پڑتا ہے۔ اجزائے شعر لکھنے لگتے ہین۔ مثلاً

(حد شوق میکشی)

گو ہاتھ کو جنبش نہین آنکھون مین تو دم ہے　　رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

(حد لذت تقریر)

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُسنے کہا　　مین نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دلمین ہے

(حد ناامیدی)

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید　　ناامیدی اُس کی دیکھا چاہیے

(بے اعتباری اہل دنیا)

کیا کیا خضر نے سکندر سے　　اب کسے رہنما کرے کوئی

مرزا کو مبدأ فیاض سے صرف فلسفی کا دماغ اور شاعر کا قلم ہی نہین عطا ہوا تھا بلکہ الہام نصیبون کا دل بھی، جو اورون کا آسمان ہے وہ مرزا کی زمین ہے۔ مرزا کے خیالات وجذبات واخلاق کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ جو اُنکے بدیہیات ہین وہ اورون کے نظریات بھی نہین۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر حضرات مرزا کے واردات قلب سے اِس قدر متاثر نہین ہوتے جس حد کا اثر مرزا کی معجز بیانی نے اُن اشعار مین ودیعت رکھا ہے۔ مرزا کے اکثر اشعار وہ آئینۂ تصور نما ہین جن مین مرزا اپنے دل پر گزرنے والے کیفیات کا مرقع بن کر اپنا عکس ڈال چکا ہے، جن لوگون پر وہی گزری یا گزر رہی ہے وہ ایسے اشعار پر نظر پڑتے ہی دل تھام کر رہجاتے ہین یہ واقعہ ہے کہ مرزا کے پہچاننے والے کم تھے۔ کم ہین۔ اور کم رہینگے۔ ہر شخص

مرزا کے کلام سے بقدر فہم لذت یاب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد — کام یارونکا بقدر لب و دندان نکلا

مرزا ایک ہی وقت مین خوش نصیب بھی تھا اور بدنصیب بھی۔ اُسکے واردات کی دنیا الگ تھی اُس زمانے کی دتی اہل کمال کی بجی سجائی محفل ضرور تھی مگر مرزا کی نگاہین جن مناظر لاجواب کے مزے لوٹتی تھین وورباش ادب کی ہیبت آفرینیاں اُن تک دوسری نگاہون کو قدم نہ بڑھانے دیتی تھین اور مرزا غریب اس اعتبار سے مسافر در وطن تھا آخر اپنے جذبات سے مجبور ہوکر حسرت بھرے لہجہ مین فریاد کر اُٹھا۔

بیا ورید گر اینجا بود زباندانی — غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

تا ز دیوانم کہ سرمست سخن خواہند شدن — این مے از قحط خریدارے کہن خواہد شدن

ہندوستان کی بدنصیبی پر کہان تک روئیے رہا سہا ادبی مذاق تک چل بسا۔ مرزا کیا کسی اُستاد کے جگر پارون کو کلیجہ سے کون لگائے۔ فارسی برائے نام کالجون کے نصاب مین داخل تو ضرور ہے مگر اکثر جس طرح پڑھائی اور پڑھی جاتی ہے وہ اہل خبر سے پوشیدہ نہین۔ اس طرح کے پڑھنے والے (باستثنا البعض) اپنے نصاب ہی کو خوب سمجھتے ہین۔ پھر مرزا کی بلند پروازیون کی داد کو پہونچنا اُن کے بس کی بات کہان۔ کتابین یون دیکھی جاتی ہین جس طرح زچہ تارے دیکھتی ہے مگر اب زمانہ کروٹ بدل رہا ہے اور شکر ہے ہندوستان ہندی نژاد اپنے اُجڑے ہوئے گھرون اور بھولے ہوئے خزانون کی دیکھ بھال کی طرف متوجہ نظر آتے ہین اور یہ ایسا انقلاب ہے جسپر سجدہ شکر واجب ہے۔ ارباب حل و عقد نے اب اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے کہ جبتک اپنی زبان پر قدرت نہو دوسری زبان کے خزانون پر تصرف غیر ممکن ہے۔ ہر یونیورسٹی مین اُردو کی تعلیم ضروری قرار پاتی نظر آتی ہے۔ اب

وقت آگیا ہے کہ مرزا کے دیوان کی شرح ایسی لکھی جائے کہ دیوان خود بزبان حال پکار اُٹھے کہ حق شرح ادا ہوگیا۔ اس سے یہ مطلب نہین کہ مینے ایسی شرح لکھدی ہے میں اپنی کورسوادی کا معترف ہون مگر جب دنیا اظہار خیال کے لیے آزاد ہے تو مجھے بھی جو کچھ کہنا تھا کہہ گزرا۔

سخن فہم ہمیشہ کم تھے اور اب تو زمانہ کج راہہ روکی بیداد سے نایاب ہوتے جاتے ہین یہ لوگ سمجھتے ہین اور وجد کرتے ہین۔ اب رہے متوسطین وعوام وہ کلام غالب کو خود تو کہین کہین سمجھتے ہین باقی کے لیے اُن کو موجودہ شرحون کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے جن مین احباب نکتہ پرور نے بقدر قدرت داد سخن فہمی دی ہے۔ اسوقت دیوان غالب کی مندرجہ ذیل کامل یا ناقص شرحین موجود ہین۔

(۱) وثوق صراحت والہ دکنی (۲) شرح مجد دالنہ مشرقیہ حضرت شوکت میرٹھی۔ (۳) شرح مولانا حسرت موہانی (۴) شرح جناب نظامی بدایونی (۵) شرح جناب سید علی حیدر صاحب حیدر ونظم طباطبائی لکھنوی (۶) یادگار غالب وحضرت حالی مرحوم (۷) شرح جناب مولوی عبدالباری صاحب آسی (۸) شرح جناب سہا (۹) شرح جناب واجد دکنی۔

ان شرحون مین جہان کہین کہین داد سخن فہمی دیگئی ہے وہین بعض بعض اشعار کی شرح خواب تعبیر دشمن بن کر رہ گئی ہے اور جو شخص خود نہ سمجھتا ہو اُسکے دل مین (خاکم بدہن) مرزا کی طرف سے سوء ظن پیدا ہوتا ہے۔ انشاء اللہ میری شرح کے مقدمہ مین جہان کلام مرزا کی تنقید ہوگی وہین ان شرحون پر بھی مفصل تبصرہ ہو جائیگا۔

(۱) وثوق صراحت۔ مختصر سے مختصر اشارات کا مجموعہ ہے۔ شارح کے لیے اس کا مفید نہونا ظاہر ہے۔

(۲) شرح مولانا حسرت۔ میرے خیال مین مولانا کی شرح اس قدر مختصر ہے کہ اُس پر

اشارات کی لفظ صادق آتی ہے. مبتدی اُس سے کوئی خاص فائدہ نہین اُٹھا سکتا۔ بعض مقامات پر متحیرین کی سی رفتار ہے، جیسی اور شرحون مین بھی نظر آتی ہے اور یہ مکمل شرح بھی نہین ہے اِسے مولانا نے آغاز شباب مین لکھا تھا۔ جب خرِد خردہ کار کے شباب کا زمانہ آیا تو شاہد سیاسیات کی پرستش جزو ایمان ہو گئی۔ اب جیسی نظر ثانی کی ضرورت ہے ویسی فرصت کہان ؎

رندِ ہزار شیوہ را طاعت حق گران نبود   لیک صنم بسجدہ در ناصیہ مشترک نخواست

(۳) شرح جناب شوکت۔ مجدد السنہ مشرقیہ کی شرح کے متعلق بصد ادب اتنا ہی عرض کرتا ہو کہ آپ وہ پہلے شخص ہین جسنے اِس عقدۂ مالاینحل کی طرف توجہ فرمائی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ شرح اکثر مقامات پر کافرماجرائیون کا طلسم ہے۔ اشعار کہین کہین مسخ ہو گئے ہین مگر تحریف کاتب کا بھی ایسا علاج کیا ہے کہ باید و شاید۔ سب اشعار اس شرح مین بھی نہین۔ کہین کہین اعتراض بھی فرمائے ہین اُنکی تنقید کا انتظار کیجیے۔

(۴) شرح جناب نظامی بدایونی۔ اسکے متعلق اتنا ہی کافی ہے کہ یہ شرح بعض شرحون کی عکسی تصویر یا صدا نما (گراموفون) کا نغمہ ہے اس سے تعرض مناسب نہین۔

(۵) یادگار غالب۔ از حالی مغفور" اِس مین بعض بعض اشعار کا خلاصہ مطلب ہے وہ بھی کسی خاص مطلب کے اظہار یا ثبوت کے لیے اور بس۔ اِس سے بھی فی الحال تعرض مناسب نہین

(۶) شرح جناب طباطبائی۔ اِس شرح کو دیکھ کر ایک آتش مزاج دیکھنے والے کی زبان پر یہی آتلہ ہے" اگرچہ عوام مین یہ کتاب لاجواب مشہور ہے مگر مین اظہار حق مین سکوت حرام سمجھتا ہون۔ میرے نزدیک یہی وہ شرح ہے جسنے ہر کس و ناکس کو جناب غالب کی جناب مین دریدہ دہنی کا سبق دیا۔ یہی وہ شرح ہے جسنے غالب عدیم المثال کو قبر مین تڑپا یا ہو تو

جائے حیرت نہین اور یہی وہ شرح ہے جس کی بے گناہ کشی سے اشعار غالب سیاہ پوش نظر آرتے ہین اور دیکھیے اس گھر سے یہ ماتم کب نکلتا ہے۔ افتتاحیہ مطلع کے متعلق مہمل ہونیکا فیصلہ صادر فرمایا گیا اور تاحدامکان تمام شرح مین صلاح فرمانے اور حرف رکھنے کی سعی بلیغ سے نکتہ سنج شارح کہین غافل نہین رہا۔ کہین تشبیہ مہمل بتائی گئی کہین تخیل لایعنی دکھائی گئی کہین انتخاب الفاظ کے گلے پر چھری پھرائی گئی۔ کہین طرز ادا کے خرمن پر بجلی گرائی گئی۔ اہل دل جب اس شرح پر نظر ڈالتے ہین تو بیساختہ علامہ فیضی کا یہ شعر اُنکی زبان پر آجاتا ہے ؎

خوے عتاب آمیز را بالطف پیوندے بدہ ہم غمزۂ لاتنمعے کن ہم عشوۂ ایندے بدہ

اور مزہ یہ ہے کہ ناآشنایان رموز نکتہ سنجی و محرومان ذوق سلیم بعض اشعار کی شرح مین شارح کو جی کھول کر داد دیتے ہوئے دیکھ کر گمان کرتے ہین کہ حق تنقید ادا کیا جارہا ہے مگر مجھے حیرت ہے کہ اگر تنقید کلام یہی ہے تو تنقیص کمال کسے کہتے ہین۔ قصہ مختصر اس شرح مین انانیت اور پندار کے بادل جھوم جھوم کے اُٹھے ہین اور ٹوٹ ٹوٹ کے برسے ہین۔

مگر بیخود ناشاد نے جہان تک اس شرح پر نظر ڈالی ہے اُسے تو یہ کہنا مناسب نظر آتا ہے کہ سادگی اور جوش طبیعت مزاج شارح کے خاص جوہر ہین اسنے ہر جگہ اپنے دل کی ترجمانی کی ہے وہ جہان برس پڑنے مین طوفان ہے وہان تعریف کرنے مین آندھی ہے۔ اگر کچھ شکایت فاضل شارح سے کی جاسکتی ہے تو اتنی کہ زیادہ نہ سہی غالب کو اپنا ہی سا نکتہ شناس و محقق سمجھا ہوتا اور ایراد و اعتراض کو شک یا سوال کے قالب مین ڈھال دیا ہوتا۔ میری رائے مین جہان نکتہ سنج شارح نے وقت نظر سے کام لیا ہے وہان نکتہ رسی کا حق ادا کر دیا ہے اور

ان مقامات کی داد نہ دینا مشربِ انصاف مین کفر ہے شلاً

قفس مین مجھسے رُودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم — گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیون ہو

مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا — مین غریب اور تو غریب نواز

ہان جن مقامات پر سرسری نظر ڈالی ہے۔ اور جہان غالب فقید المثال کی شان فراموش ہو گئی ہے وہان بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے بہت سے اشعار کی شرح اُتنی ہی مشکل ہے جتنا اصل کہین کہین بے پناہ شعر صرف تحسین فرما کر چھوڑ دیئے گئے ہین اور ایراد کرتے وقت مرزا کی جلالت قدر کا واجبی احترام نہین کیا گیا۔

مین ادب الکاتب والشاعر کے مؤلف اور ساقی نامہ شقشقیہ کے مصنف (نواب حیدر یار جنگ جناب سید علی حیدر صاحب حیدر) نظم طباطبائی کی قابلیت علمی کو دارائے اہمیت سمجھتا ہون اُنکی عروض دانی کا معرف اور پروفیسر نظام کالج حیدرآباد کی حیثیت سے اُنکی جلالت قدر کا معترف ہون مگر کرون کیا اس محل پر جناب طباطبائی کے احترام کے خیال سے خاموش رہنے کے معنے یہ نکلتے ہین کہ مرزا غالب ایسے یگانۂ دہر کی تنقیص کمال مجھے منظور رہے۔ اور یہی وہ خیال ہے جس کی بنا پر میرا ایمان خاموشی کو گناہ قرار دیتا ہے۔ باقی شرحون کے متعلق مجھے اسوقت کچھ کہنا نہین ہے۔

میرے احباب کو مطمئن رہنا چاہیئے۔ مین انشاء اللہ جادۂ انصاف سے نہ ہٹون گا۔ غلط اعتراض کے اُٹھانے کی کوشش کرونگا اور صحیح ایراد پر تسلیم خم کرون گا۔ دنیا مجھے اپنی صحیح رائے کے سامنے سربسجدہ پائیگی۔ مین مدت سے شرح کی داغ بیل ڈالنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر ہمیشہ مجھے اپنی ناتندرستیون اور مجبوریون کا احترام سکوت پر مجبور کر دیتا تھا۔ لیکن جب سے یہ سمجھ مین آیا کہ میری زندگی نام ہے ناکامی ابد پیوند کا، میری زندگی

نام ہے ناتندرستیون کے سلسلہ نامتناہی کا بقول مخلصی مولانا رعب اعلی اللہ مقامہ

میرا فسانۂ غم مصداق ناتمامی   میری شب مصیبت مفہوم لاتناہی

مین نے خدا کا نام لیکر کشتی دھارے پر چھوڑ دی۔ ع

ہرچہ بادا باد ماکشتی در آب انداختیم

الحمدللہ کہ اب شرح دیوان تمام ہو گئی ہے۔ مین اب ایک غزل کا حل لکھتا ہون اور ساتھ ہی ساتھ موجودہ شرحون کی تنقید بھی کرتا جاؤنگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی زادا ہے   داغ دل بیدرد نظرگاہ حیا ہے

شوکت۔ لالہ پر جو شبنم ہے وہ ادا سے خالی نہین۔ بیدرد کا داغ اُنکی حیا کا نظرگاہ ہے یعنی لالہ کو شبنم حیا کی نظر سے دیکھ رہی ہے کہ مین تھوڑی دیر مین مٹجاتی ہون اور لالہ کا داغ نہین مٹتا۔ یہ بات ازحد قابل شرم ہے۔

تنقید۔ کاش فاضل شارح نے شعر کی نثر ہی پر اکتفا فرمائی ہوتی۔ اس فقرہ سے کہ یہ بات ازحد قابل شرم ہے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ لالہ کے لیے قابل شرم ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شبنم کیلیے۔ مگر ان مین سے کوئی بات بھی الفاظ شعر کو مدنظر رکھتے ہوئے سمجھائی نہین جا سکتی۔ شعر سے زیادہ شرح کا سمجھنا مشکل ہے۔

حسرت موہانی۔ گل لالہ پر شبنم کے قطرے نہین ہین بلکہ عرق شرم ہے۔ شرم اس بات کی کہ لالہ کے دل مین داغ تو ہے لیکن درد نہین ہے۔

حاشیہ۔ جناب حسرت وہی فرماتے ہین جو جناب طباطبائی۔ اس لیے تنقید بھی

دیمن ہو رہے گی۔

جناب نظم طباطبائی۔ گل لالہ پر اوس کی بوندمین ایک مطلب ادا کر رہی ہین وہ یہ کہ جس دل مین درد نہو اور داغ ہو جائے شرم ہے۔ یعنی لالہ کے داغ تو ہے مگر درد عشق سے خالی ہے یہ بات اُسکے لیے باعث شرم ہے اور اسی شرمندگی سے اُسے عرق شرم آگیا ہے۔ مصرع مین "ہے" کے ساتھ "نہ" خلاف محاورہ ہے۔ نہ "کے بدلے" نہین "کہنا چاہیے۔

تنقید۔ پروردگارا یہ داغ ہو اور درد نہو کیا چیز ہے۔ اگر اس شعر کا یہ مطلب کہا جائے تو یہی سمجھ مین آئے گا کہ شاعر نے لالہ مین داغ بھی دیکھا اور شبنم بھی۔ سوال پیدا ہوا کہ ایسا ہے کیون۔ پھر اُنکی غیور طبیعت نے خود ہی وہ جواب دیا جو مولانا طباطبائی کے حل مین مذکور ہے۔ مگر اسپر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیکھنے والے نے یہ کیون نہ سمجھ لیا کہ دلمین داغ ہو تو نہ رونا کیا معنی۔ یعنی جو داغ اُٹھائے گا بے روئے نہ رہے گا۔ اگر اسکا جواب یہ دیا جائے کہ شاعر شاہراہ عامہ سے الگ جاتا ہے۔ اِس حالت مین داغ کے ہوتے ہوئے درد کا نہونا ادعائے محض ٹھہرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ادعا شاعری مین ممنوع نہین مگر جب تک لطیف و متین مطلب بے تکلف نکل آئے تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے۔

آگے بڑھکر ارشاد ہوتا ہے کہ پہلے مصرعہ مین (ہے) کیساتھ (نہ) خلاف محاورہ ہے۔ مگر مین بادب عرض کرونگا کہ یون نہ کہتا تو کیا یون کہتا "شبنم بگل لالہ خالی از ادا نہین ہے"۔ اِس صورت مین اہل ذوق سمجھ سکتے ہین کہ "شبنم" پھر "بگل لالہ" کے بعد "خالی از ادا نہین ہے" کہنا شعر کو ہیولیٰ بنائے دیتا ہے۔ روابط کے سوا تمام شعر فارسی کے قالب مین ڈھلا ہوا ہے۔ صرف نہ ہے کو "ہست نہ" سے بدل دین تو شعر کا شعر

فارسی ہوا جاتا ہے اور ع موزون وہین یہ خوبے جوشے جہان کی ہے۔

اُستاذ الکل فی الکل مرزا رفیع سودا فرماتے ہین ؎

یان نہ ذرہ ہی چمکتا ہے فقط گرد کے ساتھ   جلوہ گر نور ہے خورشید کا ہر فرد کے ساتھ

بیخود موہانی۔ حل۔ بیدرد۔ سنگدل جسے دوسرون کی مصیبت پر ترس نہ آئے نظرگاہ۔ اُمیدگاہ۔ مرزا صاحب فرماتے ہین کہ لالہ پہ اوس کی بوندین یہ مطلب اداکر رہی ہین کہ بیدردون کے داغ ہی سے حیا کی اُمیدین وابستہ ہین یعنی اہل دل جب یہ حالت دیکھتے ہین تو اُنکا خیال بیدردون کی ایک حالت خاص کیطرف منتقل ہوجاتا ہے اور وہ یہ کہ جب اُنکا (خواہ معشوق مرد ہو یا کوئی اور ظالم) دل خود کوئی صدمہ اُٹھاتا ہے۔ مثلاً کسی پر عاشق ہوجانا۔ مبتلائے فراق ہونا۔ کسی مصیبت مین پڑجانا۔ کسی عزیز کا مرجانا۔ تو اُنکو عاشقون یا مظلومون کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور یہی احساس اُنکو اپنے گذشتہ بیدردانہ طرز عمل پر شرمندہ کرتا ہے اور اُنکی آنکھون مین اشک ندامت جھلکنے لگتے ہین۔ جوش پشیمانی سے پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے اور اُنکی یہی ادا ہے کہ اہل دل اُسکے صلہ مین اُنکی تمام برائیون پر خاک ڈال دیتے ہین اور اُنکو اُس پشیمان ظالم پر پیار آنے لگتا ہے۔ اس شعر سے توبہ کی حقیقت پر چھاؤن پڑتی ہے مرزا کے اخلاق کریمانہ کی تصویر آنکھون مین پھرنے لگتی ہے مصیبت بے رحمون کے لیے رحمت ہے اسلیے کہ رقت قلب پیدا کرتی ہے۔ مرزا نے فارسی مین بھی ایسا ہی کچھ کہا ہے ؎

نازنینان بجلند ارچہ جفا نیز کنند
زو فلے کہ نکروند حیا نیز کنند

دل خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار آئینہ بدست بتِ بدست حنا ہے

مولانا شوکت۔ دل کشمکش حسرتِ دیدار سے بتِ بدمست حنا کے ہاتھ مین آئینہ بنا ہوا ہے یعنی اُسکے تغافل کو کھول رہا ہے کہ وہ حنا تو لگانے کے شوق مین بدمست ہے اور یہان حسرت دیدار مین دل کا کس قدر خون ہو رہا ہے بدستِ حنا بُت کی صفت ہے۔

تنقید جناب شارح نے خیال نہین فرمایا کہ اس طرح مطلب کہنے مین شعر کا مفہوم گو نگے کا خواب ہوا جاتا ہے۔

جناب حسرت موہانی (۱) دل اور آئینہ کی رسائی قسمت کا مقابلہ کرتا ہے کہ ایک ہمارا دل ہے خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار ہے اور ایک آئینہ ہے جو اُس بدستِ حنا کے ہاتھ مین ہے۔

(۲) دل حسرت دیدار مین خون ہو کر بصورت حنا اُسکے ہاتھ مین آئینہ بن گیا۔

تنقید مطلب اوّل ظاہر مین تو دل کو لگتی ہوئی بات ہے مگر اس مین مصیبت یہ ہے کہ لفظ "حنا" حشو محض ٹھہرتا ہے۔ حالانکہ مرزا کے یہان زوائد ہونگے بھی تو رفع تعقید کیلیے۔ علاوہ برین بدست حنا یہان بالاضافت نہین ہے۔ (۲) مطلب ثانی وہی ہے جو شوکت نے لکھا ہے۔

نظم طباطبائی۔ آئینہ دل مہندی بنگیا ہے یعنی حسرت دیدار نے اُسے پیس ڈالا اور اُسکے جگر کو لہو کر دیا۔ دل کو آئینہ بنا کر پھر اُسے حنا بنا دینا بہت ہی تصنع ہے اور بے لطف۔

تنقید۔ جناب طباطبائی کی شرح پر ناطقہ سر بگریبان ہے تو خامہ انگشت بدندان۔

یہی تنقید دہ دل لہو کیے دیتی ہے۔ دونون کی حقیقت حل مین آئینہ ہوئی جاتی ہے۔

تمہید۔ یہ یون کہ مرزا کا یہ شعر معشوق کی خود پرستی اور جمال کی محویت کے متعلق جواب نہین سکتا مطلب صاف ہے مگر نظر کون کرے۔ بعض حضرات کو سمجھنے سمجھانے مین اسلیے دقت پیش آئی کہ اُنھون نے بدست حنا کو اضافت کے ساتھ پڑھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اِس شعر مین متشابہات بھی جمع ہوگئے ہین۔ مثلاً دل اور آئینہ کی تشبیہ عام ہے۔ دل خون شدہ اور حنا مین تشبیہ موجود ہے۔

بیخود موہانی "دل حسرت دیدار کی کشمکش سے خون ہے آئینہ بت بدمست کے ہاتھ مین حنا ہے۔ یعنی دل پاک و صاف عاشق اس قابل تھا کہ معشوق اُسے اپنا جلوہ زار بناتا۔ مگر بُرا ہو بدمستی کا کہ اُس ظالم نے اُسے حنا بنا دیا۔ مختصر یہ ہے کہ اُسنے دل کو اتنا رستایا کہ لہو ہوگیا۔ اِس شعر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا نہ کرے کہ کوئی قابل قدر چیز کسی قدر ناشناس کے ہاتھ پڑے"

(۱) معشوق اپنے جمال کی دلربائیون کے نظارہ مین ایسا محو و بیخود۔ مست و مدہوش ہو رہا ہے کہ آئینہ اُسکے ہاتھ مین یون بحس و حرکت قائم ہے جیسے رنگ حنا کفِ دست پر اور حسرت دیدار کی کشمکش نے عشاق کے دلون کو لہو کر رکھا ہے یعنی معشوق خود اپنی صورت پر فریفتہ ہے وہ کیا جانے کہ کوئی مشتاق دید بھی ہے اور ہے تو اُس پر کیا بن رہی ہے۔

(۲) معشوق اپنے مہندی رچے ہوئے ہاتھون کو اس محویت سے دیکھ رہا ہے جس محویت سے بتان خود پرست آئینہ دیکھتے ہین۔ اور حسرت دیدار عشاق کا دل لہو کیے دیتی ہے

(۳) کشمکش حسرت دیدار مشتاقانِ دید کے دل لہو کیے دیتی ہے اور معشوق کو

دل خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار ... آئینہ بدست بتِ بدمست حنا ہے

مولانا شوکت۔ دل کشمکش حسرتِ دیدار سے بتِ بدمست حنا کے ہاتھ مین آئینہ بنا ہوا ہے یعنی اُسکے تغافل کو کھول رہا ہے کہ وہ حنا تو لگانے کے شوق مین بدمست ہے اور یہان حسرت دیدار مین دل کا کس قدر خون ہو رہا ہے بدمستِ حنا بُت کی صفت ہے۔

تنقید جناب شارح نے خیال نہین فرمایا کہ اس طرح مطلب کہنے مین شعر کا مفہوم گونگے کا خواب ہوا جاتا ہے۔

جناب حسرت موہانی (۱) دل اور آئینہ کی رسائی قسمت کا مقابلہ کرتا ہے کہ ایک ہمارا دل ہے خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار ہے اور ایک آئینہ ہے جو اُس بدمستِ حنا کے ہاتھ مین ہے۔

(۲) دل حسرت دیدار مین خون ہو کر بصورت حنا اُسکے ہاتھ مین آئینہ بن گیا۔

تنقید مطلب اوّل ظاہر مین تو دل کو لگتی ہوئی بات ہے مگر اس مین مصیبت یہ ہے کہ لفظ "حنا" حشو محض ٹھہرتا ہے۔ حالانکہ مرزا کے یہان زوائد ہونگے بھی تو دفع نظر بد کیلیے۔ علاوہ برین بدمست حنا یہان بالاضافت نہین ہے۔ (۲) مطلب ثانی وہی ہے جو شوکت نے لکھا ہے۔

نظم طباطبائی۔ آئینہ دل مہندی بنگیا ہے یعنی حسرت دیدار نے اُسے پیس ڈالا اور اُسکے جگر کو لہو کر دیا۔ دل کو آئینہ بنا کر پھر اُسے حنا بنا دینا بہت ہی تصنع ہے اور بے لطف۔

تنقید۔ جناب طباطبائی کی شرح پر ناطقہ سر بگریبان ہے تو خامہ انگشت بدندان۔

یہی تنقید وہ دل لہو کیے دیتی ہے۔ دونوں کی حقیقت حل میں آئینہ ہوئی جاتی ہے۔

تمہید۔ یہ یوں کہ مرزا کا یہ شعر معشوق کی خود پرستی اور جمال کی محویت کے متعلق جواب نہیں نکلتا مطلب صاف ہے گر نظر کون کرے بعض حضرات کو سمجھنے سمجھانے میں اسلیے دقت پیش آئی کہ انھوں نے بدمست حنا کو اضافت کے ساتھ پڑھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس شعر میں تشابہات بھی جمع ہو گئے ہیں۔ مثلاً دل اور آئینہ کی تشبیہ عام ہے۔ دل خون شدہ اور حنا میں تشبیہ موجود ہے۔

بیخود موہانی "دل حسرت دیدار کی کشمکش سے خون ہے آئینہ بت بدمست کے ہاتھ میں حنا ہے۔ یعنی دل پاک صاف عاشق اس قابل تھا کہ معشوق اسے اپنا جلوہ زار بناتا۔ مگر بر اہ مدمستی کا کہ اس ظالم نے اسے حنا بنا دیا۔ مختصر یہ ہے کہ اسنے دل کو اتنا رگڑا کہ لہو ہو گیا۔ اس شعر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا نہ کرے کہ کوئی قابل قدر چیز کسی قدر ناشناس کے ہاتھ پڑے"۔

(۱) معشوق اپنے جمال کی دلربائیوں کے نظارہ میں ایسا محو و بیخود و مست و مدہوش ہو رہا ہے کہ آئینہ اسکے ہاتھ میں یوں بحس و حرکت قائم ہے جیسے رنگ حنا کف دست پر اور حسرت دیدار کی کشمکش نے عشاق کے دلوں کو لہو کر رکھا ہے یعنی معشوق خود اپنی صورت پر فریفتہ ہے وہ کیا جانے کہ کوئی مشتاق دید بھی ہے اور ہے تو اس پر کیا بن رہی ہے۔

(۲) معشوق اپنے مہندی لگے ہوئے ہاتھوں کو اس محویت سے دیکھ رہا ہے جس محویت سے بتان خودپرست آئینہ دیکھتے ہیں۔ اور حسرت دیدار عشاق کا دل لہو کیے دیتی ہے

(۳) کشمکش حسرت دیدار مشتاقان دید کے دل لہو کیے دیتی ہے اور معشوق کو

خود آرائی (سنگار) کا اس قدر شوق ہے کہ آئینہ اُسکے ہاتھ مین مہندی بن کر رہ گیا ہے یعنی کسی وقت اُسکے ہاتھ سے چھوٹتا ہی نہین ایسا ہی کچھ ایک جگہ اور فرماتے ہین ؎

آرائش جمال سے فارغ نہین ہنوز پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب مین

فریفتگی معشوق کے متعلق مزید توثیق اور ضیافت طبع ناظرین کے لیے دو چار شعر اور لکھے جاتے ہین ؎

(لاادری)

باصد کرشمہ آن بت خجی دست میرود خود میکند خرام وخود از دست میرود

(غالب)

بخود رسیدنش از ناز بسکہ دشوار است چو ما بدام تمنائے خود گرفتار است

(حالی)

حینا انگند و مو دست و بازو خوست این جہان پرور نے شکار خویشتن خواہد شدن

(۵) حنا اُس بدمست کے ہاتھ مین آئینہ بنی ہوئی ہے۔ یعنی صاف ظاہر کر رہی ہے کہ عشاق کے دل کشمکش حسرت دیدار سے لہو ہو رہے ہین۔ یعنی آہ وہ اپنے غرور حسن سے بدمست ہو رہا ہے نہین تو رنگ حنا جو خون کا ہمرنگ ہے اُس پر ظاہر کر دیتا کہ عذر حنا کرنے سے مشتاقان دید کے دل لہو ہوئے جاتے ہین۔

حاشیہ۔ آئینہ کو بے حس وحرکت ہونے کی بنا پر حنا کہنا یا حنا کو معشوق کی محویت کے اعتبار سے آئینہ قرار دینا وہ انداز تکلم ہے۔ جو وہبی شاعرون کے سوا کسی کو نصیب نہین ہوتا شعر کے الفاظ نہین شاعر نے سمجھ کر ڈھیرے ڈال دیے ہین ایک لفظ سے دوسرے لفظ کو زور پہونچ رہا ہے۔ لفظ کشمکش سے دل کے لہو ہونے کی تصویر آنکھون

مین بھسنے لگتی ہے۔ کشمکش یہ ہے کہ معشوق کی محویت کا تقاضا ہے کہ اس تمنا سے درگزرو اور حسرت دید کہتی ہے کہ بے دیکھے لپٹنا حرام ہے۔

شعلہ سے نہوتی ہوس شعلہ نے جو کی | جی کسقدر افسردگی دل پہ جلا ہے

اس شعر کے حل مین مجھے زیادہ اختلاف نہین مین جناب طباطبائی کا ایراد نقل کرکے جواب دیئے دیتا ہون۔

طباطبائی فرماتے ہین "جی جلنا" اردو کے محاورہ مین ناگوار ہونے کے معنی پر ہے۔ یہان یہ معنی مقصود نہین بلکہ جی کڑھنا مقصود ہے مصنف نے اپنی عادت کے موافق دل سوختن کا ترجمہ کرلیا ہے۔ فارسی مین کہین گے کہ بربے برگیش دلم می سوزد۔ لیکن اردو مین یہ کہنا کہ انکی بیکسی پر دل جلتا ہے اچھا نہین ہے۔ افسردگی دل سے اُسکا شعلۂ عشق سے خالی ہونا مراد ہے

تنقید۔ جناب شارح نے غور نہین فرمایا۔ مرزا "جی جلنا" ناگوار ہونے اور غصہ آنے ہی کے معنے پر فرما رہے ہین "بیکسی پر دل جلنا" یہ مثال قیاس مع الفارق کا حکم رکھتی ہے۔ کجا بیکسی کجا پست ہمتی۔ کسی کی بیکسی پر غصہ آتا ہے بیرحمون اور بودون کو۔ اور اپنی کم جرأتی پر غصہ آتا ہے اہل دل کو (۲) ہان مرزا مجتہدین فن یعنی میر تقی میر و مرزا رفیع سودا کی طرح فارسی محاورون کا ترجمہ جائز ہی نہین ضروری سمجھتے ہین (۳) دل کی افسردگی سے اُسکا شعلۂ عشق سے خالی ہونا مراد نہین بلکہ پست ہمتی مراد ہے جسے اصطلاح علم اخلاق مین بیدلی کہتے ہین۔ دل جلنا دل کڑھنے کے معنون پر بھی ہے۔ مرزا رفیع سودا فرماتے ہین ؎

بکس کوئی سوئے تو جلے اُسپہ دل مرا   گویا یہ ہے چراغ غریبان کی گور کا

بیخود موہانی۔ دل کی بیحسی و بے حوصلگی پر حد کا غصہ آتا ہے اسکے ہاتھوں دل کی ایسی بربادی ہوئی کہ عشق کے چلتے نہوتی۔ کوئی اُستاد کہتا ہے ؎

نہ زخم تازہ می خارد نہ داغ کہنہ می کاود

بدہ یارب دلے کاین صورت بیجان نمیخواہم

تمثال مین تیری ہےؔ وہ شوخی کہ بصد ذوق   آئینہ بانداز گل آغوش کشا ہے

جناب حسرت و شوکت و طباطبائی نے پورے طور پر حق شرح ادا نہین کیا۔ مین صرف جناب طباطبائی کی عبارت نقل کیے دیتا ہون۔ ایسلیے کہ عبارت واضح نہین ہے

جناب طباطبائی ارشاد فرماتے ہین کہ تیرے عکس عارض کا رنگ ایسا شوخ ہے یا تمام تمثال مین ایسی شوخی بھری ہے کہ آغوش آئینہ آغوش گل بن گیا ہے اور تیرا عکس آئینہ کو گل کی طرح شگفتہ کر کے نسیم کیطرح اسکے آغوش سے نکل گیا۔ یہان عکس کی شوخی بیان کرنے سے خود معشوق کا بیچین اور شوخ ہونا بالالتزام ظاہر ہوا۔

تنقید۔ جناب غالب نے آئینہ کی آغوش کشائی کو گل کی آغوش کشائی سے تشبیہ دی تھی جسنے جناب شارح کو اپنی شرح مین عکس کو نسیم سے تشبیہ دینے پر ابھارا اور اُس مین اتنی محویت ہوئی کہ مطلب کے ادا نہونے کیطرف توجہ فرمانے کا موقع نہ ملا۔ صرف اتنا ہی نہین ہے کہ مرزا تشبیہ پر تشبیہ دیتا چلا جاتا ہے بلکہ اس تشبیہ سے مرزا کا خاص مطلب ہے جو حل مین بیان کیا جائیگا۔ یہ نظر رہے کہ پھول کھلنے کے بعد پھر کلی نہین بن سکتا

ہان جناب طباطبائی کا یہ ارشاد ضرور صحیح ہے کہ یہان عکس کی شوخی بیان کرنے سے معشوق کا چنچل ہونا بالالتزام ظاہر ہوا۔

حل بیخود موہانی تمثال۔ عکس۔ تصویر

(۱) آئینہ مین چوکھنا ہوتا ہی ہے مگر عاشق کو چنچل معشوق کی شوخیون سے متاثر ہونیکی حالت مین ایسا نظر آرہا ہے کہ اُسکے عکس مین ایسی شوخی ہے کہ اُسکے اثر سے بیتاب ہوکر آئینہ اُسکی تمثال کو کلیجہ سے لگا لینے کیلیے گل کی طرح آغوش کھولے ہوئے ہے۔

(۲) تو اتنا چنچل ہے کہ آئینہ اِدھر اُٹھایا اُدھر رکھدیا۔ تیری شوخی سے بیتاب ہوکر جسنے آغوش کھولا تو پھر گل کی طرح کھولے ہی رہ گیا۔ یعنی حیرت شوق آئینہ پر طاری ہوئی تو ہمیشہ کیلیے طاری ہوئی جس طرح کلی کھلجانے کے بعد پھر کلی نہین بن سکتی۔

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

شوکت قمری جل کر راکھ کی مٹھی بن گئی اور بلبل کا رنگ قفسی یعنی سیاہی مائل ہے۔ اے نالہ اُن کے جگر سوختہ کا بھی کچھ نشان ہے۔ قمری کا رنگ خاکستری اور بلبل کا سیاہ (آہنی پنجرے کے ہمشکل) ہوتا ہے اور دونون نالہ کرتی ہین اور اور نالہ ہی نے اُنکو جلا دیا۔ تمام نسخون مین قفس رنگ بالاضافت غلط طبع ہوا ہے۔ بلکہ "قفسی رنگ" ہے۔

تنقید۔ اس حل مین اے نالہ اُن کے جگر سوختہ کا کوئی نشان بھی ہے عجیب سرشہ ہے۔ اتنی کاوش ہوئی مگر بیت جیسی عقیم تھی ویسی ہی عقیم (بانجھ) رہی۔

حسرت۔ جگر سوختہ کا کوئی نشان سوائے نالہ کے باقی نہین ہے۔ پہلا مصرع

بطور تمہید کے لکھا ہے کہ جس طرح قمری عشق سرو مین ایک کف خاکستر اور بلبل عشق گل مین صرف ناب ہی رنگ رہ جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے جگر سوختہ کا کوئی نشان بجز نالہ کے باقی نہین رہا۔

تنقید۔ اگر جناب حسرت کا حل صحیح مانا جائے تو یہ مصیبت پیش آتی ہے کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر ہمارے جگر سوختہ کا نشان سوا نالہ کے کچھ باقی نہین ہے اور اتنا ہی کافی ہے تو یہ بات یعنی نالہ کشی تو بلبل و قمری مین بھی پائی جاتی ہے۔ پھر مرزا سا نبض شناسِ لفظ و معنی قمری کو کف خاکستر اور بلبل کو قفس رنگ کہکر معنی و حسن شعر مین کیا اضافہ کرتا ہے۔ اور جب ایسا نہین ہے تو ع

این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولے

جناب طباطبائی۔ قمری مین بسبب نالہ کشی کے کچھ خاکستر جگر پائی جاتی ہے اور بلبل مین کچھ رنگ جگر کا ملتا ہے باقی جگر کا کچھ پتہ نہین۔ مطلب یہ ہے کہ نالہ کشی ایسی چیز ہے کہ جگر کو جلا کر نابود کر دیتی ہے اور قفس معنی سبد بھی ہے۔ یہی معنی یہان مراد ہین قمری کو کف خاکستر فارسی والے باندھا کرتے ہین لیکن (۱) بلبل کو سبد رنگ کہنا نئی بات ہے مگر بے لطف ہے۔
(۲) نالہ کو مخاطب بنانا بھی بے مزہ بات ہے اور جگر سے بظاہر بلبل و قمری کا جگر مراد ہے۔ احتمال یہ بھی ہے کہ اپنے جگر سوختہ کا نشان شاعر پوچھ رہا ہے شعر مین جہان دوسرے معنی کا احتمال پیدا ہوا وہ سست ہوگیا۔

تنقید۔ مفہوم شعر کے متعلق مین طول کے خوف سے کچھ نہ لکھونگا۔

(۱) بلبل کو قفس سے جیسی مناسبت ہے ظاہر ہے پھر بلبل کو قفسِ رنگ کہنا یا قفسِ رنگ

کہنا بلبل کے منون پر ایک لطیف وجدید لفظ کا اضافہ ہے جیسے لیلیٰ کو جان مجنون کہنا۔ اور اسکی داد اہل ذوق پر واجب ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جسطرح سُرخی اور اگرئی وغیرہ رنگون کے نام ہین اُس طرح قفسی کسی رنگ کا نام نہین ہے مگر رنگ سیاہ کی جگہ پر قفسی رنگ کہنا اور پھر بلبل کے متعلق ضرور داد کے قابل ہے

(۲) خبر نہین نالہ کو مخاطب بنانا کیون بے مزہ ہے اسلیے کہ غیر ذی روح اشیا رسے جاندارون کی طرح خطاب کرنا ایران و ہند کی شاعری مین عام ہے اور انگریزی مین بھی نایاب نہین۔

(۳) یہ ارشاد کہ شعر مین جہان دوسرے معنی کا احتمال پیدا ہوا وہ سُست ہو گیا۔ بجا ہے مگر جب احتمال ہو بھی جب تغیر لہجہ یا کسی اور صورت سے کئی مفہوم بے تکلف نکلین تو داد کے قابل ہین۔ خواہ وہ مطالب مصنف کے ذہن مین شعر کہتے وقت موجود ہون یا نکات بعد الوقوع کے تحت مین آئین اور یہ تو شاعری کا معجزہ ہے کہ شعر دو متضاد معنے رکھتا ہو اور دونون اپنی جگہ لطیف و مضبوط ہون جس طرح تصویر کی آنکھ بنانے مین کمال مصور یہ ہے کہ ایسی آنکھ بنائے کہ انسان جس سمت سے تصویر پر نظر ڈالے یہی سمجھے کہ صاحب تصویر مجھی کو دیکھ رہا ہے (خاص کر توریہ کے محل پر ایسا کلام کمال زبان آوری کیلیے مایۂ ناز ہے) خلاق المعانی حضرت خاقانی فرماتے ہین۔

خاقانی را دگر شب آمد ہمسایہ شنید نالہ ام گفت

(۱) ہمسایہ نے میرا نالہ سُنکر کہا، لو پھر رات ہوئی کمبخت نے کل کی رات نیند حرام کر دی تھی آج کی رات بھی آنکھون مین کٹتی نظر آتی ہے۔

(۲) ہمسایہ کا مطلب یہ ہے کہ خاقانی رات اس درد و کرب سے رو رہا تھا کہ رات

کٹنے کی اُمید نہ تھی تعجب ہے کہ ابتک زندہ ہے۔

(۳) ہمسایہ ہمدردانہ لہجہ مین کہتا ہے کہ خاقانی بیچارے کی رات بڑی مصیبت سے کٹتی ہے۔ لو پھر رات ہوئی اور پھر اُس پر وہی شدائد گزرنے لگے۔ ہائے کیسی مصیبت کی زندگی ہے۔

(۴) ہمسایہ بنظرِ استہزا کہتا ہے کہ لیجئے پھر رات ہوئی اور پھر وہی ادھم ہونے لگا۔

(خدائے سخن میرؔ)

جو پوچھا کہ کتنا ہے گُل کا ثبات ۔۔۔ کلی نے یہ سُنکر تبسم کیا

(۱) حل۔ کلی نے بتادیا کہ گُل کا ثبات بقدرِ یک تبسم ہے

(۲) کلی اس بات پر مسکرائی کہ میری بہارِ عُمر کی بے ثباتی سے مجھے کس لطیف پیرایہ مین آگاہ کیا۔

(۳) کلی پوچھنے والے کی سادگی پر مسکرائی کہ مین تو ابھی کلی ہون مین کیا جانون کہ گل کا ثبات کتنا ہے یہ پوچھنا ہے تو گل سے پوچھیئے۔

(۴) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور کے نصیحت فرمانے کی ضرورت نہین مین خود اپنی بے ثباتی سے واقف ہون

(۵) مسکرانے کی وجہ یہ تھی کہ چلے ہین اسوقت آغازِ بہار و شباب مین نصیحت کرنے جس وقت کوئی کسی کی نہین سنتا۔

مین پھر غالبؔ کا اصل شعر لکھے دیتا ہون۔

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ ۔۔۔ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

تیخود (؟) قُمری بھی نالہ کش ہے اور بُلبُل بھی۔ قمری سوزِ عشق سے جلکر کفِ خاکستر

اور بلبل خاک سیاہ۔ اور اس طرح دونون اپنے سوز عشق کا مرقع بنی ہوئی ہین۔ ان کا دعوی عشق مسلم ہے۔ اے نالہ مین اپنے سوز دل کے ثبوت مین دنیا کو کیا دکھاؤن خالی نالہ دعوی بے دلیل ہے اور موجب رسوائی۔ کمال عشق یہ ہے کہ عاشق ہمہ تن سوختہ سراپا شعلہ بنکر رہ جائے۔ مراد یہ ہے کہ مین شیدائیون کی صف مین آتے ہوئے شرماتا ہون اسلیے کہ میرا سوز سوز ناتمام ہے۔ مثال کے طور پر کچھ شعر لکھے جاتے ہین ؎

(غالب)

اُس شمع کیطرح سے جسکو کوئی بجھائے   مین بھی جلے ہوؤن مین ہون داغ ناتمامی

(سودا)

سودا قمار عشق مین مجنون سے کوہکن   بازی اگرچہ لے نہ سکا جی تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشقباز   خانہ خراب تجھسے تو یہ بھی نہ ہو سکا

(۲) اگر مصرعہ ثانی کو تحقیر کے لہجہ مین پڑہین تو ایک مفہوم اور بھی نکلتا ہے:
انسان اشرف المخلوقات ہے ظرف اُسے اپنی حیثیت کے موافق عطا ہوا ہے۔ اے نالہ تو قمری کو خاکستر اور بلبل کو خاک سیاہ دیکھ کر مجھسے میرے جگر سوختہ کا نشان پوچھتا ہے مین تجھے کیا بتاؤن میرے جگر سوختہ کا نشان ہی کیا۔ مین بلبل و قمری کا سا اوچھا نہین۔ مجھے جیسا سوز عطا ہوا ہے ویسا ہی ضبط بھی۔ (دوہا)

آہ کرون تو جگ جلے اور جنگل ہو جل جائے   یہ پاپی جیرا نا جلے کہ جس مین آہ سمائے

(شیخ ناسخ علیہ الرحمہ)

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے   جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا   غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

(کوئی اُستاد کہتا ہے)

بلبل نیم کہ نعرہ زنم دردسر کنم　　قمری نیم کہ طوق بہ گردن درآورم
پروانہ نیستم کہ بہ یکدم عدم شوم　　شمعم کہ جان گدازم ودم برنیاورم

(۳) قمری مین سوزِ دل تھا وہ جل کے راکھ کے رنگون ہوگئی۔ بلبل سیاہ پڑکر رہ گئی۔ مگر ہم ایسے بدنصیب ہین کہ سوزِ دل نے کلیجہ پھونک دیا اور دنیا نے نہ جانا کہ ہم پر کیا گزری۔

(دوہا)

لکڑی جل کوئلہ بھئی اور کوئلہ جل بھئی خاک　　مین پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

(۴) جب کوئی چیز جلجاتی ہے تو کوئلہ ہوجاتی ہے اور جب بالکل جلجاتی ہے تو راکھ ہوجاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایک کا رنگ خاکستری ہے دوسرے کا سیاہ۔ آخر اِن دونون مین ترجیح کسکو ہے۔ یعنی میرے نزدیک تو قمری کو بلبل پر ترجیح ہے۔

خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو　　معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

جنابِ شوکت۔ تیری خو مین اسقدر شوخی بھری ہے کہ اُسکے سامنے وحشتِ دل افسردہ ہے۔ خوئے معشوق اور وحشت کی بے حوصلگی دونون میرے لیے عجیب بلائین ہین۔

تنقید۔ اگر مطلب یہی ہے تو اس مین خوبصورتی کا نام نہین، اسلیے کہ برہنہ لفظون مین اسکے معنے یہی تو ہوئے کہ معشوق کی گرماگرمی عاشق کی بیتابیون اور اُمنگون سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ واقعہ بھی ہو تو کہنے کی بات نہین۔

جناب طباطبائیؒ۔ معشوق ہو کر ایسا پھیکا پن، ایسی ٹھنڈی طبیعت، نہ ناز و ادا کا حوصلہ، نہ چھیڑ کا مزہ۔ طرفہ بلا ہے۔ یعنی قابل نفرت ہے خو سے بیدماغی و بدمزاجی مراد ہے۔ لفظ وحشت اس شعر مین مصنف نے ذوق و شوق کی جگہ پر باندھا ہے اور اصل مین وحشت و نفرت کے معنے قریب قریب ہین وہ یہان بنتے نہین کیونکہ مطلب یہی ہے کہ تیری بدمزاجی سے دل کو وحشت ہوگئی نہ کہ وحشت دل افسردہ ہوگئی۔ غرض یون کہنا چاہیے تھا کہ افسردہ کیا خواہش دل کو یا حسرت دل کو جب لفظ مطابق معنی ہوتا

تنقید :۔ (۱) "طرفہ بلا ہے" کے یہ معنی صحیح نہین کہ قابل نفرت ہے بلکہ عجب (امل) بے جوڑ یا تماشے کی بات ہے اور بس۔ ایسے محل پر قابل نفرت وہ بڈھے سکتے ہین جن کا معشوق جوان ہو یا بادشاہ تندمزاج کہہ سکتا ہے جسکا جواب شیرین کی زبان سے سنیے۔ ترا شاہی سزد نے عشقبازی

(۲) وحشت کے معنی یہان ولولے اور اُمنگ کے ہین جسے معشوق اپنی زبان مین وحشت کہتے ہین جب عاشق معشوق کو چھیڑتا ہے یا ابتیا بیان کرنے لگتا ہے تو غمزہ اکثر اسکی زبان سے ایسے الفاظ نکلوا دیا کرتا ہے جیسے یا وحشت۔ مرزا نے معشوق کی زبان سے نکلا ہوا صرف ایک لفظ یعنی 'وحشت' دہرا کر عاشق و معشوق کی خلوت عاشق کی چھیڑ چھاڑ اور معشوق کے جواب کی تصویر کھینچدی جسکا لطف کچھ اہل ذوق ہی جانتے ہین اپنی تنقید کی توثیق کے لیے مرزا ہی کا ایک مطلع اور جناب طباطبائی کی شرح نقل کیے دیتا ہون ؎

عشق مجھکو نہین وحشت ہی سہی — میری وحشت تری شہرت ہی سہی

جناب طباطبائی اس شعر کا مطلب یہ تحریر فرماتے ہین یعنی تو میرے اظہار عشق پر کہتا ہے کہ تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ عشق مجھ کو

نہین وحشت ہی سہی۔

(۲) تیری بد مزاجی سے دل کو وحشت و نفرت ہو گئی۔ یہان یہ فقرہ بھی عاشق کی زبان سے کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا۔ خاصکر جب الفاظ مصنف کا وزن پر ہاتھ دھرے ہوے ہین۔ مراد قائل ابا کر رہی ہے۔ طبع شاعر آمادۂ ہر ہے۔

(۳) وحشت دل کو خواہش دل یا حسرت دل سے بدل تو دین مگر مذاق سلیم کی پیشانی شکن آلود ہو جائے گی۔

بیخود۔ تیری بے دماغی، تیرے روکھے پھیکے پن نے دل کی اُمنگین کو کم اور دلوون کا جوش ٹھنڈا ہو گیا معشوق ہو کر چھیڑ چھاڑ سے ایسی نفرت۔ تو یہ

مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت   دستِ تہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے

بیخود۔ مجھے اس شعر کے مطلب مین کسی سے اختلاف نہین ہے۔

حل۔ مرزا صاحب فرماتے ہین کہ ہم حالتِ مجبوری مین محبت نباہ رہے ہین۔ ہمارے پیمان وفا کی مثال ایسی ہے جیسے پتھر کے نیچے کسی کا ہاتھ دب گیا ہو اور نکلتے نہ بنے اس مین ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ عہد کرتے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہین۔ گویا ہم اور معشوق سے پیمان وفا نہین ہوا ہے۔ بلکہ مجبوری سے۔ (یہان مجبوری ذی روح تصور کی گئی ہے)

معلوم ہوا حال شہیدان گزشتہ   تیغ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

گزارش۔ اس شعر کے مطلب مین مجھے کسی سے اختلاف نہین۔ ہان اتنا عرض کر دینا ہے

تو اداے مطلب مین قاصر نہین ۔ خبر نہین کہ جناب طبا طبائی نے اداے مطلب کا معیا
کیا قرار دے رکھا ہے ۔

حل ۔ کسی مجروح یا تماشائی کی نظرون مین معشوق (یا کسی ظالم) کی تیغ ستم کا انداز
دیکھ کر اگلے شہیدون کی تصویر پھر گئی ہے ۔ اور وہ کہتا ہے کہ تیری تلوار تلوار نہین ایک
آئینہ تصویر نما ہے یعنے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس تلوار کے گھاٹ اُترنے والون
پر کیا گزری ہوگی ۔

اے پرتو خورشید جہانتاب اِدھر بھی ۔ سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

پرتو خورشید ۔ رحمت پروردگار ۔ یا جناب سالتمآب ۔ کرم وجلوۂ معشوق ۔ مرشد
حل ۔ اے تمام دنیا کے روشن کرنیوالے آفتاب کے نور ، ایک نظر کرم ادھر بھی ۔ ہم پر سایہ
کی طرح عجب وقت پڑا ہے ۔ اس شعر مین بہت سے لطیف نکتے ہین

(۱) دھوپ جب سایہ پر آجاتی ہے تو وہ بھی دھوپ ہوجاتا ہے ۔ یعنی ہم کو اپنے
رنگ مین رنگ دے ۔

(۲) سایہ کی تشبیہ تعریف سے بے نیاز ہے ۔ وہ یون کہ سایہ کی مصیبت آفتاب
کے سوا کسی کے ٹالے ٹل نہین سکتی ۔ یعنی ہمارے دکھ کا علاج تیرے سوا کسی کے
بس کی بات نہین ۔

(۳) آفتاب کو سایہ کے چمکا دینے مین کوئی دقت ہوتی ہے نہ تکلیف یعنی
تیرے ادنی اشارہ مین ہمارا کام بنجائیگا ۔

(۴) عجب وقت پڑا ہے یعنی سخت سے سخت مصیبت ہے جسکے اظہار کیلیے

الفاظ ہی نہین ملتے نہ کوئی اُس مصیبت کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے۔

ناکردہ گناہون کی بھی حسرت کی ملے داد یارب اگران کردہ گناہون کی سزا ہے

جناب شوکت کی شرح مین یہ شعر نہین جناب حسرت نے صرف نثر فرمادی جناب طباطبائی نے صرف تحسین و تمجید پر اکتفا فرمائی (یعنی میر تقی کو بھی حسرت ہو گی کہ یہ مضمون مرزا نوشہ کے لیے بچ رہا) حالانکہ یہی شعر بیت الغزل (غزل کی جان) ہے۔

حل۔ کوئی گنہگار دنیا مین اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے وقت یا میدان حشر مین پرسش اعمال کے موقع پر کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار اگر میرے کیے ہوے گناہون کی سزا دیتا ہے تو جن گناہون کی حسرت رہگئی (یعنی جو گناہ قدرت نہ ہونے کی وجہ سے یا تیرے خوف کے سبب سے یا تیری خوشنودی کے خیال سے نہین کیے) پہلے اُسے نکال دے پھر جو سزا چاہے دے لے مین خوشی سے بھگت لونگا۔

حاشیہ۔ اِس شعر مین مرزا نے انسان کے ذوق گناہ کی انتہا دکھائی ہے۔

(۲) پروردگار! اگر میرے کیے ہوئے گناہون کی سزا دیتا ہے۔ تو خیر لیکن جن گناہون کی حسرت رہ گئی (اور ناکامیون نے میرے دل پر جو قیامتین توڑی ہین) تو اُن سے خوب واقف ہے جو گناہ قدرت ہونے کیوجہ سے مین نے نہین کیے اسپر جو تکلیف میرے دل کو ہوئی عجب نہین جو وہی میرے گناہونکا کفارہ ہو گئی ہو۔ اور جو گناہ تیرے خوف سے نہین کیے اور جن لذتون کو تیری خوشنودی کے لیے ترک کیا اُن کا اجر ملنا چاہیے فیصلہ کرنے مین یہ تمام امور مد نظر رہین عجب نہین کہ مین جزا کا مستحق ٹھیرون سزا کیسی۔

حاشیہ۔ مرزا نے باز پرس قیامت کے لیے قیامت کا جواب پیدا کیا ہے
اور کس بلیغ انداز سے اپنا مطلب ادا کیا ہے۔

بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو غالب　　کوئی نہین تیرا تو مری جان خدا ہے

حل۔ اے غالب اگر تجھے دنیا نے چھوڑ دیا تو ہراسان ہونیکی کون سی بات ہے اگر کوئی تیرا شریک حال نہین ہے نہ سہی خدا تو ہے۔ یہ شعر پڑھتے وقت ایک ایسے ناامید مجبور و رد کردہ دوستان و مبتلائے آفات کی تصویر نظرون مین پھرنے لگتی ہے جسے امید کا فرشتہ تسکین دے رہا ہو۔

سرِّ تحقیق

(بجواب)

نقد النقد بیخودی

پاے من و بند سخت قلبِ من و درد صعب
شور نزنجیر من و زدلم آہے بس است (بیخود موہانی)

اپریل کی بائیسوین (۱۹۲۵ء) کو اودھ پنچ مین اُدبارُالشعرا کے فرضی نام سے ایک مضمون شائع ہوا، جسکی سُرخی نقد النقد بیخودی تھی، اس مین میرے اُس مضمون پر داد نکتہ سنجی دی گئی تھی، جو الناظر مین " دیوان غالب کی شرحون پر ایک سرسری نظر" کے عنوان سے نکلا تھا، مگر یہ وہ زمانہ تھا جب مجھے اپنے گود کے پالے، اپنی آنکھون کے تارے (سب سے چھوٹے بھتیجے) کی آخری ناز برداریون مین سر و پا کا ہوش نہ تھا۔ ہر شام فرقت کی شام تھی اور ہر صبح قیامت کی صبح۔ یاس و اُمید مین ردوبدل ہو رہی تھی۔ دن چارہ گردن کے در کی خاک چھانتے گزرتا۔ رات آنکھون مین کٹتی۔

ابھی بیمار کی نبض دیکھ رہا ہون' ابھی اُسکی سانس پر نظر ہے۔ اِس ننھی سی جان پر وہ تکلیف تھی' کہ خدا دشمن کو نہ دے۔ سانس یون چلتی تھی جس طرح آرے چلتے ہین اور مین سے

تپش صرفہ خلیدن پہلو　　　نفس تنگ و نبض منشاری

کے خیال کو دل سے بھُلانا چاہتا تھا، مگر نہ بھولتا تھا۔ آخر کار موت نے مرض کا لباس اُتار پھینکا اور اب صاف نظر آنے لگا کہ جسے ہم بیماری سمجھے ہوئے تھے وہ ملک الموت کا ایک بھیانک روپ تھا۔ مختصر یہ کہ مان کی گود اسکے جھولے کیطرح خالی ہوگئی اور چاہنے والون کو یہ کہکر چپ ہو جانا پڑا سے

دیوانہ چل کھڑا ہوا دامن کو پھاڑ کے　　　سمجھانے والے بیٹھ رہے ہاتھ جھاڑ کے

جب وہ پیاری صورت جب وہ موہنی مورت خاک مین مل چکی میرا یہ عالم ہوا کہ راہ چلتے گھر بیٹھے' سوتے جاگتے مجھے اُسکے کراہنے کی آواز سنائی دینے لگی اور سے

دنیا کراہنے کی صدا بن کے رہ گئی　　　مین دل کو مرتے دیکھکے آفت مین آگیا

کا مفہوم میری سمجھ مین آنے لگا، اور گھر کیا دنیا کی ایک ایک چیز سے اُسکا تعلق نظر آنے لگا، اور میرے دل کی یہ حالت ہوئی سے

تھا کچھ نہ کچھ ضرور ہر اک شے مین دل کا رنگ　　　جس چیز پر نگاہ پڑی مین نے آہ کی

تو وہان کا قیام ترک کرنے کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اور مین لکھنو آیا۔ یہان مجھے بائیسوین اپریل کا پرچہ (اودھ پنچ) مکرمی جناب شیخ ممتاز حسین صاحب عثمانی مدیر اودھ پنچ سے ملا۔ مگر مین ابھی اپنے حواسون کو رو رہا تھا کچھ لکھ نہ سکا۔ اسکے بعد محبی جناب حکیم آشفتہ صاحب کی عنایت سے چھٹی مئی کا اودھ پنچ ملا۔ مین نے اعتراضون پر نظر کی

تو مجھے نہایت افسوس ہوکہ معترض لقانے نہ تو مرزا غالب کی غزل کے حل پر قلم اُٹھایا تھا نہ مری کسی ناچیز رائے پر کوئی مدلل تقریر کی تھی بلکہ میری اُردو دانی پر بچون کے کھیلنے والے طپنچے سکے رتھے۔ جی مین آیا ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی | جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

پڑھوں اور خاموش ہو رہوں، لیکن میرے احباب نے نہ مانا اور جواب لکھنے پر اتنا ہی مجبور کیا، جتنا جناب سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی لکھنوی سابق پروفیسر نظام کالج رکن دارالترجمہ حیدرآباد کو اُن کے احباب نے میرے مضمون پر خامہ فرسائی کیلیے مجبور کیا تھا۔ یہ بھی مجھے گوارا نہ ہوا کہ فاضل مضمون نگار میری خاموشی کو اپنے مضمون کا جواب سمجھکر اپنی توہین قرار دے اور اپنے احترام کا ماتم کرے، یہ بھی اچھا نہ معلوم ہوا کہ عوام غلط فہمی مین مبتلا رہین، میرے سچے چاہنے والے آزردہ ہون یہ بھی پسند نہ آیا کہ بے وجہ دشمن بن بیٹھنے والون کی زبان سے خواجہ آتش علیہ الرحمہ کے لاجواب نغمہ کی تانین فضا مین گونجین ؎

بڑا شور سنتے تھے پہلو مین دل کا | جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

اور اب خاموشی میرے بس کی بات نہ رہی۔

مجھے معتبر ذریعون سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض جناب طباطبائی بالقابہ کی ندرت آفرین دماغ سوزیون کا نتیجہ ہین، نمک مرچ مدیر اودھ پنچ نے لگایا ہے اور قیاس بھی ایسکا مقتضی ہے۔ اس مضمون مین تین باتین ایسی ہین جنسے کم از کم مجکو تو یہ خیال ضرور ہوتا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش | من انداز قدت را می شناسم

پہلی بات۔ عبارت کا یہ خاص انداز مثلاً "ابوالفضل بھی اس راہ کا سالک ہے" پھر

بوئے جہالت آئی" جتنے ملحقات اس لفظ کے ساتھ ہین سب کے مطالب کسی نہ کسی طرح انصاف وعدل کی طرف منجر ہوتے ہین" "جہالت، جہال، جاہل۔ یہ الفاظ سارے مضمون مین نظر آتے ہین اور مجھے کسی اُستاد کا یہ شعر بار بار یاد آتا ہے ؎

بات کرنے مین گالیان دے ہے دیکھیو میرے بدزبان کی ادا

دوسری بات:۔ معترض علام کی غیر معمولی موشگافی اور حد اعتدال سے گزری ہوئی احتیاط مثلاً "تاج دارائی" کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ دارا ایران کا تاجدار تھا سکندر نے اُس کا تاج چھین لیا تھا ایسا تاج قابل مدح نہین ہو سکتا"۔

(اودھ پنچ ۲۱ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۴ کالم ۱)

ایسی احتیاطین جناب طبا طبائی کے خصوصیات مین داخل ہین مین اس وقت صرف اُن جناب کی شرح دیوان غالب سے ایک مثال دیدینا کافی سمجھتا ہون۔ شعر غالب

جوہر تیغ بسر چشمۂ دیگر معلوم ہون مین وہ سبزہ کہ زہراب اُگاتا ہے مجھے

ارشاد جناب طبا طبائی:۔ مصنف مرحوم نے غفلت کی یہان۔ ایران مین زہراب اہل زبان پیشاب کو کہتے ہین۔ اس لفظ سے بچنا چاہیے تھا۔

(شرح طبا طبائی صفحہ ۲۴۵۔ الناظر پریس لکھنؤ)

اے میری اُردو پر چین بہ جبین ہونے والے تجھے اپنی بے نیازی و بے ادائی کا واسطہ ایک نظر ادھر بھی۔ دیکھ تو حضرت طبا طبائی نے اتنی سی عبارت مین یہان کہان پر لکھ دیا ہے؟ ایران مین کہنے کے بعد اہل زبان کہنا کہانتک صرف بامحل ہے۔ اب اگر ایرانیون اور ہندوستانیون کے کلام سے صرف وہ اشعار لیے جائین جن مین "زہراب" کا لفظ آیا ہے تو ایک دفتر بنجائے اِن اُمور پر نظر فرمانے کے لیے

میری شرح کا انتظار فرمائیے۔ اب صرف اُسکا چھپ جانا ہی باقی ہے۔ اُسکی اشاعت میری بے سروپائی کی کمند مین گرفتار ہے اور اُسکے چھپنے مین فقط لطیفۂ غیبی کا انتظار ہے۔

تیسری بات:۔ اجتہاد بے بنیاد اور دعوے بے دلیل جناب طباطبائی کا خاص انداز ہے۔ چنانچہ اِس مضمون مین بھی ارشاد ہوا ہے۔

مثال اجتہاد بے بنیاد۔ "قدیم محاورات مین کوئی تغیر جائز نہین۔ محاورہ کبھی نہین بدلتا"۔ (اودھ پنچ ۲۲ر اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم ۲)

مثال دعوے بے دلیل۔ معجزہ آراست وسجدہ ریخت فارسی والون نے بھی نہین کہا۔ خواہ وہ ہندی نژاد ہون یا ایرانی۔ آپ کون ہین؟
(اودھ پنچ ۲۲ر اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم ۲)

مین نے اِس اجتہاد اور اِس دعوے کی حقیقت پر آگے بڑھ کر بحث کی ہے۔ آپ کی شرح مین ایسے دعوٰن کی بھرمار ہے۔ مین اِس وقت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہون آپ غالب کے اِس شعر کی شرح مین رقم طراز ہین ؎

وضع مین اسکو اگر سمجھیے قاف تریاق ۔۔۔ رنگ مین سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے

"(سمجھیے) کا لفظ اِس طرح نظم ہوا ہے کہ میم ساکن اور جیم متحرک ہو گیا ہے۔ اس لفظ کو اِس طرح کسی نے موزون نہین کیا۔ اور نہ اِس طرح محاورہ مین ہے"۔ (شرح طباطبائی صفحہ ۳۱۲)

اِس دعوے کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے مین اِس وقت دو شعر لکھے دیتا ہون ایک تو مرزا کے معاصر مومن مرحوم (دہلوی) کا ہے دوسرا ایک شاہ عالم بادشاہ دہلی آفتاب تخلص

نوراللہ مرقدہ کا۔

(مومن)

بیان کرتا ہے ہکلانے کا اُس بدست کے عالم ولے کیا سمجھئے پیچیدہ ہے تقریر شیشے کی

(آفتاب)

آئے جو خواب مین بھی وہ یوسف لقا تو پھر اے آفتاب دولت بیدار سمجھئے

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت طبا طبائی نے جب ایسے دعوون کا قصد کیا تھا تو کم سے کم معاصرین غالب کے دیوان دیکھ لیے ہوتے حضرت آفتاب سے زیادہ اُردوے معلی کے جاننے کا دعوے کسکو ہوسکتا ہے؟ قلعہ معلّے کے رہنے والے وہ سودا اور شاگردان سودا کی نگین دیکھنے والے وہ انشا کو اپنی صحبت مین جگہ دینے والے وہ اِس شعر مین یہ لفظ (سمجھئے) رویف واقع ہوا ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ یہ صورت نظم اتفاقی نہ تھی اِس شعر کو صاحب تذکرۂ گلشن بیخار نواب مصطفے خان شیفتہ وحسرتی ارشد تلامذۂ مومن نے انتخاب مین لیا ہے۔ یہ امر بھی اِس لفظ کے صحیح ہونے کی قاطع دلیل ہے۔ اور سودا و میر کا کلام دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ لفظ اِس طرح کتنے مقامون پر نظم ہوا ہے۔

بہرحال یہ مضمون جناب طبا طبائی کی دنیا سے نرالی طبیعت کا آفریدہ ہو جناب میر اودھ پنچ کا رجز، یا اور کسی عنایت فرما کے زور قلم کا نتیجہ۔ اب مین بادل ناخواستہ اُسکے جواب کیطرف متوجہ ہوتا ہون۔ لیکن یہ عرض کردون کہ میرا یہ مضمون ایسا نہین ہے جیسے مضمون کی توقع میرے جاننے والون کو ہوگی۔ اِس لیے کہ مین پھر موہان مین ہون۔ یہان کتابون کا قحط ہے اور اب یہان خاک اُڑتی ہے ؎

جہان اب سانس چلنے کی صدا آتی ہے مشکل سے وہ زندان گونجتا رہتا تھا آواز سلاسل سے
(بیخود موہانی)

مگر انصاف چاہتا ہے کہ مضمون کے شروع کرنے سے پہلے فاضل معترض کی عنایت کا شکریہ ادا کر دیا جائے اور کمال انشا پردازی کا اعتراف کر لیا جائے۔ اس لیے کہ مین نے ایسے مضامین کے لیے ایک نیا انداز نکالا ہے۔ تمہید، شکریہ، داد، اصل مدعا اور التماس جسکے اجزا ہین۔

شکریہ (۱) مجھ سے ہیچمدان، مجھ سے ہیچمیرز کو قابل خطاب سمجھنا ہی وہ احسان ہے جس کے شکریہ سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔

(۲) مین اس گرمی اور اس اختلاج مین اتنی کتابین ہرگز نہ دیکھ سکتا یہ صرف معترض نقاد کی عنایت ہے کہ مجھے دیکھی ہوئی کتابین پھر اُدھکنا پڑین، اور بہت سے ایسے مسائل مستحضر ہو گئے جو گلدستہ طاق نسیان بن چکے تھے۔

(۳) مجھے اس امر کا موقع دیا کہ مین جناب طباطبائی کے بعض اجتہادات کی حقیقت ظاہر کر سکا ورنہ ان سے دنیا اُس وقت تک بیخبر رہتی جب تک اس ناچیز کی شرح شائع نہو جاتی۔

داد معترض بے بدل نے ۱۶ کالم دو پرچون مین لکھے اور سبھی کچھ اچھا لکھا۔ مگر مجھے تین جملے بہت پسند آئے۔ اگرچہ جو مفہوم اُن مین ادا کیا گیا ہے اُسکی صحت کا مجھے یقین کیسا گمان تک نہین۔ مگر اُن کی دل کشی و دل آویزی مین شک کرنا مشرب انصاف مین حرام ہے۔ اس لیے جن الفاظ ان کی جان ہین اُن پر خط کھینچ دیے ہین۔

(۱) سجدہ کوئی ریتی نہین اولتی نہین، نہ جبین ملاح کی لنگوٹی ہے۔

(اودھ پنچ ۲۲ اپریل صفحہ ۴ کالم ۳)

(۲) البتہ ابکار افکار سے معجزہ آرائیان ہیبت آفرینیان کا فرماجرائیان اور اسی خاندان کی دوسری پھل پائیان یعنے عقدہ پیرائیان مرحلہ چکانیان غلبہ زائیان

پیدا ہوئین۔ (اودھ پنچ ۲۲ر اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ ۶ کالم ۲)

(۳) زچہ نے لمحہ بھر تارے دیکھے، طالب علم نے چند دقیقہ مطالعہ کیا وہ "اللہ اللہ بھائی کے" کہتی ہوئی پردہ مین داخل ہوئی یہ صیغہ گردانتے مکتب پہونچا وہ بامراد رہی یہ نامراد رہا۔ (اودھ پنچ ۲۲ر اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ ۶ کالم ۳)

رَدِّ اعتراضات

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

اعتراض اوّل "تاج دارائی" پر ہے۔ مین نے لکھا تھا کہ متاخرین مین تاج دارائی مرزا غالب کے سر پر جلوہ افگن ہوا۔ خلاصۂ عبارت اعتراض۔

"ہم جس دارا سے واقف ہین۔ وہ ایران کا تاجدار تھا۔ سکندر نے اُس کا تاج چھین لیا تھا۔ ایسا تاج قابل ہجو ہے قابل مدح نہین ہے۔ خواہ وہ دارائی اقلیم سخن سے متعلق ہو یا نہ ہو۔ دارا کے معنی مالک وصاحب کے بھی ہین لیکن اس مقام پر یہ معنی نہین لیے جا سکتے" (اودھ پنچ ۱۲ر اپریل ۱۹۰۶ء)

جواب۔ دارائی کے معنی ہین سلطنت دارائی اور فرمانروائی تاج دارائی اور تاج شاہی مین کوئی فرق۔ یہ کیونکر سمجھا گیا کہ تاج دارائی کے معنی دارا کا تاج ہین۔ اگر ایسا بھی ہوتا تو اعتراض کا کوئی محل نہ تھا۔ ایرانی (جو دارا سے تاج کیانی چھن جانیکے سیکڑون برس بعد پیدا ہوے اور دارا کی حسرت خیز روداد سے ہم ہندوستانیون کے مقابلہ مین کچھ زیادہ واقف ہین) دارا کو خدا۔ مالک۔ صاحب۔ بادشاہ کے معنون پر استعمال کرتے ہین۔ اور بادشاہون کی مدح مین بھی اُن کو دارا کہہ کر خطاب کرتے ہین۔ اور یہی شیوۂ اساتذہ ہند کا ہے۔ مین فاضل معترض

کی تسکین کے لیے کچھ شواہد پیش کیے دیتا ہون ۔ واللہ یہدی من یشار ۔

خاقانی ہند ملک الشعرا محمد ابراہیم ذوق دہلوی مدحیہ مدس بادشاہ کے سامنے پڑھتے ہین اور یہی منحوس لفظ استعمال کرتے ہین مگر وتی کا نکتہ رس تاجدار اسے ہجو یا بد دعا نہین سمجھتا اُسکے تیوروں پر بل تک نہین پڑتے ۔ ذوق نے تو یہان تک غضب کیا تھا کہ دارا ، تاج ، اور سکندر سب کا نام ساتھ ہی ساتھ لے لیا تھا ؎

(ذوق)

ہے دارا کو تا نام آوری تاج کیانی سے ۔ سکندر تا ہو نامی سکۂ کشورستانی سے
ہے نام سلیمان تا نگین حکمرانی سے ۔ ہے نام فریدون تا درفش کاویانی سے
ترا اے خسر و الاحشم عالم مسخر ہو
سر سلطنت پر تو ہمیشہ دادگستر ہو

(مُلا طغرائے مشہدی)

دارا ۔ ہنگامیکہ دارائے ہند سبزہ پروری یعنی جہانگیر بہار سر از جیب درکہ نیسانی برآورد[1]

" دارائے عرش مرتبہ سلطان مراد بخش ۔ حاجت روائے زینت اورنگ آسمان[2]

(حکیم قاآنی)

" توئی غالب توئی قاہر توئی باطن توئی ظاہر ۔ توئی ناہی توئی آمر توئی داور توئی دارا[3]

اِس قصیدہ کا مطلع یہ ہے ۔

بگردون تیرہ ابرے بامدادان برشد از دریا ۔ جواہر خیز گوہر ریز گوہر بیز گوہر زا

[1] فردوسیہ ملا طغرا (رسائل طغرا) صفحہ ۸ ۔ [2] تاج المدائح صفحہ ۶ ، [3] کلیات حکیم قاآنی

گفتم ز شوقِ درگہ دارائے روزگار ... نہراسم از نسیم وے وباد آذرا [1]

مطلع ... دوشینہ چون کشیدہ شہ زنگ لشکرا

افسر دارا۔ تاج دارا کا مرادف

تاجکے از مشکِ تر گذاشتہ بر سر ... غیرتِ تاجِ قباد و افسر دارا [2]

تاج دارائی

گرفتہ تاج دارائی ز دارا ... بفرمان بردنش چون موم خارا [3]

کاش معترض نقاد نے دیکھ لیا ہوتا کہ دارا صرف خاندان کیانی کے کسی فرد خاص ہی کا نام ہے یا قیصر و خاقان کی طرح لقب ہے۔ دارائے اکبر و دارائے صغر کا ذکر تو برہان قاطع مین بھی ہے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ اکبر و صغرا اسلیے لکھا ہے کہ باپ بیٹے کا فرق ظاہر ہو۔ شان و شکوہ کی کمی زیادتی کا فرق مدنظر نہین۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھ لینا تھا کہ تاریخ کیا کہتی ہے۔

مضمون کے طولانی ہوجانیکا خوف نہوتا تو مین اتنی مثالین لکھتا کہ گنی نہ جاتین۔ حیرت ہے کہ فاضل معترض مجھ (جیسے) ایسے بے بضاعت سے ایسی احتیاط کی توقع رکھتا ہے جو حکیم قاآنی اور ملا طغرا ایسے باکمالون سے نہو سکی۔ ملا طغرا کو جناب طباطبائی بھی مستند سمجھتے ہین چنانچہ مرزا کے اس شعر کے تحت مین سہ

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم ... ہر شب پیا ہی کرتے ہین مے جسقدر ملے

ساقی گری کی سند خود جناب مولانا نے ملا طغرا کے اس شعر سے دی ہے۔

---

[1] کلیات حکیم قاآنی [2] کلیات حکیم قاآنی [3] تاج المدائح (رسائل طغرا) صفحہ ۱۸

(طغرا)

کند حق صوفی گری را ادا　　　　بیک چشم بیند بشاہ و گدا

(شرح جناب طباطبائی صفحہ ۱۱۔ الناظر پریس لکھنؤ)

مگر مجھے حیرت ہے کہ جناب شارح نے ملا طغرا کے شعر مین یکچشم پر اعتراض نہین فرمایا حالانکہ مرزا غالب کے اس شعر پر نہایت دلکش عبارت تحریر فرمادی ہے۔

جو مدعی بنے اُسکے نہ مدعی بنیے　　　　جو نا سزا کہے اُسکو نہ ناسزا کہیے

ارشاد طباطبائی "اِس شعر مین بنیے کا نام آجانا مذاق اہل لکھنؤ مین گران گزرتا ہوگا۔ اور البتہ بُرا معلوم ہوتا ہے"

غالبًا اِس خیال سے معاف فرمادیا کہ اُدبائے ایران (شاعری اور زبان آوری جنکی گھٹی مین پڑی ہے) کا مذاق اتنا لطیف نہین جتنا اہل لکھنؤ کا۔

اعتراض (۲) کوس لمن الملکی۔ اعتراض کی عبارت

"لمن الملک الیوم۔ ایک آیت ہے مگر لمن الملکی جہال کہتے ہین جن کو معلوم نہین کہ لمن الملکی بالکل فصاحت سے گرا ہوا جملہ ہے۔ ذی علم لمن الملک الیوم ہی کہتا ہے"

جواب۔ میرے نزدیک ذی علم حضرات کوس لمن الملک الیوم اور کوس لمن الملکی دونون یکسان بے تکلفی سے بولتے اور لکھتے ہین۔ ایک صورت اور بھی ہے یعنی لمن الملک مین ہر صورت کی مثال لکھے دیتا ہون اور فیصلہ معترض علامہ پر چھوڑتا ہون۔

لمن الملک الیوم

(۱) از رقعہ غالب "سُنو عالم دو ہین ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گِل

حاکم اِن دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے "لمن الملک الیوم"

(یادگار غالب صفحہ ۱۶۴)

(۲) سودا۔ "بر دل آگاہ ایشان روشن است جمعے کہ در فن سخن لبہائے ویڈ پنہان دوختہ کوس لمن الملک الیوم کوفتہ از دار الفنا بدار البقا پیوستہ اند"

(کلیات سودا۔ صفحہ ۲۶)

کوس لمن الملک

(۱) "کوس لمن الملک بجاتے ہوئے آئے" بند ۴۹۔ مطلع۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے (مرزا دبیر اعلیٰ اللہ مقامہ)

(۲) "اور اکثر شاہان یونان کوس لمن الملک بجاتے تھے اور سر پُر غرور رہ پیش سلطان جہان نہ جھکاتے تھے"

(مرقع عبرت۔ مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی مصنف فسانہ عجائب)

کوس لمن الملکی

"ابوعلی شیخ ابوعلی حسن بن عبداللہ بن سینا شہیر بہ شیخ الرئیس است حق آنست کہ وے در حکمائے اسلام رشک افلاطون وارسطاطالیس است۔ در عمر شانزدہ سالگی بعد فراغ از تحصیل علوم عقلیہ ونقلیہ تصنیف قانون در علم طب پرداختہ و در علوم فلسفیہ کوس لمن الملکی بلند آواز ساختہ"

(صبح گلشن تذکرہ شعرا صفحہ ۱۲۔ از نواب سید علی حسن خان صاحب جانشین نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم)

(۲) انشا۔ "لختے در فنون رسمیہ مہارتے داشتہ در ہر فن شعر کوس لمن الملکی باآوازہ تمام می نواخت"

(گلشن بیخار۔ شیفتہ تذکرہ شعرا صفحہ ۲۹)

نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کے متعلق جناب طباطبائی بھی اچھی رائے رکھتے ہین اور فرماتے ہین کہ شیفتہ صاحب تذکرۂ شعرا ہین مشہور شخص ہین۔ (شرح طباطبائی صفحہ ۸۹)

(۳) "امیر خسرو در چہل سالگی علم موسیقی را شروع نمودہ در چند مدت رشک معلمان گردیدہ چنانچہ تا حال کوس لمن الملکی می نوازد۔"

(قرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۲۰۴ مطبع محمدی)

اعتراض (۳) ہستی کے معنی شخص کے اردو مین نہین سُنے گئے۔

جواب۔ مین اسکے جواب مین حضرت عزیز لکھنوی کا شعر لکھے دیتا ہون جن کی شاعری پر آج لکھنؤ تو ضرور ناز کرتا ہے اب آپ اُن کی زبان کو اردو کہیے یا ترکی ؎

اک نظر گھبرا کے کی اپنی طرف اُس شوخ نے ہستیان جب مٹ کے اجزائے پریشان ہو گئین

(گلکدہ دیوان جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی)

اعتراض (۴) معجزہ آرائی۔ خلاصہ عبارت اعتراض۔

"انجمن نہین میدان نہین معرکہ نہین۔ آراستن کا استعمال انہین الفاظ کے ساتھ ہو سکتا ہے جنکو آرائش سے علاقہ ہو ستم آرا پر معجزہ کا قیاس نہین ہو سکتا"

(اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۴ کالم ۲و۳)

جواب۔ طراز۔ آرائش و نقش و آرائندہ۔ سحر طراز۔ معجزہ طراز۔ سجدہ طراز

(برہان قاطع صفحہ ۲۵۴ مطبع علوی علی بخش خان)

سجدہ طراز: (رقعات بیدل صفحہ ۱۰ مطبع حسینی محمود نگر لکھنؤ)

معجز طراز۔ مسیحائے معجز طراز از مُردگان تمنائے وصال اصدقائے عالی مقام الخ

(قرات البدائع مرزا قتیل مغفور)

اعجاز طراز ۔ الحق درین جزو زمان طرز اعجاز طرازی وسحر پردازی بر ذاتش ختم گردیدہ۔

(ثمرات البدائع مرزا قتیل مغفور)

معجزہ طراز :۔

صدسالہ مردہ زندہ ہو گر اپنی بات پر   آجائے اُس صنم کا لب معجزہ طراز

(کلیات مومن دہلوی صفحہ ۱۹۴)

معجزہ طراز اور معجزہ آرا کے معنوں مین کوئی فرق نہین اگر اُسپر اعتراض ہو سکتا ہے تو اسپر بھی۔ اگر مجھے اپنے حافظہ کی قوت اور اپنی نظر کی وسعت پر اتنا اعتماد ہوتا جتنا جناب طباطبائی کو ہے تو مین کہہ دیتا کہ یہ ترکیب پہلے پہل میرے قلم سے نکلی ہے مگر ایسا دعوےٰ کرتے ہوئے میرا دل کانپتا ہے۔ اختراع وابداع ترکیب کے مسئلہ مین اس ناچیز کا مسلک وہی ہے جو عرفی، نظیری، خاقانی، مرزا جلال، اسیر، شوکت بخاری، غالب، مومن وغیرہ کا ہے یعنی اگر اجزائے ترکیب کسی مفہوم کو صحیح طور پر ادا کر دیتے ہین اور اُن دو یا زیادہ لفظون کے ملنے مین کوئی قباحت نہین تو ایجاد ترکیب مین پس و پیش نہ کرنا چاہیے اور سراج المحققین نواب سراج الدین علی خان آرزو کی بھی یہی رائے ہے۔

اعتراض ۵:۔ میری اس عبارت پر "کہ مرزا خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم" یہ اعتراض ہین۔

آگے آئی آیت۔ اے حضرت سجدہ ریزی بھی معجزہ آرائی سے لغویت مین کم نہین۔ سجدہ لوٹی رینی نہین ادلتی نہین نہ جبین ملاح کی لنگوٹی ہے۔ معجزہ آراست۔ سجدہ ریخت فارسی والون نے بھی نہین کہا خواہ وہ ہندی نژاد ہون یا ایرانی۔ آپ کون ہین۔ اِس فقرہ مین فعل کا حذف

بھی ناجائز ہے آپ نے فعل حذف کر دیا۔ اور حرف عطف ہے۔ لہذا جملہ یون ہو گا۔ "مرزا خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم کرتا ہے" زری عطف و معطوف کا بیان کتب نحو مین دیکھیے۔ کو کے ساتھ کرتا ہے بھی مہمل ہے با محاورہ نہین ہے۔ یون کہہ سکتے ہین۔ "مرزا خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم دیتا ہے۔"

جواب ۔ (سجدہ ریزی) سجدہ ریز' اساتذہ کے کلام مین دائر وسائر ہے۔ اِسکی سند مانگنے اور اسپر اس شد و مد سے اعتراض کرنے کا سبب یا تو میری کم مائگی کا اعتقاد، یا ساری دنیا کے جہل پر اعتماد یا خدا ناکردہ نقص استعداد ہے۔ مین کچھ مثالین لکھے دیتا ہون اہل نظر فیصلہ فرمالینگے۔

(سجدہ ریز)۔ سجدہ ریز (بہار عجم صفحہ ۸۸ مطبع نولکشور)

جبین ہر دو عالم بر درِ او سجدہ ریز آمد — کہ باشد حلقۂ در خاتمِ دستِ سلیمانش

(ناصر علی سرہندی)

غالب۔ ریزش سجدہ

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو — ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز

جناب طباطبائی اس شعر کی شرح مین لکھتے ہین۔

"تو آیا اب میرا سجدہ کرنا تجھے مبارک ہو" (شرح طباطبائی صفحہ ۲۷)

تعجب ہے کہ جناب طباطبائی نے ریزش سجدہ پر یہان اعتراض نہین کیا اب یہ خدا جانے کہ مرزا پر اعتراض کرتے کرتے تھک گئے تھے یا اُن کی کورسوادی پر رحم کیا۔ افسوس ہے فاضل معترض اودھ پنچ نے یہان جناب طباطبائی کی تحقیق پر

حسب عادت اعتماد نہین کیا اور اعتراض جڑ دیا۔

سجدہ ریز :- فرقِ ز سجدہ مالا مال ارادت بر زمین سر افگندگی سجدہ ریز نیاز ختم

(پنج رقعہ ارادت خان صفحہ ۱۸۱)

سجدہ ریزی ۔ ۵

اوّل اوس در پہ سجدہ ریزی کر   تا ملے مفت جاہ کیوانی

(کلیات مومن صفحہ ۴۴۳)

"سجدہ ریزی ہائے خامۂ تسلیم سرشت بھولے جناب معنی آرائیست
کہ مضامین بے نیازی از سمائے کیفیتِ خیالش ناکشودہ روشن است"

(رقعات بیدل صفحہ ۱۳)

اعتراض (۶)۔ اس فقرہ مین فعل کا حذف نا جائز ہے ۔

اعتراض (۷)۔ کو کے ساتھ کرتا ہے بھی مہمل ہے ۔

جواب ۶ و ۷ ۔ مین حذف فعل کی کچھ مثالین دیتا ہون اور یہ بھی عرض کئے دیتا ہون کہ اسے اکتفا بالاولیٰ کہتے ہین۔

فعل کا حذف ۔ جناب طباطبائی غالب کے اس شعر کی شرح مین فرماتے ہین

نہ گلِ نغمہ ہون نہ پردۂ ساز   مین ہون اپنے شکست کی آواز

یعنی نشاط و طرب سے مجھے کچھ تعلق نہین مین سراپا درد ہون اور اپنی ہی مصیبت مین۔"   (شرح طباطبائی صفحہ ۱۱)

مین کے بعد ہون حذف کر دیا گیا۔

از رقعہ غالب ۔" جب ڈاڑھی مونچھ مین بال سفید آگئے، تیسرے دن

چیونٹی کے انڈے گالون پر نظر آنے لگے۔ اِس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسّی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی"۔

(یادگار غالب صفحہ ۱۶۸)

چھوڑ دی محذوف ہے یعنی بڑھا دی۔

کر کے ساتھ تعلیم کرنا:۔

"غرضکہ شاہ غریب مرحوم نے اِس اکلوتے بیٹے کو ناز و نعمت سے پالا تھا۔ اور اُستاد و ادیب نوکر رکھکر تعلیم کیا تھا"

(آبِ حیات آزاد دہلوی صفحہ ۴۰۲)

کی مجھ کو ہاتھ ملنے کی تعلیم ورنہ کیون　　غیرون کے آگے بزم مین عطر مل گیا

(کلیات مومن صفحہ ۵۲)

اعتراض (۸)۔ فکر آسمان سیر:- میرا فقرہ یہ تھا" بیدل کی فکر آسمان سیر ہے۔ اُس پر یہ ارشاد ہوا۔ عبارت اعتراض:۔

" دیکھیے پھر بوئے جہالت آئی۔ آسمان سیر ایک رکیک ترکیب ہے۔ پڑھے لکھے آدمی 'آسمان سیر' کہتے ہین۔ آپ نے شاید چوک مین جو 'فلک سیر' بکتی ہے اُس پر قیاس فرمایا۔ ایسے قیاسات سے اُردو کی مٹی خراب نہ کیجیے جہان ہوگا۔ ہم پر نہین۔ اسلیے کہ ہم نے ایسا زمانہ پایا تھا کہ اردو ایک لطیف زبان سمجھی جاتی تھی۔ آیندہ نسلون پر احسان کیجیے"۔

جواب:۔ مین کیا میری نظر کیا۔ مگر جہان تک مین نے دیکھا ہے پڑھے لکھے آسمان سیر اور آسمان سیر بے تکلف لکھتے ہین۔ اور اتنا ہی نہین فلک سیر کہتے بھی

نہین جھجکتے ۔ اور کہنے والے بھی وہ جن کو جناب طبا طبائی بھی کلمۂ خیر سے یاد کرتے ہین اگرچہ ادب سے یاد نہ کرین۔ چنانچہ فرماتے ہین۔

"میر انیس کی زبان موج کوثر ہے"۔ شرح طبا طبائی (۳۲۸ صفحہ)

کمیت فلک سیر۔ "رفرف کا ہم نسب تھا کمیت فلک سیر"۔

بند ۸ مرثیہ مرزا اوج علیہ الرحمہ جانشین دبیر اعلی اللہ مقامہ۔

مطلع "کس کام کی زبان جو صدق آشنا نہو۔ (از معراج الکلام)

اسپ فلک سیر: بیت

غیرتِ یوسف و رشک ملک و حور ہین یہ — طور تو اسپ فلک سیر ہے اور نو ہین یہ

بند ۹۔ مطلع "غل ہے اعدا مین کہ زینب کے پسر آتے ہین"۔

(صفحہ ۵۵۔ جلد سوم میر انیس علیہ الرحمہ)

"طور تھا اسپ فلک سیر تو وہ شعلہ طور"۔

بند ۴۶۔ مطلع۔ "مومنو مرنے کو ہمشکل نبی جاتا ہے"۔

(صفحہ ۱۰۹۔ جلد سوم۔ انیس)

"پیدل تھے ملک اسپ فلک سیر کے ہمراہ"

بند ۳۰۔ مطلع جب رو چکے حضرت علی اکبر سے لپٹ کر۔

(صفحہ ۱۹۵۔ جلد سوم۔ انیس)

شبدیز فلک سیر۔ "شبدیز فلک سیر سے اترا وہ نکو کار"۔

بند ۲۳۔ مطلع۔ جب باغ حسینی پہ خزان آگئی رن مین۔

(صفحہ ۱۱۳۔ جلد چہارم۔ انیس)

زخش فلک سیر:۔

پہونچے اُس رخش فلک سیر زمین پیما کو   نہ منجم کا خیال اور نہ مہندس کا قیاس

(دیوان ذوق صفحہ ۱۰۱۔ مطبع نامی لکھنو)

آہ آسمان سیر:۔ "ہر چہ از برشتگی جگر و افسردگی طبع و بالادوی آہ آسمان سیر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ من نوشتہ بودید"

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۱۳۶)

مژدہ آہ آسمان سیر مرا ضایع مکن   آخر این سر بلند از باغ جان برخاستہ است

(ثمرات البدائع مرزا قتیل ۱۳۰)

عقل فلک پیما و عرش سیر:۔ " واعجوبۂ نغز و معماے عقل فلک پیما عرش سیر فلاطون فطنتان روزگار باد راک کنہش سر بر آستان اعتراف عجز می سپارد"

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۴۰)

عقول آسمان سیر:۔ " و تیز گامیست کہ ہنگام طے ابعاد گوے سبقت از عقول آسمان سیر فلسفیان ربائد"

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۴۴)

جسے مرزا قتیل۔ سید انشا۔ اور سعادت یار خان رنگین کی رنگین صحبتون کا علم ہے وہ نہین کہہ سکتا کہ قتیل اِس سے واقف نہ تھے کہ فلک سیر جو چوک مین بکتی ہے اُسکے معنے کیا ہین۔ پھر بھی احتیاط نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ فاضل معترض کیطرح قیل و قال سے بہرہ یاب نہ تھے ورنہ ایسی رکیک ترکیب سے احتراز کرتے۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ میر انیس مرحوم نے بھی (جن کی زبان کو حضرت طباطبائی بھی مرجع کو ثر کہتے ہین)

فلک سیر کی بھرمار کرنے مین کچھ تامل نہ فرمایا۔

اعتراض (۹) جذبات۔

مین نے لکھا تھا کہ مرزا کے "خیالات وجذبات" اِس پر اعتراضون کی توپون سے وہ آتشباری ہوئی کہ پناہ بخدا۔ مجھے مرزا داغ علیہ الرحمہ کا یہ شعر بیساختہ یاد آگیا۔ ؎

غضب آیا، ستم ٹوٹا، قیامت ہوگئی برپا یہ پوچھا تھا کہ تم مجھسے خفا ہے میری جان کیون ہو

خلاصہ عبارت اعتراض:۔

"آجکل جو یہ ایک بیہودہ سا لفظ لوگون کی زبان پر چڑھ گیا ہے اسکے کیا معنی ہین، کیا مصر مین جو سیکا لوجی کی کتابین ترجمہ ہوئی ہین اُن مین جذبات کا استعمال ایسے محل پر ہوا ہے بھلا وہ لوگ زبان کی حفاظت کیخدمت انجام دینے کے اہل ہو سکتے ہین جو ہر ایک شخص کی زبان سے ایک لفظ سنتے ہی بغیر غور وفکر استعمال کرنے لگتے ہین۔ کورانہ تقلید کے سر پر سینگ نہین ہوتے تقلید کورانہ کے مرتکب محقق یا صاحب نظر نہین کہلاتے۔"

جواب:۔ جذبات کا لفظ غلط نہین اور غلط بھی ہو تو غلط عام ہے غلط عوام نہین اب ہی یہ بات کہ اسکی جمع جذبات کیونکر بن گئی۔ اسے بر بنائے شہرت عام لکھنؤ کے سرمایۂ ناز مولانا مرزا محمد ہادی صاحب مرزا و رسوا پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر سابق عربی وفارسی کرسچین کالج لکھنؤ ورکن رکین دارالترجمہ حیدرآباد دکن مصنف اُمراؤ جان ادا۔ شریف زادہ مثنوی اُمید و بیم۔ مرقع لیلےٰ مجنون۔ خونی شہزادہ۔ خونی مصور وغیرہ خوب سمجھا سکینگے جناب موصوف مکرمی شیخ ممتاز حسین صاحب عثمانی ایڈیٹر اودھ پنچ کے اُستاد، جناب طباطبائی کے عنایت فرما اور حریف ہین۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جہانتک ترجمہ کا تعلق ہے

آج ہندوستان مین کوئی اُن کا جواب دینے والا نہین اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے جاننے والے اعتراف کرتے ہین کہ وہ انگریزی، فارسی، عربی اور اُردو پر یکسان قدرت رکھتے ہین اسی شہرت کی بنا پر میرے نزدیک نہ آپ پوچھین نہ مین بتاؤن، حضرت طباطبائی مرزا صاحب سے حیدر آباد ہی مین پوچھ لین۔ سیکالوجی کا علم ہو یا مصر کے ترجمے یہ سب مرزا رسوا کی ہمہ دانی کا دم بھرتے ہین۔ اگر فاضل معترض مرزا رسوا کو بھی جاہل سمجھنے کی جرارت کر سکتا ہے تو " اِنا للہ و انا الیہ راجعون۔ رضا بقضایہٖ و تسلیماً لامرہٖ۔" ہان ایک بات رہ گئی۔ اگر کوئی بات مرزا سے پوچھنے مین مانع ہو تو حکیم قاآنی سے پوچھ لیجئے، اور کیون پوچھ لیجئے اِسکا سبب اسی اعتراض کے جواب سے ظاہر ہو جائیگا اب مین کچھ مثالین لکھتا ہون کہ معترض نقاد اور ہندوستانیون کا تو کیا ذکر، نہ دلّی کے مصنفون کو جاہل بنلاتے جھجکا، نہ لکھنؤ کے شاعرون اور انشا پردازون کو۔ اور یہ اعتراض نہین ایک حمام ہے جہان سب ننگے نظر آتے ہین۔

لفظ جذبات کی مثالین اتنی ہین کہ اُن کے لکھنے کے لیے انسائیکلوپیڈیا کی سی جلدین کافی ہو سکتی ہین۔ مین چند مثالون پر اکتفا کرتا ہون۔

قلمروِ جذبات کی وسعت ملاحظہ ہو۔

" وہ شخص جو نہ مجھے گود مین لیے تھا میرے عہد طفلی کے جذبات کو سمجھ گیا"

(یوسف و نجمہ صفحہ ۳ - مولوی عبد الحلیم صاحب شرر)

شمس العلما مولوی شبلی نعمانی نے شعر العجم جلد اول کے ابتدائی بارہ صفحون مین اسے بیس جگہ لکھا۔ اور اگر شعر العجم کی سب جلدون اور حضرت شبلی کی کل ادبی اور علمی تصنیفون مین دیکھا جائے تو خدا جانے کتنے بار یہ لفظ اُنکے قلم سے نکلا ہوگا۔ (شعر العجم شبلی جلد اول و چہارم صفحہ ۱۰۱)

مدیر معارف (اعظم گڈھ) نے تقریظ گلکدہ مین یہ لفظ پانچ بار لکھا
(گلکدۂ عزیز)

مُدیر مخزن نے ساڑھے چار سطرین گلکدہ کی تقریظ مین لکھین اور یہ لفظ دو مرتبہ لکھا
(گلکدۂ عزیز)

مولوی عبدالماجد صاحب بی۔اے دریابادی مترجم سابق دارالترجمہ حیدرآباد دکن نے اپنی ایک کتاب کا نام فلسفۂ جذبات رکھا جو علم نفس پر ہے۔ اور کون بتائے کہ یہ لفظ کتنے مرتبہ لکھا۔

لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے گلکدۂ عزیز کی تقریظ مین پانچ صفحے لکھے اور پانچ بار یہ لفظ لکھا مین صرف وہ فقرہ لکھے دیتا ہون جس مین جذبات فارسی اضافت کے ساتھ لکھا ہے۔

"انھین جذباتِ مسرت والم کے اظہار کی مزاولت سے انسان شاعر ہو جاتا ہے۔ (گلکدہ)

"پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا، اپنا سُرخ و سفید چہرہ، سڈول سا بھرا بدن، رسیلی آنکھین، موتی کی لڑی سے دانت، اُمنگ مین بھرا ہوا دل جذباتِ انسانی کے جوشون کی خوشی اُسے یاد آتی تھی۔"

(سرخی مضمون "گزرا ہوا زمانہ" از سر سید احمد خان بہادر مرحوم ایل ایل ڈی)

"انگریز اپنی اولاد کو کشادہ پیشانی سے پالتے ہین اور اُن کو خوش رکھتے ہین اور اُن کے جذبات کی شگفتگی کے کھیل کھلاتے ہین۔"

(از معاشرت انگریزی۔ شمس العلما مولوی ذکاء اللہ دہلوی مرحوم)

"جس بات کا سچا ولولہ دل مین اُٹھے خواہ اُسکا منشا خوشی ہو یا غم حسرت یا ندامت یا اور کوئی جذبہ جذبات انسانی مین سے۔"

(مقدمہ شعر و شاعری شمس العلمار حالی مغفور)

"انکھڑیان۔ یہ لفظ جذبات محبت سے خاص وابستگی رکھتا ہے۔"

(مضمون "متروکات مین غلط فہمی" از محبی سید اذ حسین صاحب آبد لکھنوی)

("پیام یار" لکھنؤ۔ ماہ اگست ۱۹۱۰ء)

"انسان کے خیالات مین نت نئے تغیرات پیدا ہو جاتے ہین اس طرح طرح کی وجدانی کیفیتین اور جذبات ظہور پذیر ہو کے جذب یا ہرب کے لیے تحریک ہوتی ہے۔"

(خونی شہزادہ۔ مرزا رسوا لکھنوی مرزا محمد ہادی صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی)

"یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے ہی سے عشق نے تاثیر کرنی شروع کی ہو مگر ذکی اُس سے واقف نہو کیونکہ اکثر جذبات آدمی کے دل مین پیدا ہو جاتے ہین اور وہ اُن سے مدت تک بے خبر رہتا ہے۔"

(افشائے راز۔ صفحہ ۴۰۔ مرزا محمد ہادی صاحب مرزا رسوا لکھنوی)

اب نظم کی مثالین ملاحظہ ہون۔ باضافت فارسی:-

نکالا قدرت جذبات حسن و عشق نے ملکر ... مہ کنعان کو اپنے گھر سے اور لیلی کو محل سے

(از کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی)

خدا محفوظ رکھے عشق کے جذبات کامل سے ... زمین گردون سے ٹکرائی جہان دل ملگیا دل سے

(جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی)

عشق ہے اِک مؤثر حرکات　　　عشق ہے اِک محرک جذباتِ

(لسان القوم جناب صفی لکھنوی)

یہ تو فرمایئے کہ حکیم قاآنی اور حکیم مومن خان دہلوی کے شعر مین جذبہ کن معنون پر آیا ہی ؟

گاہے چو کرم پیلہ کستی طیلسان بسر　　　گاہے زروے حیلہ کنی پیرہن قبا

یعنی بجذبہ ایم نہ شوریدہ از جنون　　　یعنی بخلسہ ایم نہ پیچیدہ در ردا

(کلیات حکیم قاآنی۔ مطلع قصیدہ:۔ دوشم نثار سیدز درگاہ کبریا)

جھڑتے ہین جذبۂ قلق سے شرار　　　ہے نفس سنگ و سنگ آتش بار

(کلیات مومن صفحہ ۳۰۴)

ملا جامی علیہ الرحمہ لوائح جامی مین ارشاد فرماتے ہین:۔

" مادام کہ آدمی در دام ہوا وہوس گرفتار است دوام این نسبت از وے دشوار است اما چون آثار جذبات لطف روے ظہور کند وشغلۂ محسوسات ومعقولات را از باطن وے دور افگند "

(لائحہ یازدہم۔ لوائح جامی۔ صفحہ ۹ سطر ۱۲)

(مطبع نولکشور لکھنو)

اعتراض (۱۰) جذبہ کشش کے معنی مین بھی مستعمل نہین ہے۔

جواب :۔ یہ لفظ اسی معنی مین ایک نہین ہزار جگہ آیا ہے۔ چند مثالین ملاحظہ ہون :۔

جسم خاکی ہو گیا داخل گڑھے مین گور کے　　　کھنچ گئی آخر یہ کشتی جذبۂ گرداب سے

(دیوان دوم خواجہ آتش علیہ الرحمہ صفحہ ۱۰۱)

برمین عدو کے سے بغل سے مری اُٹھے　　وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہوا

(کلیات مومن علیہ الرحمہ ۷۱)

(غالب)

مین بُلاتا تو ہون اُس کو مگر اے جذبۂ دل　　اُس پہ بنجائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

(شرح طباطبائی کے صفحہ ۲۱۴ مین درج ہے)

الہٰی جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے　　کہ جتنا کھینچتا ہون اور کھنچتا جائے ہے مجھسے

(شرح طباطبائی کے صفحہ ۲۲۱ مین درج ہے)

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیئے　　سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

(شرح طباطبائی کے صفحہ ۲ مین درج ہے)

جناب طباطبائی آخری شعر کی شرح مین لکھتے ہین :-

"میرے اشتیاق قتل مین ایسا جذب و کشش ہے کہ تلوار کے سینے سے اُسکا دم باہر کھنچ آیا"

(حکیم سنائی)

بود چو یوسف بچہ در رفتہ باز　　تا فلک از جذبہ حبل المتین

(ظہیر فاریابی)

سے یون کہ زندہ زبانون مین نئے الفاظ داخل ہوتے رہتے ہین یہ کچھ ضرور نہین کہ جس لفظ کی سند سودا و میر و درد کے یہان نہ ملے وہ زبان کا لفظ ہی نہ سمجھا جائے۔

اعتراض (۱۱) :- مین نے لکھا تھا " ہر شخص مرزا کے کلام سے بقدر فہم لذت یاب ہوتا ہے چنانچہ اِس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے ۔ غالب

دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد　　　کام یارونکا بقدر لب و دندان نکلا

اِس پر ارشاد ہوا ہے ۔

" غالباً آپ کا مقصود یہ ہے کہ ' یارون ' سے اغیار مراد ہین ۔ کوئی ہونٹ چاٹ کر رہ جاتا ہے کوئی ایک آدھ ڈاڑھ گرم کر لیتا ہے ۔ حالانکہ دلی کے محاورہ مین یارون کا لفظ نفس متکلم پر دلالت کرتا ہے ۔ چنانچہ اس شعر کی شرح مین ؎

ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب　　　ذوقؔ یارون نے بہت زور غزل مین مارا

یہ بات مشہور ہے کہ ذوقؔ نے یارون سے اپنی ذات مراد لی ہے یعنی مین نے بہت زور مارا "

جواب :- دلی ہی نہین لکھنؤ مین بھی ' یارون ' کا لفظ نفس متکلم پر دلالت کرتا ہے یہ مثل سب کی زبان پر آتی " آنکھ بھی اور مال یارون کا "

اغیار و احباب کے معنے کی مثال ؎

نہ فرصت ہے نہ رغبت ہے غزل اے داغؔ کیونکر ہو　　　مگر کیا کیجئے مجبور جو ارشاد یارون کا

(گلزار داغ صفحہ ۴ مطبع تیغ بہادر)

اور سب سے زیادہ پُر لطف جواب یہ ہے کہ جناب طباطبائی بالقابہ بھی اس شعر کی شرح مین ' یارون کا ' سے وہی سمجھے ہین جو یہ ناچیز سمجھا ہے ۔

" یعنی جس مین جتنی قابلیت تھی اُس نے اُسی قدر لذت درد کو حاصل کیا

ورنہ یہاں درد کی کچھ کمی نہ تھی۔" (شرح طباطبائی صفحہ ")

اعتراض نمبر (۱۲) تماشا کرنا۔ دیکھنا (خلاصہ عبارت اعتراض)

" غالب مرحوم کا یہ مصرعہ اہل زبان نے کبھی پسند نہیں کیا ع

حیرانیٔ نگاہ تماشا کرے کوئی

تماشا بازیگر کرتے ہین"۔

جواب :- فاضل معترض بھولتا ہے یہ مصرع غالب کا نہین مولانا مرزا محمد ہادی صاحب رسوا و مرزا لکھنوی کا ہے۔

(رسوا)

حیرانیٔ نگاہ تماشا کرے کوئی — صورت وہ سامنے ہے کہ دیکھا کرے کوئی

(خونی شہزادہ۔ صفحہ ۲۲)

خانہ ویران سازیٔ وحشت تماشا دہ کرین — کیا مبارک ہین مرے سامان بربادی مجھے

(گلکدۂ عزیز صفحہ ۹۰)

مرزا غالب کا شعر یون ہے ؎

ناکامیٔ نگاہ ہے برق نظارہ سوز — تو وہ نہین کہ تجھکو تماشا کرے کوئی

اب حضور کا یہ ارشاد کہ اہل زبان نے میرزا کا یہ مصرعہ کبھی پسند نہین کیا، مجھ ناچیز کی سمجھ مین نہین آتا آپکے نزدیک لکھنؤ کے مشہور شعرا تو ضرور اہل زبان ہونگے اُن کے طرز عمل پر نظر فرمائیے۔ پسند کرنا کیسا اُن کو یہ اتنا محبوب ہوا کہ خود وہی کہنے لگے۔ میرا خیال ہے کہ مرزا رسوا کی پسند تو آپکے نزدیک بھی کوئی معمولی پسند نہ ہوگی، اور اگر اہل زبان سے غریب دلی والے مراد ہین جن پر جناب طباطبائی نے اپنی شرح مین

لکھنؤ والون کی تقلید واجب قرار دی ہے تو جناب نے کسی کا قول پیش نہین کیا جس پر نظر کی جائے۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ یہ لفظ اسی معنی مین میر سے اُستاد کے یہان نظم ہوا ہے

اعتراض (۱۳) داد کو پہونچنا۔

میری عبارت یہ تھی "پھر مرزا کی بلند پروازیون کی داد کو پہونچنا اِن کے بس کی بات کہان اس پر وہ آتش افشانی ہوئی کہ دید کے قابل ہے۔

عبارت اعتراض:۔

"داد کو پہونچنا شاید دادرسی کا ترجمہ ہے۔ اُردو کا محاورہ داد دینا ہے فارسی مین داد کے معنی عدل و انصاف ہین اور جتنے ملحقات اس لفظ کے ساتھ ہین سب کے مطالب کسی نہ کسی طرح انصاف و عدل کی طرف منجر ہوتے ہین مثلاً دادگستر، دادگر، دادآور، دادآفرید، دادآفرین داددہ، داستان، دادفرمائے وغیرہ۔ افسوس سوقتار و عجب آفت مین مبتلا ہے اگر اس آفت سے بچی تو گویا اللہ کے گھر سے پھری مگر نہین، بچنے کی اُمید بیکار ہے۔ اِس قسم کے ترجمے سے اُردو لغت مین کوئی زیادتی یا فصاحت مین کوئی ترقی ممکن نہین البتہ مہلیت دن دونی رات چوگنی بڑھتی جاتی ہے۔"

جواب یہ ہرزہ سب نے سُن لیا۔ کیا غضب ہے کہ سرکار نے کلام اساتذہ پر کبھی غلط انداز نظر بھی نہ ڈالی اسپر دعوون کی بلند آہنگی کا یہ عالم ہے۔ مقام عبرت ہے آپ فرماتے ہین کہ شاید دادرسی کا ترجمہ ہے۔ بیشک ایسا ہی ہے۔ مگر یہ ترجمہ بخود ناشاد نے نہین کیا۔ مرزا رفیع سودا کے کلام کو دیکھیے تو یہ ترجمہ آپ کو

وہان بھی نظر آئے یہ محاورہ دو معنون پر آتا ہے اور اُردو معلّے کا ٹکسالی محاورہ ہے۔
دادؔ پانا۔ فریاد کو پہونچنا۔

پہونچینگے اس چمن مین کبھی داد کو نہ ہم — جون گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائیگا
(کلیات سودا صفحہ ۱۹۳)

گُل دادِ عندلیب کو پہونچا تو کیا ہوا — فریاد کو مری ہے پہونچنا ترا عجب
(کلیات سودا صفحہ ۲۰۹)

کب تری داد کو پہونچے ہے فلک اے بلبل — زخم گل کو جو سکھے بخیہ و مرہم سے دور
(کلیات سودا صفحہ ۲۲۲)

ایک دن مین جو ناگہان پہونچا — داد کو میری آسمان پہونچا
(مومن دہلوی)

سمجھو تو کوئی داد کو پہونچو — عاشق کی فریاد کو پہونچو
(میر تقی میر)

اعتراض (۱۴۲) زچہ تارے دیکھتی ہے

میری عبارت یہ تھی کہ "کتابین یون دیکھی جاتی ہین جس طرح زچہ تارے دیکھتی ہے"

عبارت اعتراض:۔
سُبحان اللہ کتاب دیکھنے کی تشبیہ اس سے بہتر ملنی مشکل ہے۔ زچہ کی گود مین بچہ طالب علم کی بغل مین کتاب۔ زچہ نے لمحہ بھر تارے دیکھے اور طالبعلم نے چند دقیقہ مطالعہ کیا۔ وہ اللہ اللہ بھائی کے کہتی ہوئی پردہ مین داخل ہوئی، یہ صیغہ گردانتے مکتب پہونچا، وہ بامراد رہی یہ نامراد رہا۔ یہ معلوم نہین

کہ جننے اور کو تھنے کی تکلیف زچہ کی طرح طالب علم نے اُٹھائی یا نہیں۔

جواب :۔ اس مین شک نہین کہ یہ عبارت دلکش ہے اگرچہ اعتراض یہ بھی ویسا ہی ہے جیسے اور سب ہین صرف وجہ شبہ عرض کر دون۔ وہ یہ کہ سمجھ کر نہ دیکھنا صرف رسم ادا کر دینا، اگر جناب کی موشگافیان معیار قرار دی جائین تو مرد شجاع اور شیر کی نہایت مشہور اور پرانی تشبیہ بھی غلط ہو جائے۔ اسلیے کہ شیر مین شجاعت ہے مگر ڈھال تلوار نہین باندھتا۔ مین حضرت آزاد کی ایک ایسی ہی عبارت نقل کیے دیتا ہون۔

"آجکل کے لوگ پڑھتے بھی ہین تو اس طرح صفحون سے عبور کر جاتے ہین گویا بکریان ہین کہ باغ مین گھس گئی ہین جہان منہ پڑ گیا ایک کٹّا بھی بھر لیا باقی کچھ خبر نہین۔" (آب حیات صفحہ ۴۱)

آزاد خوش نصیب تھے کہ اُن سے کسی نے ایسے سوال نہین کیے جو میری قسمت مین تھے۔ مین معترض علام کی تسکین کے لیے جناب طبا طبائی کی شرح کا ایک مقام نقل کرتا ہون شاید اُسے یاد آجائے کہ ہر تشبیہ تام نہین ہوتی ؎

نہ پوچھ وسعت میخانۂ جنون غالبؔ جہان یہ کاسۂ گردون ہے ایک خاک انداز

جناب طبا طبائی فرماتے ہین۔

"خاک انداز وہ آلہ ہے جس سے مٹی کھود کھود کر پھینکین لیکن یہان یہ وصف مقصود نہین ہے بلکہ آلۂ خاک انداز کا محقر ہونا وجہ شبہ ہے اور اُسکا فقط خاک سے بھرا ہونا مقصود ہے۔" (شرح طبا طبائی صفحہ ۶۷ و ۶۸)

آگے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے آجکل کے پڑھنے والون سے

معذرت کرون۔ مین نے اُنکے مطالعہ کے متعلق یہ لکھ دیا تھا کہ کتابین یون دیکھی جاتی ہین جس طرح زنجیہ تارے دیکھتی ہے مگر اودھ پنچ کے یہ پرچے دیکھنے سے مجھے عبرت ہوئی اور معلوم ہوا کہ صرف آج کل کے طلبا ہی نہین بلکہ وہ لوگ بھی اسی طرح کتابین دیکھتے ہین جن کا دعوےٰ یہ ہے

"ہم نے ایسا زمانہ پایا تھا کہ اُردو ایک لطیف زبان سمجھی جاتی تھی"۔

(اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۴ کالم ۳)

مین جانتا ہون کہ اِن الفاظ (جننے اور کونتھنے) سے زندہ دل معترض کو صرف نزدلی کا اظہار مقصود تھا، اور مین اِن کے متعلق کچھ نہ لکھتا مگر معترض صاحب نے اعتراض کا نمبر دیدیا تھا لہٰذا مجھے بھی کچھ کہنا ہی پڑا۔

اعتراض (۱۵) ہیبت آفرینی، معجز آرائی، کافرماجرائی وغیرہ

خلاصہ اعتراض:۔ "یہ ترکیبین نہین پھل پائیان ہین"

جواب:۔ ترکیب کا میدان نہایت وسیع ہے اور اسکی وسعت کا اندازہ کرنا ہو تو خاقانی، قاآنی، نظیری، عرفی، ظہوری، شوکت، جلال، اسیر، غالب اور مومن وغیرہ کے کلام پر نظر کر لی جائے مین دو چار مثالین دیکر آگے بڑھتا ہون۔

رقیب آفرینی

رشک فغان کی ہائے رقیب آفرینیان
محشر نے خفتگان لحد کو جگا دیا (کلیات مومن صفحہ ۹)

سجدۂ ارم آفرین۔ نسیم جہان آباد دلش اگر بہ بہار بیشۂ چمن می گزشت
قشقۂ ہندوے سوسن بداغ سجدۂ ارم آفرین بدل می گشت۔

(جلوۂ سیہ طغرا (رسائل طغرا) صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳)

نزاکت آفرینی :۔ "برق در نزاکت آفرینی برق است"

(صبح گلشن صفحہ ۵، تذکرۂ شعرائے فارسی)

نفس مرگ آرا	منت بازیچۂ عیسے مکش بحر حیات ارزش مُردن بپرس از نفس مرگ آرائے من	(قصائد عرفی صفحہ ۲۶)
قیامت آرا	تنگیٔ عشق وحشت افزا تھی تپش دل قیامت آرا تھی	(کلیات مومن صفحہ ۲۰۹)
کافرماجرائی	ادا ہوا احتساب پارسائی بنے دیندار کافر ماجرائی	(کلیات مومن صفحہ ۴۱۳)

دو ترکیبیں اور ملاحظہ ہوں :۔

خاطر نگہدار درویش	کہ خاطر نگہدار درویش باش نہ در بند آسائش خویش باش	(بوستان شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ)
خون دل آشامی	باکاد کاو غمزہ نظیری اثر نماند فارغ نشین کہ خون دل آشامی تو رفت	(دیوان نظیری صفحہ ۷۰)

اعتراض (۱۶) شیکسپیر پرستان ہندی نژاد

خلاصہ عبارت اعتراض :۔ "سامنے سیدھا سادہ اُردو لفظ موجود ہے مگر ادبا کے انگریزی جھاڑ یا عربی فارسی پتھر کھینچ مارتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُردو ٹاٹ انگیا مونج کی بخیہ ہوئی جاتی ہے الخ"

جواب۔ غالباً ٹاٹ کی انگیا مونج کی بخیہ سہو کاتب سے لکھ گیا یا خدانا کردہ بالغرض قلم ہے اسلیے کہ اس مثل کا مفہوم یہ ہے کہ جیسی معمولی چیز ہو ویسی ہی اُس کا

معمولی سامان ہونا چاہئے آپنے اِسے بے جوڑ (ان مل) کی جگہ پر لکھدیا ہے۔ بہر حال مجھے اصل اعتراض کے جواب سے بحث رکھنی چاہئے۔

بندہ نواز مین سنے جہان تک اُردو پر نظر کی ہے مجھے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ جس طرح اِس زبان مین فارسی عربی کے پُرشوکت الفاظ کلام کے دبدبہ کو بڑھا دیتے ہین اُسی طرح ہندی کے نازک اور سیدھے سادے الفاظ مزہ پیدا کردیتے ہین۔ آپ خود اپنے مضمون کی قسط اوّل مین فرماتے ہین۔

"معجزہ آراست۔ سجدہ ریخت فارسی والون نے بھی نہین کہا خواہ وہ ہندی نژاد ہون یا ایرانی"

دیکھئے سیدھا سادہ جملہ یون ہوسکتا تھا کہ "خواہ وہ ہندی ہون یا ایرانی" مگر میری طرح آپ کے قلم سے بھی ہندی کے ساتھ نژاد نکل ہی گیا۔

"اسی پرچہ مین آپ فرماتے ہین کہ داد کے جتنے ملحقات ہین سب کے معنے کسی نہ کسی طرح انصاف وعدل کی طرف منجر ہوتے ہین"

٦ر مئی کے پرچہ مین جناب نے لکھا ہے "ابوالفضل بھی اسی راہ کا سالک تھا" سیدھا سا جملہ یون ہوسکتا تھا کہ ابوالفضل کا بھی یہی انداز یا طرز تھا۔

اور دیکھئے آپ ہی پر موقوف نہین اردو کی شان ہی یہی ہے اب مین اُن لوگون کے کلام سے کچھ مثالین دینا چاہتا ہون جو قلم و زبان آوری مین کوس انا ولا غیری بجا گئے

قمر منخسف:-

شب ہے جون قمر منخسف سدا بے نور
سیاہ بختون کے بالین قبر کی قندیل

(دیوان ذوق صفحہ ۲۵)

مالک الرقاب " گردن جھکائے رہتا ہے وہ مالک الرقاب "

بند ۱۵ مطلع :- یارب کسی کا باغ تمنا خزاں نہو (جلد سوم میر انیس صفحہ ۱۴۱)

عزم بالجزم " سے

عزم بالجزم تھے کیا فاطمہ کے پیارو بچے چھوٹی سی تیغ سے دم بند تھے کفاروں کے

بند ۴۲ مطلع :- غل تھا اعدامیں کہ زینب کے پسر آتے ہیں (جلد سوم میر انیس صفحہ ۲۵)

لاریب فیہ مصحف ناطق " لاریب فیہ مصحف ناطق کے جائے ہیں "

بند ۳۲ مطلع :- رطب اللسان ہوں مدح شہ خاص و عام میں (جلد سوم میر انیس صفحہ ۱۵۲)

چرخ مقرنس " نزدیک تھا ہل کے گرے چرخ مقرنس "

بند ۸۴ مطلع :- جب روح چلی حضرت عباس سے پر کو (جلد سوم میر انیس صفحہ ۱۹۵)

خلع بدن سے

کیا کیا عزیز خلع بدن مارے کر گئے تشریف یاں تمہیں تمہیں لانا ضرور تھا

(کلیات میر صفحہ ۳۶)

" پھر کجا تصور کجا لہو کی بوند دو نون مین کیسا بون بعید ہے اور یہا ین طرفین سے تشبیہ مین حسن اور غرابت زیادہ ہو جاتی ہے " (شرح طباطبائی صفحہ ۱۰۷)

" جب وہ صاحب کمال عالم ارواح سے کشور اجسام کی طرف چلا تو فصاحت کے فرشتون نے باغ قدس کے پھولون سے تاج سجایا جس کی خوشبو شہرت عام بنکر جہان مین پھیلی اور رنگ نے بقائے دوام کی آنکھون کو طراوت بخشی وہ تاج سر پر رکھا گیا تو آب حیات اس پر شبنم ہو کے برسا کہ شادابی کو کملاہٹ کا اثر نہ پہونچے " (آب حیات آزاد صفحہ ۵۰۳ [illegible] لاہور)

" عام اور مبتذل تشبیہین جو اُردو گویون کے کلام مین متداول ہین مرزا جہان تک ہوسکتا ہے اُن تشبیہون کو استعمال نہین کرتے بلکہ تقریباً ہمیشہ نت نئی تشبیہین ابداع کرتے ہین " (یادگارِ غالب صفحہ ۱۱۳ از حالی مغفور)

اب مین حیران ہون کہ مین نے جو شکسپیر پرستان ہندی نژاد لکھا تھا تو اُس مین کونسا لفظ تھا جو انگریزی پھاڑ یا عربی فارسی تہر کہا جاسکتا ہے۔ انگریزی تعلیم سے بہرہ ور ہونے والے ہندوستانی اب سے پہلے شکسپیر پر مٹے ہوئے تھے اور آج بھی اُن کی شیفتگی کچھ زیادہ کم نہین ہوئی ہے مین نے اگر اُن کو شکسپیر پرست کہا تو کیا گناہ کیا۔ اِس سے قطع نظر کر لینے پر بھی آج کونسا ایسا پڑھا لکھا ہے جو شکسپیر کے نام سے واقف نہ ہو اور جسے یہ نہ معلوم ہو کہ انگریزی تعلیم پائے ہوئے شکسپیر کی قدر بلکہ پرستش کرتے ہین مین اسم خاص کو کس لفظ سے بدلتا اور کیون بدلتا۔ پرست عام ہے۔ بت پرست، صنم پرست سے کون واقف نہین۔ نژاد ایسا لفظ تو نہین جس سے اتنی وحشت ہو

اعتراض (۱۷) زبان حال

مین نے لکھا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ مرزا کے دیوان کی ایسی شرح لکھ دیجائے کہ دیوان بہ زبان حال پکار اُٹھے کہ حق شرح ادا ہوگیا۔ اُسپر یہ ارشاد ہوا۔

" اے حضرت دیوان کی دو زبانین ہین۔ ایک تو اپنی اُستادی کا ڈنکا بجاتی ہے اور دوسری الکن ہے لڑو لڑو کرتی ہے "

اعتراض یہ ہے کہ دیوان صرف زبان حال رکھتا ہے تو پھر زبان حال کہنے کی ضرورت کیا تھی۔

جواب :- کاش معترض نقاد نے کلام اساتذہ پر نظر ڈالی ہوتی۔ مین جواب

مین صرف اتنا ہی کہون گا کہ مجھ سراپا گناہ سے ارشاد ہوا ہے وہی تاجدار فصاحت میر انیس رح سے فرمادیا جائے ؎ رباعی

دنیا سے انیس اب تو بیزاری کر | پیری سے بدن زار ہو زاری کر
ہے صبح اجل کوچ کی تیاری کر | کہتے ہین زبان حال سے موئے سپید

اعتراض (۱۸) سیاہ پوش

میرے اس فقرہ پر کہ یہی وہ شرح ہے جس کی بیگناہ کشی سے اشعار غالب سیاہ پوش نظر آتے ہین معترض نقاد کہتا ہے کہ

"خدا سمجھے پر سیمینون سے یہ کسی حرف کا منہ کالا کئے بغیر چھوڑتے ہی نہین"

جواب:۔ یہ ایسی بات ہے کہ جسکا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ خدا معترض علام کو جزائے خیر دے جس نے حُسن تعلیل کی دادیون دی میرے نزدیک یہان اُسے صرف اظہار زندہ دلی مقصود تھا حقیقت مین اعتراض مقصود نہین ہے

اعتراض (۱۹) "حضرت چھُری پھرائی نہین جاتی پھیری جاتی ہے جس کسی پر اعتبار کیجئے اُس سے پوچھ لیجئے"

جواب:۔ جو بات نہ معلوم ہو اُس کا پوچھ لینا عیب نہین۔ مگر بنجود ناشاد اُن لوگون سے پوچھ چکا ہے جن کا اعتبار ساری دنیا کو ہے اور ہونا چاہیے جہان تک مین جانتا ہون چھُری یا خنجر سب پھیرے بھی جاتے ہین اور پھرائے بھی جاتے ہین

وہ حلق پہ خنجر کو پھرایا کیا امان | مین نام بزرگون کے بتایا کیا امان

قول جناب امام حسینؑ (مرزا دبیر؟ مطلع مرثیہ جب اصغر بے شیر گئے نہر لبن کی)

"گردن پہ تو بھینا کے پھرایا نہین خنجر"

بند ۳ ۷ مطلع مرثیہ :۔ اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیر

(جلد چہارم میرانیس صفحہ ۳۲۹)

"اسکے عوض پھرا دے چھری میرے حلق پر"

بند ۱۱۰ مطلع مرثیہ :۔ رُوحِ سخن فدائے حسین شہید ہے۔

(جلد سوم میرانیس صفحہ ۲۲۲)

یہان تک مین نے اُن اعتراضون کے متعلق کچھ لکھا جو مجھ پر کیے گئے تھے صرف ایک دعوی کی حقیقت دکھا دینا ہے، انشاءاللہ مضمون اُسی پر تمام ہوگا۔ اب یہان سے معترض علام نے صدر المحققین مرزا غالب پر کرم کیا ہے۔ اِسکا اجمالی جواب صرف اس خیال سے کہ معترض کی دلشکنی نہ ہو لکھتا ہون مفصل جواب میری شرح مین نظر آیگا اللہ جانتا ہے کہ مین کسی سے اُلجھنا نہین چاہتا۔ جناب طباطبائی نے جو اعتراض اُٹھانے کے قابل کیے ہین وہ مین اپنی بساط بھر اُٹھا چکا ہون، خدا نے چاہا تو میری شرح مین سب کا جواب شافی نظر آیگا۔ جناب طباطبائی کے اعتراضون کا جواب دینا اردو زبان بولنے والون کے لیے واجب کفائی تھا۔ مین نے اِس واجب کو ادا کرنے کی سعی کی ہے اب یہ خدا جانے اور اہل انصاف کہ میری سعی مشکور ہوئی یا نہین۔

جس طرح اُردو کی بربادی پر معترض نقاد کا دل کڑھتا ہے اُسی طرح میرا بھی کیا غضب ہے کہ مین سنگسار کیا جاتا ہون۔ مین معترض نہین مجیب ہون۔ عجب تماشا ہے کہ جس نے میرزا غالب ایسے یگانہ دہر پر بابن بیگناہی اتنے تیر مارے کہ کلیجا چھلنی کر دیا، لوگ اُسکے لیے سینہ سپر ہین، اور مین جو اُن تیرون کو نکالنا چاہتا ہون تو مجھ پر

پتھر برسائے جاتے ہین یہ معترض نقاد کے انداز سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو　　یہی اک شہر مین قاتل رہا ہے

جناب طبا طبائی کی شرح سے مین اسوقت صرف ایک نمونہ پیش کرتا ہون، اور میرا خیال یہ ہے کہ اُسکا جواب اسقدر ہوگا کہ مجیب اپنی جسارت پر خود حیران ہوگا۔

جناب طبا طبائی مرزا کے اِس شعر کی شرح مین کہ

مرگیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالبؔ　　ناتوانی سے حریف دم عیسےٰ نہ ہوا

فرماتے ہین۔ " اِس شعر مین معنی کی نزاکت یہ ہے کہ شاعر حرکت لب عیسےٰ کو صدائے عیسیٰ کی حرکت سے مقدم سمجھتا ہے۔ کہتا ہے کہ مین پہلے حرکتِ لب ہی کی اوجھڑ سے مرگیا اور حریف دم عیسیٰ نہ ہوا" الخ

حرکت لب کی اوجھڑ، اور لب بھی کون، لب عیسیٰ۔ کیا کہنا

کلام غالب پر معترض علام کے اعتراضات

تو نے سودا کے تئین قتل کیا کہتے ہین　　یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہین

اِن اعتراضون کا جواب دینے سے پہلے یہ کہدینا ضروری ہے کہ دوسرے پرچے مین جہان معترض نے مرزا پر اعتراضات کئے ہین وہان لہجہ بہت نرم ہے اور مین اس رحم کا شکر گزار ہون، پہلے پرچہ مین شدت زیادہ تھی۔

اعتراض (۲۰-۱) "عربی محاورہ ہے "اصلاح ذات البین" چنانچہ قرآن (مجید) مین ہے "اصلحوا ذات بینکم" مرزا غالب نے اصلاح بین الذین

لکھتے ہین "

جواب :۔ اسے مرزا کی غلطی سمجھنا کیا ضرور ہے، ممکن ہے کہ سہو کاتب ہو۔ صلاح بین الذاتین مرزا کے رقعہ مین ہے جسکی نسبت مرزا نے شاید کہین نہین لکھا کہ اسکا پروف میری نظر سے گزر چکا ہے۔ جناب طباطبائی تو مرزا کے اُس دیوان (اردو) مین سہو کاتب کے قائل ہوے ہین جسکی نسبت وہ اپنی شرح مین زور دیکر فرماتے ہین کہ اس دیوان کا پروف خود مرزا نے دیکھا ہے، چنانچہ مرزا کے دو شعرون کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے ؎

(۱) کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق — ہے مکرر لب ساقی مین صلا میرے بعد

(۲) افسردگی نہین طرب انشائے التفات — ہان درد بنکے دل مین مگر جا کرے کوئی

ارشاد طباطبائی (۱) اس شعر مین کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے یہان کی یا پہ ہونا چاہیے " (شرح طباطبائی صفحہ ۵۳)

(۲) طرب انشا بہت اوٹھی ترکیب ہے۔ غالب سے ایسی رکاکت بعید ہے۔ عجب نہین کہ اُنھون نے طرب افزاے التفات کہا ہو، بلکہ یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا " شرح طباطبائی صفحہ ۲۴۳)

اور کچھ یہی دو مقام ایسے نہین جہان جناب شارح سہو کاتب کے قائل ہوئے ہون جس نے انکی شرح غور سے دیکھی ہے وہ ایسے مقامات کا شمار بھی بتا سکتا ہے لیکن افسوس کے قابل تو یہی امر ہے کہ جہان کوئی اصلاح دینا ہوئی سہو کاتب کے قائل ہو گئے۔ جہان اعتراض کرنے کی لہر آگئی سہو کاتب کا خیال دریابرد ہو گیا۔ ان اشعار مین جو اصلاح تجویز ہوئی ہے اُسپر اسوقت کچھ لکھنا ضرور نہین۔

بہرحال اگر فاضل معترض اور قابل شارح کو یہی اصرار ہے کہ نہیں مرزا سے غلطی ہوئی اور ضرور ہوئی تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ ایسا ہی ہوگا۔ مرزا نہ فرشتہ تھے، نہ امام، نہ نبی تھے نہ خدا، غلطی ہوئی ہوگئی۔

اعتراض (۲۱-۲) "تجدید عہد، محاورہ ہے مگر مرزا غالب فرماتے ہیں
ع کف افسوس ملنا عہدِ تجدید تمنا ہے۔ آخر اس اضافت مقلوبی سے کیا فائدہ الخ۔"

جواب۔ اعتراض کا جواب دینے سے پہلے یہ کہدینا ہے کہ جتنے اعتراض معترض باخبر نے کئے اُن میں سب سے زیادہ مجھے یہی پسند آیا اسلئے کہ گو یہ اعتراض صحیح نہیں مگر مجیب کو دماغ پر زور دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ورنہ اور اعتراضوں کے جواب میں دفتر کے دفتر الٹ دینے اور بہت سادقت عزیز معترض نقاد کی ضد قربان کر دینے کے سوا دھرا ہی کیا ہے اسلئے کہ اس کہنے میں کیا رکھا ہے کہ ایسا میر نے بھی کہا سودا نے بھی کہا، دبیر نے بھی کہا انیس نے بھی کہا۔

اب میں اپنی شرح کا ایک صفحہ نقل کئے دیتا ہوں جس سے جناب طباطبائی کا اعتراض اور اعتراض پیدا کرنے کی کوشش اور میرا جواب معلوم ہوجائے گا۔ غالب
نہ لائی شوخیٔ اندیشہ تاب رنج نومیدی کف افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے

ارشاد طباطبائی:۔ "یہاں مصنف نے تفنن کلام کی راہ سے (تجدید عہد تمنا) کے بدلے (عہد تجدید تمنا) کہا ہے گو محاورہ سے الگ ہے مگر معنی درست ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ دھوکا کھایا جیسے (اصلاح ذات البین) کے مقام پر صلاح بین الذاتین لکھ گئے۔ وہ فقرہ یہ ہے کہ " اگر

خدانخواستہ مجھ میں اور مولوی صاحب میں رنج پیدا ہوتا تو آپ بہت
جلد اصلاح بین الفاتین کی طرف متوجہ ہوتے۔

بیخود:۔ اس ناچیز کی سمجھ میں نہیں آتا کہ جب معنے درست ہیں تو اعتراض کرنے کی وجہ کیا ہے۔ اعتراض کی تائید کے لیے رقعہ غالب کی عبارت نقل کر دی گئی۔ اِسکے معنی یہ ہیں کہ شارح مرزا پر اعتراض کرنے کا کل سامان لیس کر کے بیٹھا ہے اور ذرا سا موقع ملجائے ترکش خالی کر دے، اس اہتمام سے ظاہر ہے کہ شارح مرزا سے کہاں تک حسن ظن رکھتا ہے اور یہ بھی آئینہ ہو جاتا ہے کہ اُسے اعتراض آفرینی کے مقابلہ میں شرح کلام کی کچھ پروا نہیں۔ اب میں اِن کا فرق بیان کرتا ہوں۔

(عہد تجدید تمنا) اور (تجدید عہد تمنا) میں فرق ہے اور ایسا نازک کہ طباطبائی سا نقاد اُلجھتا ہے اور اعتراض جڑ دیتا ہے۔

تجدید عہد تمنا کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم نے جو تمنا کرنیکا عہد کیا تھا وہ ٹوٹ گیا ہے یا اُس میں تزلزل پیدا ہو گیا ہے یا اپنے کو عہد پر مضبوطی سے قائم رکھنا مقصود ہے اس لیے ہم تجدید عہد کرتے ہیں یعنی نئے سر سے عہد کرتے ہیں کہ تمنا ضرور کریں گے۔

عہد تجدید تمنا کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے ہم نے صرف تمنا کی تھی، یہ عہد نہیں کیا تھا کہ تمنا ضرور کریں گے۔ لیکن اب ناکامی کے بعد ہم جو ہاتھ مل رہے ہیں اُس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم تمنا کر کے پچتائے ہیں، بلکہ عہد کر رہے کہ تمنا کی تجدید ضرور کریں گے ان دونوں باتوں کا فرق ظاہر ہے میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس شعر کو اضافت مقلوبی (یہ لفظ فاضل مضمون نگار کا ہے) سے کیا تعلق ہے اور اسے تجدید عہد کے محاورہ سے کیا علاقہ ہے جس طرح تجدید عہد محاورہ ہے اُسی طرح عہد کرنا

بھی محاورہ ہے۔

صاف لفظوں مین شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ عالی ہمت ہین ناکامی اُنکے حوصلے کو پست نہین کرتی بلکہ جتنی ناکامیان زیادہ ہوتی جاتی ہین اُتنی ہی انکی ہمت بلند اور عہد استوار ہوتا جاتا ہے۔

اعتراض (۳-۲۲) تنافر

خلاصۂ عبارت اعتراض

"تنافر عیب ہے مگر غالب مرحوم فرماتے ہین ع
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکون "

جواب :- تنافر عیب ہے۔ وہ مرزا کے یہان ہو یا کہین اور لیکن یہ عیب ایسا ہے جس سے کوئی اُستاد بچا نہین اسکی ہزارون مثالین دیجا سکتی ہین۔ہان نثر عاری مین تنافر زیادہ اعتراض کے قابل ہے جیسا یہان ہے۔

"میرے اشتیاقِ قتل مین ایسا جذب و کشش ہے کہ تلوار کا دم اُسکے سینہ باہر کھینچ آیا ہے"۔ (شرح طباطبائی صفحہ ۲)

اب مین تنافر کی چند مثالین ایسے شاعر کے اشعار سے پیش کرتا ہون فصاحت جس کا کلمہ پڑھتی ہے۔

"گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہین دیکھا"

بند ۹۹ مطلع :- دولت کوئی دنیا مین پسر سے نہین بہتر (انیس)

"شہباز اجل صید پہ پر کھول کے آیا"

بند ۹۱ مطلع :- دولت کوئی دنیا مین پسر سے نہین بہتر۔ (انیس)

وہ تیز منہ کہ کوہ کو کھائے مثال کاہ

بند ۸۶ مطلع ۔ رطب اللسان ہوں مدح شہ خاص و عام میں (جلد سوم میرانیس صفحہ ۱۵۲)

اس میں کچھ شک نہیں کہ مرزا کے مصرعہ کی جو موجودہ صورت ہے اس میں غضب کا تنافر ہے۔ تین کاف ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں لیکن حسن ظن کا قدم درمیان میں ہوتا تو یہ مقام بیشک ایسا تھا کہ بے تامل کہدیا جاتا کہ یہاں کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے اسلیے کہ اگر 'کہ' 'جو' سے بدل جائے تو کوئی قباحت پیدا نہیں ہوتی اور (کی کہ کھا) پڑھتے وقت زبان رکتی ہے اور یہ وہ کراہت ہے جو موزون طبع بچوں کو بھی محسوس ہوتی ہے۔ مرزا سے اسکی توقع رکھنا سوء ظن نہیں تو کیا ہے اور یہی حال میر انیس مرحوم کے آخری مصرعہ کا ہے وہاں بھی 'کہ' 'جو' سے بے تکلف بدلا جا سکتا ہے، اور اگرچہ انیس مرحوم کے پہلے دو مصرعوں میں جو عیب تنافر ہے وہ مصرعوں کو تلپٹ کئے بغیر نکل نہیں سکتا۔ لیکن اہل ذوق انکی خوبی کا کلمہ پڑھتے ہیں خاصکر پہلا مصرعہ تو اپنا جواب نہیں رکھتا ع گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا۔

تنافر کے مسئلہ میں مجھے جناب طباطبائی کا یہ قول بہت پسند ہے جو غالب کے اس شعر کی شرح میں نظر آتا ہے:۔

کوئی میرے دلسے پوچھے ترے تیر نیمکش کو یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

اور اسکے پسند آنے کی وجہ یہ ہے کہ انصاف سے بیگانہ نہیں۔

"(جو) کا واؤ وزن سے ساقط ہو گیا اور یہ درست ہے بلکہ فصیح ہے، لیکن اسکے ساقط ہو جانیسے دو جیمیں جمع ہو گئیں اور عیب تنافر پیدا ہو گیا لیکن خوبی مضمون کے سامنے کوئی ایسی باتوں کا خیال نہیں کرتا۔" (شرح دیوان غالب صفحہ ۵۹)

لیکن وہ شعر جس پر اسوقت بحث ہو رہی ہے اُس میں اس قول طبا طبائی سے کام لینے کی ضرورت نہیں اسلیے کہ سہو کاتب کے احتمال کی گنجائش زیادہ ہے اور 'کہ' 'جو' سے بدلا جا سکتا ہے۔

اعتراض (۲۳-۴) اثبات۔ پیچ

مرزا غالب فرماتے ہیں

"نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا

کیا شارح یہ نہ بتائے کہ اثبات مذکر ہے۔ غالب کبھی بات کی پیچ، کبھی بات کا پیچ کہتے ہیں؛

جواب:۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب طبا طبائی نے شرح اور حضرت ادیب الشعرا نے مضمون لکھتے وقت صرف اپنی نظر پر جو ایسی ہے اور اپنے حافظہ پر جو ایسا ہے تکیہ کیا ہے حالانکہ یہ چیزیں اکثر شباب مرحوم کے ساتھ اور کبھی کبھی پہلے ہی سے چل بستی ہیں۔ اس اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا اکثر کیا شاید سب کے سب اعتراض ایسے کیے جن پر تحقیق سر بگریبان ہے۔ مذکر اور مونث کی بحث چھیڑی تو مختلف فیہ کا نام تک نہ لیا۔ بعض لفظ ایسے بھی ہیں کہ مذکر بھی بولے جاتے ہیں اور مونث بھی۔ ایسے لفظوں میں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ہر اُستاد کسی ایک صورت کو مرجح سمجھتا ہے کبھی ترجیح اور عدم ترجیح سے بحث نہیں کرتا، ردیف شعر یا اُسکا مذاق صحیح جس مقام پر تذکیر کو پسند کرتا ہے مذکر باندھ جاتا ہے، مثلاً لفظ 'معراج' زیادہ تر مونث سمجھا جاتا ہے مگر شیخ ناسخ مذکر باندھتے ہیں اور اس محل پر حق اُنھیں کی طرف ہے ؎

کسی دل تک رسائی ہو سکے تو عرش ہے یہی ۔ وگرنہ میں معراج ممکن عرش عظم کا

یہان عرش اعظم کا اور عرش اعظم کی کہنے مین جو فرق ہے اُسے کچھ وہی لوگ سمجھتے ہین جن کے کان سدھے ہوئے ہین جن کا ذوق سلیم ہے، اور جہان شاعر کا مذاقِ صحیح مؤنث کو مرجح سمجھتا ہے وہان مونث لکھ جاتا ہے اور اہل ذوق نے مختلف فیہ الفاظ کے صرف مذکر یا مونث قرار دیئے جانے پر زیادہ زور نہین دیا، اس کا راز یہی ہے کہ اُنھون نے زبان کے دائرہ کو تنگ کرنا بہتر نہ سمجھا علاوہ اسکے مرزا کی جلالت قدر وہ تھی کہ اگر کسی لفظ کو خلاف جمہور مذکر یا مُونث باندھ جاتے تو اُسی طرح قابل ملامت نہ ٹھہرتے جس طرح میرؔ و سوداؔ و دردؔ۔ یہ اس ناچیز کا خیال ہے کچھ مثالین ملاحظہ ہون۔ مختلف فیہ کی مثال

خط کو روے یار پر نشو و نما ہوتا نہین (مذکر) سبزۂ بیگانہ گل سے آشنا ہوتا نہین

(شیخ ناسخ مرحوم)

آنسو بہا تو رشتہ بپا مرغ دل ہوا (مونث) دانہ نے کی جو نشو و نما دام ہو گیا

(خواجہ وزیر مغفور)

اب وہ مثالین لکھی جاتی ہین جن مین ایک ہی شاعر نے ایک لفظ کو مذکر اور مونث باندھا۔

(مذکر) "تم فاتحہ! پاکا دلا دیجیو بیٹا"

بند ۱۹۔ مطلع۔ جب خیمہ مین رخصت کو شہ بحر و بر آئے۔ (جلد سوم انیس صفحہ ۲۰)

سو مر گئے بھوکے یہی مرضی تھی خدا کی

(مونث)

ان کھانون پہ دو فاتحہ شاہ شہدا کی

بند ۸۰۔ مطلع۔ اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیر (جلد اوّل انیس ۲۷۹)

ہر سنگ مین شرار ہے تیرے ظہور کا
(مذکر) موسیٰ نہین کہ سیر کرون کوہ طور کا (کلیات سودا صفحہ ۱۰۸)

سیر کی یون کو چۂ ہستی کی ہم
(مونث) نے مین سے جون نالہ گزر کر گیا (ایضا صفحہ ۲۰۰)

اعتراض (۲۴-۲۴) تانیث قلم

"غالب فرماتے ہین (ع) ہے قلم میری ابر گوہر بار۔ تو کیا شارح قلم کی تانیث تسلیم کرلے"

یہ تو وہ عبارت ہے جو فاضل مضمون نگار اودھ پنچ نے لکھی ہے، حضرت طباطبائی اس شعر کے متعلق فرماتے ہین۔

"مصنف مرحوم کی زبان پر قلم بتانیث تھا، اور اُن کے تلامذہ ابھی تک اس وضع کو نباہے جاتے ہین، مگر اصل یہ ہے کہ لکھنؤ و دہلی مین بتذکیر بولتے ہین۔ فخر شعرائے دہلی مرزا داغ کا کلام دیکھو۔ تعجب یہ ہے کہ مصنف بھی قلم کو بتذکیر باندھ چکے ہین (ع) فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے"

جواب:۔ جہان حضرت طباطبائی تعجب ظاہر کرتے ہین مجھے تعجب آتا ہے مرزا کے دیوان مین قلم دو چار جگہ بھی مونث نہین ملتا۔ پھر اسکا فیصلہ کیونکر ہوا کہ قلم مرزا کی زبان پر بتانیث تھا، ہان شاید اردوئے معلّےٰ اور عود ہندی مین جناب طباطبائی کی نظر سے گزرا ہو۔ میرے پاس یہ کتابین اسوقت موجود نہین۔ اسلیے مین صرف انھین دو مصرعون کو مد نظر رکھ کر جواب دیتا ہون۔ جناب طباطبائی کی اس عبارت سے (جس مین مرزا کے دو مصرعے لکھے ہین (۱) ہے قلم میری ابر گوہر بار (۲) فقط خراب لکھا

بس نہ چل سکا قلم آگئے) تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قلم کو مختلف فیہ جانتے تھے اور جہان مناسب نظر آتا تھا مذکر یا مونث باندھ جاتے تھے اور دہلی کے متعلق یہ کہنا دل کو لگتی ہوئی بات نہین کہ وہان قلم کو سب بتذکیر بولتے ہین " اگر بولتے ہین " سے زمانہ موجود مراد ہے تو پھر کہا جائیگا کہ اس قول سے مرزا کے زمانے کو کیا تعلق ہے۔ اس حالت مین تو صرف یہ کہدینا کافی تھا کہ اب دہلی والے بھی باتفاق مذکر بولتے ہین۔ لیکن یہ بھی اُس وقت کہا جا سکتا تھا، جب اُن مستند سخن آفرینون کی نظم و نثر پر نظر کر لی گئی ہوتی جن پر آج کی دلی ناز کرتی ہے اگر اس سے مرزا غالب کا زمانہ مراد ہے تو یہ قول تحقیق کے خلاف ہے دور کیون جایئے، مرزا کے معاصر حضرت مومن نے بھی قلم کو مونث باندھا ہے۔

غیر کے خط لکھنے کو تم نے تراشی ہے قلم
ورنہ میرے استخوان کیون ہوگئے قطگیر ہے (کلیات مومن صفحہ ۱۰۱)

اور یہی ایک مثال " سب بتذکیر باندھتے ہین " کے رد کر دینے کو کافی ہے۔ خدائے سخن حضرت میر کے یہان بھی قلم کی تانیث کا سراغ ملتا ہے۔ ے

کسی کو شوق یارب اور اس سے بیش کیا ہوگا
قلم ہاتھ آگئی ہوگی تو سو سو خط لکھا ہوگا (کلیات میر صفحہ ۳۵)

اعتراض (۲۵-۵) ۔ اعلان نون

غالب فرماتے ہین

" فرمان روائے کشور ہندوستان ہے۔ شرع و آیین پر مدار سہی "۔

عبارت اعتراض او دھ پنچ:۔

" فارسی ترکیب مین اعلان نون بعد الاضافت معیوب ہے۔ ایسی

غلطیان اگلے اساتذہ کے کلام مین بہت ہین"

یہ بھی ارشاد ہوا کہ

"غالب نے بھی اپنے کسی مکتوب یا ملفوظ مین ان کے جواز کا فتوے نہین دیا۔ اگر شارح نے اسکی توضیح کردی تو کس جرم کا مرتکب ہوا"

جواب: ہمیشہ کسی شاعر کی زبان پر اعتراض کرتے وقت وہ زبان معیار قرار دیجاتی ہے جو اُسکے زمانہ مین رائج ہو۔ لیکن اُردو مین یہ بھی دیکھنا ضرور ہے کہ شاعر دلّی کا ہے یا لکھنؤ کا۔ اگر آج ہم میر۔ سودا۔ درد پر ادہر، اُودھر، جیدھر، کیدھر، نک نیٹ، نمان، اُور، بچارا، دوانہ بولنے کی وجہ سے اعتراض کرین تو وہ اہل انصاف جو بارود کا پتلا ہین آگ ہوجائین گے اور کافور مزاج حضرات نے اگر کچھ نہ کہا تو مسکرائینگے ضرور۔ حقیقت یہ ہے کہ فارسی ترکیب مین اعلان نون بعد اضافت اب معیوب ہے مرزا کے زمانہ مین محبوب تھا۔ عہد غالب کے شعرا ذوق، ظفر، مومن، آزردہ کا کلام اگر دیکھا جائے تو یہ اعلان نون اتنی جگہ نظر آئے گا کہ شمار مشکل ٹھہرے گا۔ پھر اسے معیوب یا غلط قرار دینا بڑی جسارت ہے۔ اس عقدہ کا حل وہی ہے جو حضرت طباطبائی کی شرح کے صفحہ ۲۴۴ مین نظر آتا ہے۔

"مصنف مرحوم (غالب) کا اس باب مین یہی مذہب معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کے کلام مین ایسے مقام پر وہ اعلان نون درست جانتے ہین اور فارسی کے کلام بھر مین اُن کے کہین اس طرح اعلان نون نہین دیکھا۔ یعنی فارسی کلام مین اہل زبان کا اتباع کرتے ہین اور اُردو مین نہین کرتے"

(شرح طباطبائی ۲۴۴)

مین اس مین اتنا اور بڑھانا چاہتا ہون کہ کچھ غالب ہی پر موقوف نہین معاصران غالب بلکہ اُن کے تمام پیشرو میر۔ سودا۔ درد۔ خان آرزو وغیرہ سبکا یہی مذہب تھا اور اور اِن اساتذہ مین سے کوئی ایسا نہین جو فارسی مین صاحب زبان نہو خصوصاً خان آرزو سراج المحققین جنکا خطاب ہے اور جو (منشی ٹیکچند) مصنف بہار عجم کا فخر شاگرد اُستاد ہے، اِن لوگون نے ترکیب اضافی و توصیفی مین اعلان نون کو اُسی طرح جائز رکھا جس طرح نون کا نون غنہ ہو جانا۔ اور اس مین کچھ شک نہین کہ یہ اجتہاد تھا۔ غلطی نہ تھی۔

ہان، مین یہ کہنا بھول گیا کہ یہی جناب طباطبائی جو صفحہ ۲۴۴ پر مرزا کا مذہب بیان کر چکے ہین صفحہ ۱۴۸ مین یون گلفشانی فرماتے ہین۔

"میر انیس مرحوم کے اس مصرعہ پر ع مسکن چھٹا ہمارے سعادت نشان ہے لکھنؤ مین اعتراض ہوا تھا کہ حرف مد کے بعد جو نون کہ آخر کلمہ مین پڑے فارسی والون کے کلام مین کبھی اعلان نون نہین پایا گیا۔ تو جب اُردو مین ترکیب فارسی کو استعمال کیا اور کشور ہندوستان کہکر مرکب اضافی بنایا، ہمارے سعادت نشان باندھ کر مرکب توصیفی باندھا تو پھر نحو فارسی کی تبعیت نہ کرنے کا سبب؟"

پہلے مین اس اعتراض کا جواب مانۂ حال کے مسلم اصُول کو صحیح قرار دے کر لکھتا ہون، اور آگے بڑھکر وہ جواب عرض کرونگا جو نگاہ تحقیق کو نظر آتا ہے۔

مین اسکا سبب عرض کر دون۔ نحو فارسی کی تبعیت نہ کرنے کا سبب اجتہاد ہے اور یہ اُسی طرح کا اجتہاد ہے جیسا اساتذہ ایران نے کیا ہے۔ یعنی عربی کے وہ الفاظ

جو باعلان نون تھے۔ مثلاً بیان، خلجان، خفقان، مرجان وغیرہ جب باضافت و عطف فارسی استعمال کئے تو اعلان نون کو غائب کر دیا۔ یہ شعرائے ایران کا تصرف و اجتہاد تھا۔ اساتذۂ دہلی نے جو اَب کے شعرا سے فارسی زبان مین زیادہ دخل رکھتے تھے، یہ کیا کہ الفاظ خواہ فارسی ہون خواہ عربی، ان مین مد کے بعد جو نون آخر کلمہ مین پڑے اُسے اعلان کے ساتھ بھی باندھین اور بغیر اعلان بھی۔ اس طرح کا استعمال لکھنؤ مین میر انیس مرحوم اور دلی مین حضرت داغ مغفور تک برابر جاری رہا۔ اس رواج کا ترک اچھا ہوا یا بُرا، اسپر تفصیلی کیا اجمالی بحث کا بھی موقع نہین یار زندہ صحبت باقی۔ مین صرف اتنا پوچھ لینا چاہتا ہون کہ میر انیس مرحوم پر سعادت نشان باعلانِ نون باندھنے کی وجہ سے جو اعتراض ہوا تھا اُس پر اُنھون نے سرِ تسلیم خم کیا یا نہین اور اساتذۂ دہلی کے اجتہاد کو مُسلّم سمجھا یا اُس فرضی قلادۂ تقلید اہلِ ایران کو زیبِ گردن فرمایا جسے حضرت ناسخ نے اپنے گلے مین ڈالکر اردو زبان بولنے والون کے گلے کا ہار بنا دیا۔ مجھ کو یقین ہے کہ میر انیس مرحوم نے اس اعتراض پر مطلق اعتنا نہین کی۔ کچھ مثالین میر صاحب کے کلام سے لکھی جاتی ہین، جس کو اس سے زیادہ دیکھنا ہو وہ اُن کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام پر نظر ڈالے، اگر یہ کہا جائے کہ یہ مرثیے اس اعتراض سے پہلے کے ہین تو اسکا جواب یہ ہے کہ ایسا تو تھا نہین کہ ادھر میر صاحب کوئی مرثیہ پڑھے، اُدھر ویسرائے بہادر یا مہاتما گاندھی کی تقریر کی طرح وہ چھپ گیا، جب حقیقت حال یہ ہے تو پھر میر صاحب نے بعد مین اصلاح کیون نہ کرلی۔

عطف اور اعلان نون :-

لاشہ پہ لاشہ ڈال دیا ایک آن میں ۔ اک تہلکہ سا پڑ گیا کون و مکان مین

بند ۴۵ مطلع " جب جان نثار سبط پیمبر ہوے شہید " (جلد چارم میرانیس صفحہ ۶۱)

اضافت فارسی اور اعلان نون:۔

تو شاہد مضمون پس پردہ نہان ہو ۔

بند ۳ مطلع " کیا پیش خدا صاحب توقیر ہے زہرا " (جلد سوم میرانیس صفحہ ۴۳)

خندق مین جو ے خون انھین ہاتھون سے بہی

بند ۴۱ مطلع " رطب اللسان ہون مدح شہ خاص و عام مین " (جلد سوم میرانیس صفحہ ۱۵۲)

(معاصرین غالب)

یہ رو ے پھوٹ پھوٹ کے نکھون کے آبلے ۔ نالہ سا ایک سے بیابان بہ گیا

نفس بے قدر کو تھوڑی سی قدرت ہو اگر ۔ دیکھیے سامان پھر اس فرعون بے سامان کا

(دیوان ذوق صفحہ ۶)

زلفون سے تمھاری ہون پریشان زیادہ ۔ دیکھو مری اس حال پریشان مین صورت

(بہادر شاہ ظفر رحمۃ اللہ مرقدہ)

فردوسی ایک خارجان بیان تھا ۔ گلریز میرے دم سے ہوئی داستان تیغ

(کلیات مومن صفحہ ۲۳)

میر و سودا کے یہان سے بھی صرف ایک ایک مثال دیجاتی ہے۔

زنبور خانہ چھاتی غم دوری سے ہوئی ۔ نے ہم تلک نہ آئے کبھی کسر شان سے

(کلیات میر صفحہ ۲۰۴)

روشن ہو وہ ہر ایک ستارہ مین زلیخا ۔ جس نور کو تو نے مہ کنعان مین دیکھا

(کلیات سودا صفحہ ۱۲۲)

بازیچۂ جہان کو شطرنج ہی سمجھ　　　خالی ہین کوئی دم مین وُ لاگھر بھی ہوئے

(کلیات ناسخ صفحہ ۱۹۰)

یہان یہ سوال کرنیکو جی چاہتا ہے کہ فاضل معترض اور قابل نقاد اِسی ترکیب "اُعلان نون" مین جو نون آخر کلمہ مین پڑتا ہے اُسے باعلان نون پڑھتا ہے یا کسی اور طرح ؟

اس اعتراض کے سلسلہ مین یہ بھی کہا گیا ہے کہ غالب نے اپنے ملفوظ یا مکتوب مین اسکے جواز کا فتوے نہین دیا۔

جواب :۔ مین سراپا حیرت ہون کہ آخر یہ کیا کہا جا رہا ہے۔ شاعر یا نثار جس لفظ کے استعمال مین آزاد نظر آئے وہی اس کا فتوےٰ جواز ہے۔ اُس سے بادشاہ وقت کی طرح کسی باضابطہ اعلان کی توقع نہین رکھی جاتی۔

جناب طباطبائی نے اپنی شرح مین ایک طولانی تقریر کے ضمن مین لکھا ہے کہ "دیوان ناسخ دلی پہونچ چکا تھا، پھر غالب وغیرہ نے زبان کے مسائل (مثلاً اعلان نون) مین حضرت ناسخ کے ان اُصولون پر کیون نہ عمل کیا" میرے نزدیک یہ تعجب قابل تعجب ہے اِسلئے کہ اُس زمانہ مین دلی غالب، مومن، ذوق، ظفر، آزردہ شیفتہ وغیرہ پر ناز کر رہی تھی عجب نہین جو اُن کو یہی خیال ہوا ہو کہ ہم اُس شاہراہ پر جا رہے ہین جو طریقۂ راسخۂ شعرا ہے۔ جسپر خان آرزو سا باخبر محقق گام فرسائی کر چکا ہے۔ علاوہ برین ائمۂ فن اپنے ماموین کی اقتدا اور مجتہدین عصر اپنے مقلدین کی پیروی نہین کیا کرتے۔ خاصکر اُس صورت مین جب زبان کی وسعت خاک مین ملتی ہو اور یہ وہ حل ہے جو ان رہبران سخنوری کے طرز عمل سے سمجھ مین آتا ہے۔ بائے

پرسے، درسے، آسے ہے، جاسے ہے، ہم ہی، وہ ہی وغیرہ نہایت بے تکلفی سے بولا جاتا رہا۔ اسوقت اِن الفاظ کے متعلق کچھ کہنے کی فرصت نہین اور نہ یہ مضمون اسکا متحمل ہو سکتا ہے۔

اب تک اس مسئلہ کے متعلق مین نے جو کچھ لکھا اُسکی بنا حضرت طباطبائی کے اِس ارشاد پر تھی کہ مرکب اضافی و توصیفی مین اعلان نون نہ کرنا چاہیئے اسلیے کہ نحو فارسی مین جو نون مد کے بعد آخر کلمہ مین پڑے وہ غنہ پڑھا جاتا ہے اور اِسی بنا پر میر انیس مغفور کا یہ مصرعہ " مسکن چھپا ہمارے سعادت نشان سے " اور مرزا غالب کے یہ مصرعے (۱) فرمانروائے کشور ہندوستان ہے۔ (۲) شرع و آئین پر مدار سہی۔ قابل اعتراض ہین۔

اب مین اسکے جواب مین اپنی ناچیز تحقیق اہل نظر کے فیصلہ کے لیے پیش کرتا ہون۔ مین جہان تک جانتا ہون نحو فارسی مین ایسا کوئی مسئلہ ہی نہین ہندیون اور ایرانیون کے تلفظ مین جہان بہت سے فرق ہین وہان نون کے تلفظ مین بھی ہے۔ ہندی " این " بنون غنہ بولتے ہین، ایرانی " اِن " باعلان نون بولتے ہین اور این لکھتے ہین۔ ہندی " چون " بنون غنہ بولتے ہین ایرانی " چُن " بولتے ہین اور چون لکھتے ہین۔ ہندی " چنان " بنون غنہ بولتے ہین ایرانی " چُنن " بولتے ہین اور چنان لکھتے ہین۔ مختصر یہ کہ اہل ولایت ہمیشہ ایسے نون کو ظاہر کرتے ہین مثلاً اِن اشعار مین ؎

در بزمِ جمال تو بہ ہنگام تماشا نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

وہ جنبیدن مژگان کا تلفظ نون غنہ کے ساتھ نہ کرین گے بلکہ جنبیدن مژگن بولینگے

اُن کے یہان ایسی حالت مین آفت آتی ہے الف پر۔ اور مرگن ہو جاتا ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو حضرت طباطبائی کا ارشاد متذکرہ صدر صرف انھین کے ماننے کی بات ہے یہ نحو فارسی کی تبعیت نہین اللہ جانے کیا ہے۔ اضافت و عطف کی حالت مین نون کو غنہ پڑھنا اساتذہ دہلی کا اجتہاد ہے۔ مین اپنے کلام کی توثیق کے لیے آغا سید محمد علی صاحب ایرانی پروفیسر نظام کالج حیدر آباد دکن کی ایک عبارت نقل کئے دیتا ہون۔

"ما نون آخر کلمہ را ظاہر میکنیم و ہندیان اغلب نون ہائے آخر را غنہ میکنند مثلاً ما می گوئیم جانِ ایشان میگویند جان بنون غنہ ہمچنین لفظ خان را خان بنون غنہ می گویند" (از فارسی جدید آقا محمد علی)

حضرت ناسخ مرحوم نے حالت اضافت فارسی مین نون کو نون غنہ کر دینا باتباع اساتذہ دہلی جائز رکھا اور اعلان نون کو بخلاف اساتذہ دہلی ناجائز قرار دیا اور یہ نحو فارسی کی تبعیت سے کچھ تعلق نہین رکھتا۔ اساتذہ دہلی نے حالت عطف و اضافت فارسی مین نون آخر کلمہ کو غنہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ الف کا تلفظ بھی قائم رکھا جو ایرانیون کے تلفظ مین نہین جیسا آقا محمد علی صاحب ایرانی کے قول سے معلوم ہو چکا۔ حضرت ناسخ نے اساتذۂ دہلی کے اِسی مسلک کو اختیار کیا۔ اور یہ اساتذۂ دہلی کی پیروی ہے نہ کہ اساتذۂ ایران کی۔

دوسری صورت یعنی اعلان نون کو حضرت ناسخ یا اُن کے متبعین نے معیوب یا غیر صحیح قرار دیا یہ اُن کی راے ہے۔ اساتذۂ دہلی نے دو صورتین تجویز کی تھین۔ ایک صورت قائم رکھی گئی ایک چھوڑ دی گئی اسے بھی اجتہاد ناسخ سے کوئی تعلق نہین

نحو فارسی کی تبعیت نہ اعلان نون مین ہے نہ غنہ مین۔

اعتراض (۲۶-۶) تم ہی۔ وہ ہی

غالب مرحوم فرماتے ہین:۔

ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوان میر بھی تھا

"اور آپ کی جانب سے شارح اس قدر توضیح کا بھی حق نہین رکھتا کہ ہم ہی سے ہمین زیادہ فصیح ہے"

جواب:۔ اب ہم ہی، تم ہی، وہ ہی لکھنؤ مین قریب متروک ہین اور دلی والے ابھی تک ان کو استعمال کرتے ہین مگر بہت کم۔ ہم ہی فصیح ہے اور ہمین افصح اور بس۔ مجھے اس باب مین جناب طباطبائی کا یہ قول پسند ہے۔

"ہم ہی اور تم ہی اور اِس ہی اور اِن ہی کی جگہ پر ہمین اور تمہین اور اِسی اور انھین اب محاورہ مین ہے اور یہ کلمات اپنی اصل سے تجاوز کر گئے ہین"۔ (شرح طباطبائی صفحہ ۳۶)

مین نے قول کے ساتھ (یہ) کی قید صرف اس لیے بڑھا دی کہ جناب ممدوح کے قول زمانہ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہین۔ مرزا کے زمانہ مین یہ الفاظ برابر بولے جاتے تھے مثلاً خود مرزا غالب فرماتے ہین۔

(۱) ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوان میر بھی تھا

(۲) تمہین کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

اِس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن کی نظر مین دو مین سے کوئی لفظ بھی قابل ترک نہ تھا۔ صرف اس لیے کہ وہ لوگ زبان کو سرکس کا اسٹیج (تنگ) نہین

بنانا چاہتے تھے۔ دلی مین حضرت داغ اور لکھنؤ مین شیخ ناسخ تک وہ ہی کا سراغ ملتا ہے ؎

ہر صبح وہ ہی صبح ہے ہر شام وہ ہی شام انسان پر ہے زور فقط انقلاب کا
(ناسخ)

وائے ناکامی کہ باندھا جسمین ہمنے خط شوق وہ ہی مرغ نامہ بر کا ٹوٹ کر شہپر گرا
(گلزار داغ صفحہ ۲۹)

اور وہ ہی کی وہی حالت ہے جو ہم ہی اور تم ہی کی۔

اعتراض (۲۷-۷) ہوجو

ہوجو کے متعلق کہا گیا ہے کہ کیا شارح اسکو ثقیل بھی نہ بتائے؟

جواب۔ اگر کوئی لفظ ثقیل ہے تو اُسے ثقیل کہنا عیب نہین مگر بات کرنیکا انداز بھی کوئی شے ہے یا نہین۔ آپ دیکھین کہ جناب طباطبائی کس لہجہ اور کن لفظون مین فرماتے ہین۔

"ہوجیو خود ہی واہیات لفظ ہے، مصنف مرحوم نے اس پر اور طرہ کیا کہ تخفیف کرکے ہوجو بنایا۔"

ہم ہوجیو کو صرف اس بناپر واہیات کہہ سکتے ہین کہ ہم آج کل اسے نہین سنتے اور بس۔ حضرت ناسخ فرماتے ہین؎

زنہار ہوجیو نہ دلا مبتلائے حرص ذلت بھی دوڑی آتی ہے ہمراہ قفائے حرص

جس طرح ہوجیے کا مخفف ہوجے ہے اُسی طرح ہوجیو کا ہوجو۔

تو بھی رونے کو بلا دل بھی ہمارا ہے بلا ہوجے اے ابر بیابان مین گریان یکجا
(غالب صفحہ ۵۰)

لیکن مجھے اِس لفظ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی اِس لیے کہ وہ غریب متروکات کے قبرستان مین سو رہا ہے۔ کسی بزرگ نے اِسی ہوجو (بواو مجہول) کو گر سلجھایا مگر مجھے یہ توجیہ پسند نہ آئی اسلیے کہ اگر یہی مفہوم ہوتا تو 'ہو اگر' اِس محل پر آسکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہو جو یہان دعائیہ کلمہ ہے۔

اعتراض (۸-۲۲)

حضرت غالب فرماتے ہین:۔

وہ شہنشاہ کے جسکے پئے تعمیر سرا — چشم جبریل ہوئی قالب خشتِ دیوار

شارح نے اِس گتھی کو یون سلجھایا ہے

"ڈھیلے جبریل کی آنکھون کے ہین خشت دیوار۔ تو گڑنے کا محل نہین"

جواب:۔ کاش معترض کی زبان جناب طباطبائی کو عطا ہوئی ہوتی معترض نے جناب شارح کا مفہوم تو ادا کر دیا مگر لہجہ بالکل بدل گیا۔ وہ کھنڈر بانی تھی یہ نا مہربانی ہے۔ وہ بھیانک رس تھا یہ سنگار (سرنگار) رس ہے۔ مین جناب طباطبائی کا قول نقل کیے دیتا ہون۔

"اِس شعر کی بندش مین نہایت خامی ہے کہ مطلب ہی گیا گزرا ہوا غرض یہ تھی کہ ڈھیلے جبریل کی آنکھون کے ہین خشت دیوار۔ موصول کو اگر (پئے) کا مضاف الیہ لو تو 'جسکے' پڑھو، اور اگر سرا کی اضافت لو تو جسکی پڑھنا چاہیے۔ اس قسم کی ترکیبین خاص اہل مکتب کی زبان ہے۔ شعرا کو اس سے احتراز واجب ہے"

جواب:۔ اُس عہد مین ایسی ترکیبین عام تھین مرزا کے معاصرین مومن و ذوق

وغیرہ کے دیوان موجود ہین، اُن پر ایک نظر ڈالنا انکشاف حقیقت کے لیے کافی ہوگا، اور شعر کے مطلب کے متعلق یہ کہنا کہ گیا گزرا ہوا، وہ جناب شارح کی اصلاح سے گیا گزرا ہوا شارح نے مصنف کی جو غرض بیان کی ہے وہ صحیح نہین مرزا سے تو یہ نہ کہا جائیگا۔

"ڈھیلے جبریل کی آنکھون کے ہین خشت دیوار"

چشم جبریل کو قالب خشت کہنا ندرت کے قالب مین روح پھونکنا ہے مرتبہ عالی کی شان اس مین نکلتی ہے۔ مگر جب جناب شارح کی اصلاح پر نظر کیجاتی ہے تو کبھی میری آنکھون مین عہد آدم کے مکانات کی تصویر پھر جاتی ہے جب گھر ڈھیلون اور ناہموار پتھرون سے بنتا ہوگا، کبھی کوہ، وپانڈ رکا قلعہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اب یا رشاد ہو کہ یہ مح ہے یا قدح یہ بھی پوچھ لینے کو دل چاہتا ہے کہ جبریل کی آنکھون مین کے ڈھیلے ہونگے جنسے دیوار بنجائیگی، اور گھر بھی دنیاوی گھر ہوگا یا اس سے ایوان عزت و جلال مراد ہوگا چشم جبریل کو قالب خشت کہنا تو ایک بات بھی تھی اسلیے کہ سانچے سے ہزارون اینٹین نکل سکتی ہین۔ مگر جبریل کی آنکھون کے ڈھیلون سے جو دیوار بنے گی وہ غالباً ایسی ہوگی جیسا جنت مین ایک موتی کا محل۔

اعتراض (۲۹-۹)

"عمرو کا املا مرزا غالب کے دیوان مین الف سے ہے۔ مرزا غالب کے بارے مین یہ گمان کرنا کفر ہے کہ وہ اسکا املا نہ جانتے تھے۔ غالباً اُنھون نے غلط عام کی پیروی کی ہے، اس دیوان کے پروف خود مرزا نے دیکھے تھے تھے اگر شارح نے توضیح کر دی تو اُسپر یہ شبہہ نہ کرنا چاہیے کہ اوس نے غالب کا شمار جہلا مین کیا ہے۔"

جواب ۔ بڑے مزے کی بات ہے کہ اودھ پنچ کا فاضل مضمون نگار (وہ خود جناب طباطبائی ہوں یا مدیر اودھ پنچ یا کوئی اور بزرگ) تو یہ لکھتا ہے کہ غالب کے باب میں ایسا گمان کفر ہے اور جناب طباطبائی اپنی شرح کے صفحہ ۲۱۱ میں لکھتے ہیں ۔

"مصنف کو دھوکا ہوا کہ جس طرح قصہ فرضی ہے نام بھی بے اصل ہوگا

عمرو نہ سہی امر سہی ۔"

جسنے مرزا غالب کے رقعے دیکھے ہیں وہ جانتا ہے کہ مرزا نے اپنے احباب کو لکھا ہے کہ آج کل بوستان خیال ملگئی ہے جسے میرے بھانجے نے لکھا ہے اُس میں دل خوب بہل جاتا ہے ۔ جب یوں ہے تو مرزا کی نظر سے یہ نام کتنے بار گزرا ہوگا ۔ پھر دھوکا کھانے کے کیا معنے ۔ اگر بوستان خیال میں بھی یہی املا (امر) نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مرزا ہی کا تصرف ہے ۔ افسوس کہ یہ کتاب مجھے یہاں نہیں مل سکتی ۔ مجھے اس باب میں معظلمی جناب حسرت موہانی کی توجیہ پسند آئی وہ اپنی شرح میں لکھتے ہیں :۔

" غالب نے عمرو کے بجائے امر شاید بلحاظ ادب لکھا ہے یعنے اس خیال سے کہ عمرو عیار جو ایک فرضی نام ہے اُس میں اور حضرت عمرو بن اُمیہ صحابی کے نام میں خلط ملط نہ ہوجائے ۔"

اعتراض (۳۰ - ۱۱) میں جناب حالی مرحوم کی اس رائے کا ذکر ہے ۔

" غالب کے دیوان میں کچھ ایسے شعر رہ گئے کہ اگر نکل جاتے تو بہت اچھا ہوتا اور اگر یہ رائے بعد از وقت نہوتی اور غالب کو اُسپر عمل کرنیکا موقع ملتا تو غالب کا دیوان بے مثل و بےنظیر ہوتا ۔"

جواب ۔ میری نظر مین جناب عالی کی عزت بہت ہے مگر مین مرزا کے مقابلے مین اُنکا اتنا ہی احترام کرتا ہون جتنا علامۂ روزگار اُستاد کے مقابلہ مین ایک عالم شاگرد کا ہونا چاہیئے۔ دیکھنے کی بات ہے کہ جب مرزا کے کچھ اشعار حضرت طباطبائی ایسے نقاد اور محقق کے بس کے نہین تو پھر حالی تو حالی ہی تھے۔

اب مین ادبار الشعرا اور حضرت طباطبائی کے ایک دعوے کی حقیقت ظاہر کرکے مضمون کو ختم کرتا ہون۔

اعتراض (۳۱-۱۲) محاورہ مین تصرف

مین نے 'داد کو پہونچنا' لکھا تھا۔ اُسپر ایک طولانی تقریر فرمائی گئی جسے مین اعتراض نمبر ۱۲ مین لکھ کر شافی جواب دے چکا ہون، اُسی تقریر مین یہ دعوی بھی کیا گیا تھا کہ قدیم محاورات مین کوئی تغیر جائز نہین۔ محاورہ کبھی نہین بدلتا۔ اب مین کچھ اشعار لکھتا ہون، جنسے اہل نظر خود فیصلہ فرمالینگے کہ یہ دعوی کہان تک قبول کرنے کے قابل ہے، اتنا اور عرض کردون کہ مین کسی کی ایسی رائے ماننے کے لئے تیار نہین جو مسلم الثبوت اُستادون کے عمل عام و متواتر کے خلاف ہو میرے نزدیک محاورہ مین تصرف و تغیر بھی ہوا اور وہ اپنی اصلی صورت پر بھی قائم رہے (ورنہ متروکات کی فہرست مین آجاتے) کبھی محاورہ کے الفاظ مین تغیر ہوا، کبھی اُن کا ترجمہ کرلیا گیا، کبھی کچھ ہوا کبھی کچھ اور ہم بنے والے سمجھتے رہے کہ چلو اچھا ہوا پہلے محاورہ کی ایک صورت تھی اب ڈیڑھ یا کئی ہوگئین اور وسعت زبان کے لیے نئے باب کھل گئے۔ ہان یہ ضرور ہے کہ محاورہ مین تصرف کا حق ہر کس و ناکس کو نہین دیا گیا، اسلیے کہ ایسے تصرف سے زبان کے بگڑنے کا ظن غالب تھا

اور کسی معقول اضافہ کی اُمید نہ تھی۔ تلوار کا کھیت محاورہ ہے مگر حضرت ناسخ فرماتے ہین

جو ستمگر ہین کبھی وہ پھولتے پھلتے نہین — سبز ہوتے کھیت دیکھا ہی کہین شمشیر کا

(ناسخ آب حیات صفحہ ۴۰۰)

کنوئین (کوے) کا پانی ٹوٹنا محاورہ ہے مگر حضرت ناسخ فرماتے ہین۔

سفلہ ہو جاتا ہے وقت امتحان بے آبرو — ہے دلیل اس ادعا پر ٹوٹ جانا چاہ کا

(ناسخ آب حیات)

جان کے لالے پڑنا محاورہ ہے، مگر

تجھ سے اے رشک چمن نرگس اگر بیمار ہے — باغ مین لالے کو اپنی زیست کے لالے ہوئے

(ناسخ آب حیات)

شبیہ کھینچنا محاورہ ہے مگر

تیغ ابروے صنم کی جو لگے لکھنے شبیہ — ہو گئے صاف قلم مانی و بہزاد کے ہاتھ

(ناسخ آب حیات)

کھینچتا تھا وہ بہت قامت جانان کی شبیہ — حال آخر کو کیا دار نے کیا مانی کا

(ناسخ آب حیات)

تلوار کرنا محاورہ ہے

وردِ زبان ہین اس نگہ سرمگین کے وصف — تلوار کر رہے ہین صفاہانیون مین ہم

(کلیات مومن صفحہ ۱۱۹)

مگر میر انیس یون فرماتے ہین ۔ع " مین مر جاتا ہون للہ نہ شمشیر کرو"

(میر انیس مرحوم جلد سوم بند ۵۶ ۔ مطلع ۔ غل ہے امداد مین کہ زینب کے پسر آتے ہین)

بات اُٹھنا اور اُٹھانا محاورہ ہے ؎

بات جن نازک مزاجوں سے نہ اُٹھتی تھی کبھی
بوجھ اُنسے سیکڑوں من خاک کا کیونکر اُٹھا

(ناسخ)

نہ کسی کو کڑی کہی ہمنے
نہ کسی کی کڑی اُٹھائی بات

(آتش)

اسکی دوسری صورت -

اب تو سخن تلخ اُٹھائے نہین جاتے

(بند ۶۱ - مطلع ، کیا عشق تھا ہمشیر شاہ شہدا کو - صفحہ ۲ جلد ۴ انیس)

پتھر چٹانا محاورہ ہے مگر انیس مرحوم فرماتے ہین

یہ کہکے سر ہی کو چٹاتا تھا کوئی سنگ

(جلد سوم - میر انیس)

بھور یا تڑکا ہوجانا محاورہ ہے مگر جناب ذوق فرماتے ہین

مقابل اُس رخ روشن کے شمع گر ہوجا
صبا وہ دھول لگائے کہ پھر سحر ہوجا

(ذوق)

چراغ لیکے ڈھونڈھنا محاورہ ہے مگر

مجھ سا مشتاق جمال ایک نہ پاؤگے کہین
لاکھ ڈھونڈھوگے چراغ رخ زیبا لیکر

(ذوق)

بجلی ٹوٹنا محاورہ ہے مگر خواجہ آتش علیہ الرحمہ فرماتے ہین

جلوۂ یار سے داغ دل بیتاب ہون دور
کشت پر یاس کی برق شرر افگن ٹوٹے

بھیک کا ٹھیکرا محاورہ ہے مگر

آنکھیں نہیں ہیں چہرہ پہ تیرے فقیر کے
وہ ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کیلیے

(آتش)

پاؤن سو جانا محاورہ ہے مگر

اٹھی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یان پاؤن جاگتے ہین کوئی جاگے خواب مین

(مومن)

گڑے مردے اکھاڑنا محاورہ ہے مگر

سودا کے ہوتے وامق و مجنون کا ذکر کیا
ظالم عبث اکھاڑے ہو مردے گڑے گڑے

(سودا)

ابر قبلہ محاورہ مین ہے مگر

ابر اٹھا تھا کعبہ سے اور جھوم پڑا میخانہ پر
بادہ کشون کا جھرمٹ ہیگا شیشے پر پیمانہ پر

(میر۔ آب حیات آزاد صفحہ ۲۱۴)

سر سے پانی اونچا ہو جانا یا سر سے پانی گزر جانا محاورہ ہے

جو وقت گزر جائے پانی سے سر (انیس)

اسکی تیسری صورت یہ ہے

اب کیا علاج فرق سے پانی گزر گیا

(بند یکم۔ صفحہ ۲۰۰۔ از واقعات انیس۔ مطلع۔ وا حسرتا کہ عہد جوانی گزر گیا)

یہ ہزارون مین سے چند مثالین لکھی گئی ہین۔ جسے زیادہ تحقیق مدنظر ہو وہ کلام اساتذہ پر نظر ڈالے، حقیقت اسپر منکشف ہو جائیگی۔

اور صرف یہی نہیں، محاورہ پر قیاس کرکے بھی محاورے بنا لیے جاتے ہیں۔
میں اپنے اس قول کی شہادت میں جناب طباطبائی سا گواہ پیش کرتا ہوں جس پر فاضل معترض کو اعتبار سا اعتبار ہے وہ جناب مرزا غالب کی اس شعر کی شرح میں ؎

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

فرماتے ہیں:-

"ظاہر ہے کہ آفت کوئی چیز نہیں جسکا ٹکڑا بھی ہو۔ مگر محاورہ میں قیاس کو دخل نہیں اسی طرح پری کا ٹکڑا، حور کا ٹکڑا بھی محاورہ ہے، چاند کا ٹکڑا البتہ معنے رکھتا ہے، اسکے بعد پری کا ٹکڑا اور حور کا ٹکڑا اور آفت کا ٹکڑا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی قیاس پر کہنے لگے۔ اور اب سب صحیح ہیں۔"

اگر حضرت طباطبائی کا یہ فتوے کہ محاورہ میں تصرف روا نہیں، قبول کرلیا جائے تو دنیا اس فیصلہ کو نظر استحسان سے نہیں دیکھ سکتی۔ اسلیے کہ پھر ساتذہ کے اشعار کا بہت کم حصہ باقی رہ جائے گا، باقی غلط اور بے محاورہ قرار پاکر پھونک دینے کے قابل ٹھہرے گا اور رجال سخن تنگ ہو جائے گی ؎

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

التماس

مکدر گر نہ گردی با تو گویم — کہ با مشت غبار من چہ کردی
اے میرے نازک مزاج معترض! تیرا منہ پاؤں تو کچھ اپنی بیتی

سناؤں۔ بیخود ناشاد معترض نہین مجیب ہے اُسپر اتنا عتاب کیسا۔ اُس سے اتنی برہمی کیون، تو حُسن خطاب مین کوشش کر چکا، مین جواب مین کاوش کر چکا۔ جی چاہتا تھا کہ تو اپنے دل سے اِنصاف کرتا اور دنیا کو تیری دیدہ درائی پر انگشت بدندان ہونیکا موقع نہ ملتا، مگر خبر نہین کہ تو کیا چاہتا ہے مجھے سال بھر مین یہی دو مہینے (مئی جون) ملتے ہین اگر یہ زمانہ بھی کاوشون مین گزرا تو پھر تو ہی بتا دے کہ سال آیندہ کی بیداد کے تحمل کی کوئی صورت ہے، اب کے تعطیل کا زمانہ تیری بالک ہٹ کی نذر ہو گیا، کہنے والے کہتے ہین کہ اعتراض کرنا کیا مشکل ہے، مگر مین ایسا نہین سمجھتا، میرا اعتقاد یہ ہے کہ اگر اعتراض حقیقی معنی مین اعتراض ہو تو معترض کو اُتنی ہی عرق ریزی اور اُتنی ہی موشگافی کرنی ہوگی جتنی مجیب کو، اعتراض کا حُسن یہ ہے کہ صحیح ہو، اعتراض کی شان یہ ہے کہ دُنیا ایک طرف ہو جائے تو بھی نہ اُٹھے، اللہ جانتا ہے کہ مین نے بڑے صبر سے کام لیا نئے نئے داغ کی سوزش کلیجا پھونکے دیتی تھی، موسم کی گرمی خاک کئے دیتی تھی اور مین یہ شعر پڑھتا جاتا تھا اور جواب لکھتا جاتا تھا ؎

بسملون سے بھی ناز اُٹھوائے ہائے انداز میرے قاتل کے

اور لکھتا اس نظر سے تھا کہ تو میری خاموشی کو جواب سمجھ کر حیا کی آگ مین نہ جلے میرے احباب آزردہ نہون، دشمنون کو بیجا طعن کرنیکا موقع نہ ملے، ورنہ اس ارنی کا جواب لن ترانی تھا۔ مجھے قسم ہے سچ بتانا کوئی اعتراض بھی اس قابل تھا کہ اُسپر توجہ کیجاتی۔ دیکھ بیگناہ خاک نشینون کو نہین ستاتے، مین تجھ سے کہتا ہون اور سچ کہتا ہون ؎

مارا خیال جنگ و سرکار زار نیست
ورنہ دل دو نیم کم از ذوالفقار نیست

ناچیز محمد احمد بیخود موہانی

سرمایۂ تحقیق

آرگس حجاب بجواب غالب بے نقاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار
چیزے فزون کند کہ تماشا بما رسید

دنیا! ہنگامہ پرست دنیا، دنیا امارہ پرست دنیا، تو ہمیشہ کا فرماجرائیون کا طلسم نظر آئی، خندۂ اُمت گریۂ نوح کا ہم آہنگ ٹھہرا، تعلیم کلیم کے ہوتے گوسالہ پرستی نے فروغ پکڑا، شق القمر اور رجعت شمس کے مقابلہ مین سحر بابل کا چرچا ہوتا رہا، چراغ مصطفوی کے آگے شرار بولہبی نے سر اُٹھایا، وحی ربانی کے سامنے مسیلمہ کے لایعنے اقوال کا کلمہ پڑھا گیا، اور یہ سب ایک طرف قادر مطلق خدائے لاشریک کی موجودگی مین پتھر کی مورتون کو سجدہ کیا گیا۔ پھر آج جو ہو رہا ہے اس پر

حیرت کیسی اگر کچھ ذرہ ہائے زمین گیر حن کو پستی تحت الثری کیطرف کھینچ رہی ہے لفاظی کی آندھیون کے زور سے نقطۂ عروج آفتاب تک پہونچائے جارہے ہین تو حیرت کا محل نہین، اور اگر کچھ ستارہ ہائے فلک سیر کمند فریب کے بل پر اوج ثریا سے خاک نمناک کیطرف لائے جارہے ہین تو استعجاب کا مقام نہین، نہ وہ کوشش کامیاب ہے نہ یہ سعی مشکور، ہان عامۃ الناس کے گمراہ ہوجانے کا خوف زبان کو ساکت اور قلم کو گوشہ گیر نہین رہنے دیتا۔

مدیر نگار" کی رفتار ایک مدت سے قابل حیرت ہے، بعض مضمون نگاران نگار کا شعار لائق عبرت ہے، مدیر نگار نے ایسا شگوفہ چھوڑا ہے کہ تبسم اہل ذوق کے بون سے آشنا ہے، حق کو تقویم پارینہ سمجھنا اور سمجھانا مسلمات کو اقوال مردود سے باطل ٹھہرانا، سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر دکھانا ادارت کا معجزہ قرار پایا ہے، مختصر یہ حضرت نیاز فتحپوری کی اداؤن پر دل بے اختیار کہہ اٹھتا ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

آپ خاک نشینون کو ستاتے ہین، مگر جب ترکی بہ ترکی جواب ملتا ہے تو اسے شائع کرتے ہوئے گھبراتے ہین اور سکوت بے جا سے اپنے آپ کو مردہ صد سالہ کر دکھاتے ہین، اسپر بھی بے نیازی کے راگ کا سلسلہ نہین ٹوٹتا اور دانتون کی طرح اعلائے کلمۃ الحق کا دعویٰ دلیل بیزار اور زبان ادب ناآشنا کا ساتھ نہین چھوٹتا جب ہبوط پر اتر آتے ہین تو رقاصہ تو اپنا چھیڑ، تو اپنا راگ نہ چھیڑ، کی آہنگ ز ازوا دشمن صدائین سامعہ خراشی کرنے لگتی ہین، رقص عریان اور حسن عریان کی حجاب شکن

حیاسوز نوائیں صاعقہ پاشی کرنے لگتی ہین، جب صوئی ٹھانتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ کوئی پیغمبر اولوالعزم منبر ارشاد پر محو خطبہ خوانی ہے، جب کچھ اور بلند ہو جاتے ہین تو گمان ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) شاہد حقیقت سراپردۂ قدس سے سرگرم ترانی ہے اور اگر کبھی عروج حد کمال کو پہنچ گیا تو معلوم ہوگا کہ (عیاذاً باللہ) خدا سے اوہیت سلب ہوا چاہتی ہے قصہ کوتاہ ؎

ہر لحظہ بشکل آن بت عیار برآمد
ہر دم بہ لباس دگر آن یار برآمد

مدیر "نگار" کے وہ احباب جن کی آنکھوں پر کور سوادی یا محبت نے پردہ ڈال رکھا ہے وہ اس جلوۂ نیرنگ یا نیرنگ جلوہ پر سجدۂ حیرانی بجالاتے ہین اور اسے انکی ہمہ دانی، روشن خیال ہمہ رنگی اور خدا جانے کن کن نامون سے یاد فرماتے ہین اور نکتہ سنجان دقیقہ رس اسے طامات، ترہات وخرافات کہکر خاموش ہو جاتے ہین آپ کی تصانیف کے چہرے سے کچھ پردے مولانا نجیب اشرف صاحب ندوی نے اٹھائے ہین لیکن ابھی بہت سے حجاب باقی ہین جنکے اٹھ جانے کا وقت آیا ہی چاہتا ہے۔

ایک الجھن ہو ایک ہنگامہ ہے، کل خبر آئی کہ حضرت یوسف کے سر سے تاج زیبائی اتار لیا گیا آج غلغلہ اٹھا کہ عیسی مریم کی خلقت مین جو ابوالبشر (حضرت آدم) کی آفرینش کا اچٹتا ہوا جلوہ دکھایا گیا تھا، وہ جلوۂ سراب کی طرح بے بود و بے نمود تھا۔

لیکن آثار بتلاتے ہین کہ غیرت الٰہی کے جوش مین آنے کا وقت آگیا یا آیا ہی

چاہتا ہے، اصحاب کہف کی نیند سونے والے جاگتے جاتے ہیں، اور وہ دن دور نہیں کہ حضرت نیاز سراپا ناز بنجانے کے بعد ہمہ تن نیاز نظر آئیں، اور احباب ذرہ نواز کی دی ہوئی ولایت سلب ہو جائے، آپ نے ٹھان لی ہے کہ خدا نے جن سروں پر تاج کرامت رکھا ہے اُن کو برہنہ کر دیں، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے سروں کا کھلنا انتقام قدرت کی خبر دیتا ہے، اور انتقام قدرت خدا کی پناہ!

"نگار" کے مومن نمبر میں آپ نے اور آپ کے احباب نے خوب خوب زور قلم دکھایا ہے، انشاء اللہ اسکی تنقید کا وقت آئیگا اور جلد آئیگا۔

مومن اہل نظر کی نگاہ میں اُستاد ہیں مگر غالب و میر و سودا کے مقابلہ میں ایسے ہی بے فروغ ہیں جیسے ماہتاب کے مقابلہ میں تارا، کلیات مومن خود پکارتا ہے:ے

نخل بندم ولے نہ در بستان
شاہدم من ولے نہ در کنعان

خدا کرے آپ کو لکھنؤ کی آب و ہوا راس آئے، یہاں پہونچکر آپ کو حضرت آرگس کے ایسے (جیسے) ہمنوا مل گئے ہیں جو آپ کے ہر راگ میں آس دیتے رہتے ہیں اور ان بادشاہ وزیر نے ملکر کمال اہل کمال کیلیے ایسی آگ بھڑکائی ہے جیسی اب سے ہزارہا سال پہلے ایک برگزیدہ باری کے لیے بھڑکائی گئی تھی۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ دہکتے انگاروں کو مہکتے پھولوں سے بدل دینے والے کے ہاتھ ابھی شل نہیں ہوئے نار ہو کہ بہار اب بھی سب اُسی کے دست قدرت میں ہے "نگار" ماہ فروری ۱۹۲۸ء میں حضرت آرگس نے غالب بے نقاب اور انکے

الہامات شعری کے صحیح خط وخال کے دلاویز عنوان سے ایسا مضمون لکھ مارا ہے جس پر ذوق سلیم جہان تک آنسو بہائے روا ہے اور جسکے چلتے اہل کمال جب تک سوگوار رہین بجا ہے، اس مضمون مین اس امر کے ثابت کرنے کی نامقبول کوشش کیگئی ہے کہ غالب کے اکثر ملہمات مستعار ہین اور اس بحر ناپیدا کنار کے اکثر موتی حاصل دریوزہ گری ہین، اس مضمون کے متعلق اسی فروری کے نگار مین تیسرے صفحہ پر جناب نیاز یون گل افشانی فرماتے ہین :-

"غالب بے نقاب" وہی موعودہ مضمون ہے جس کا ذکر جنوری کے سالہ مین کیا گیا تھا، یہ مقالہ بھی جناب قبلہ آرگس کا ہے جو اس سے قبل حافظ اور ابن یمین کے متعلق آتش افشانی کر کے اپنے کو بجا اور مجھے بالکل بیجا طور پر زمانہ کا نشانۂ ملامت بنا چکے مین، مانا کہ جناب آرگس آرگس ہی کی طرح ہزار چشم سہی، لیکن یہ کیا تماشا ہے کہ ان کی ہزار آنکھون مین سے ایک نگاہ بھی صلح جو نہین نکلتی" اس مین کلام نہین کہ انھون نے اس مضمون مین اپنا بہت کچھ سرمایہ تحقیق سامنے رکھدیا، اور یہ بھی صحیح ہے کہ غالب کے بہت سے اشعار ایسے ہین جو اساتذۂ قدیم کے خیالات سے متاثر ہونیکے بعد لکھے ہوے معلوم ہوتے ہین مگر یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ غالب باوجود اس کشف حجاب کے بھی غالب ہے اور اسکے شاعرانہ ابداعات اپنی جگہ بالکل عنصر غیر فانی کی حقیقت رکھتے ہین، مجھے اکثر جگہ جناب آرگس سے اختلاف ہے اگر یہ بحث لطیف چھڑ گئی تو اس وقت تفصیل کے ساتھ عرض کرونگا، لیکن مجھے ڈر ہے کہ بعض حضرات اس مضمون کو بھی حافظ

اور ابن مبتین کے مضمون کی طرح میری ہی طرف منسوب نہ کر دین۔"
اتنی سی عبارت مین جو یگانۂ عصر معنی ادب لطیف (حضرت نیاز کے زور قلم کا نتیجہ ہے
مجھے اٹھارہ مقامون کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔
(۱) جناب آرگس صاحب قبلہ کی جگہ جناب قبلہ آرگس فرمانے سے کونسی لطافت
پیدا ہو گئی، کیا سین اور صاد کے قریب المخرج ہونے کی وجہ سے احتراز فرمایا گیا۔
اگر ایسا ہے تو محل پر نظر کرنی ضرور تھی، یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے کوئی نجف اشرف
کی جگہ نجف معلے کہے۔
(۲) حافظ و ابن مبین والے مضمون مین آرگس بجا طور پر ملامت خلق کا نشانہ کیون
ہین اگر وہ مضمون قابل ملامت ہے تو جناب نے اپنے فرائض کے انجام دینے مین
کوتاہی کی اور اگر ایسا نہ تھا تو کوئی ہدف تیر ملامت نہین ہوا۔
(۳) نشانۂ ملامت کے ساتھ زمانہ کا، لکھنا کیا ضرور تھا، حشویات نہ ضروریات
سے ہین نہ مستحسنات سے۔
(۴) مانا کہ جناب آرگس آرگس ہی کی طرح ہزار چشم سہی، اس مین مانا اور سہی
کا ساتھ صحیح نہین، دونون لفظ ایک ہی معنی دیتے ہین۔
(۵) پہلا آرگس بھی زائد ہے یہان ضمیر کافی تھی۔
(۶) آرگس ہی کی، یہ ہی کی آواز سامعہ خراش ہے۔
(۷) جناب آرگس کی نگاہ صلح جو نہین تو مضائقہ نہین کاش کج بین و کج نما ہوتی
(۸) "اُنھون نے" جہان انھون نے لکھا گیا ہے وہان "اُن کے لیے" لکھنا
زیادہ مناسب تھا۔

(۹) خدا جانے اگر غالب کے بہت سے اشعار اساتذہ قدیم کے خیالات سے متاثر ہونیکے بعد لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں تو یہ کونسی نئی یا بُری بات ہے، بڑے لکھوں کی تقریر تحریر میں متقدمین و متاخرین کی تصانیف کا اثر ہوا ہی کرتا ہے، دیکھنا تو یہ تھا کہ مرزا نے خیالات کو نازک سے نازک تر اور بلند سے بلند تر کر دیا یا نہیں۔

(۱۰) آپ کی یہ عبارت بھی نہایت دلکش ہے، اِس میں کلام نہیں کہ اُنھوں نے اس مضمون میں بہت کچھ اپنا سرمایہ تحقیق سامنے رکھدیا: یہ بہت کچھ کے بعد اپنا سرمایہ تحقیق بھی کس قدر لطیف واقع ہوا ہے۔

(۱۱) سرمایہ تحقیق سامنے رکھدیا ہے، یہ اُس سے بھی زیادہ خوبصورت ٹکڑا ہے

(۱۲) خبر نہیں کہ اس مضمون سے کونسا کشف حجاب ہوا، اسلیے کہ اس نے تو حضرت آرگس اور جناب کی کم سوادی اور خوش نیتی کا پردہ فاش کر دیا۔

(۱۳) "عنصر غیر فانی" کے ساتھ یہ "بالکل" کی تاکید بالکل غیر ضروری ہے۔

(۱۴) یہ عنصر غیر فانی کیا بلا ہے، اگر عناصر فانی ہیں تو سب کے سب فانی ہیں اور اگر صرف استحالہ قبول کرتے ہیں تو بھی سب کا ایک حال ہے۔

(۱۵) معلوم نہوا کہ اکثر جناب کی زبان پر زیادہ تر کے معنی میں ہے یا کمتر کے معنی میں جیسا عوام کے محاورہ میں ہے۔

(۱۶) آپ اس بحث کو بحث لطیف کہتے ہیں اور دُنیا آپ کا منہ دیکھتی ہے

(۱۷) خبر نہیں آپ اس مضمون کے اپنی طرف منسوب ہو جانے سے ڈرتے کیوں ہیں، خوف کی بات تو مضمون کی بے سروپائی ہے، اور آپ ایسے نقاد کا اُسے نگار سراپا نگار میں شائع کرنا۔

(۱۸) اور یہ حافظ و ابن مبین کے مضمون بھی، ادب لطیف میں قابل قدر اضافہ ہے، اگر اور عبارت آڑے نہ آتی تو یہ ٹکڑا معمّا بنکر رہ جاتا۔

ایک زمانہ گزرا کہ نور افشان نے مجھے اس مضمون کی طرف متوجہ کیا تھا اور میرے ہر بن مو سے لبیک کی آواز آتی تھی، مگر میں کچھ ایسے مصائب میں گرفتار تھا کہ اب سے پہلے قلم اُٹھانیکی نوبت نہ آئی۔

اگر حضرت نیاز اور اُن کے محرمان راز تنقید کرنا چاہتے ہین تو بسم اللہ چشم ما روشن دل ماشاد، مگر عوام کے گمراہ کرنے کی ضرورت کیا ہے، آخر زاویہ نشینوں کے ستانے اور موت کی نیند سونے والوں کے تڑپانے سے حاصل،

مجھ سے بعض حضرات نے بیان کیا تھا کہ نیرنگ (رامپور) مین حضرت سہا مجددی شارح دیوان غالب نے حضرت آرگس کے غالب بے نقاب کی دھجیان اڑادین مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی کہ چلو خدا نے اس واجب کفائی سے نجات دیدی، مگر جب اُس مضمون پر نظر پڑی تو بڑی مایوسی ہوئی، مگر چونکہ وہ مضمون نکل چکا تھا، اس لیے مجھے اس سے بھی بحث کرنی پڑی اور مینے جناب آرگس کا مضمون اور جناب سہا کا مضمون کا خلاصہ حرف بحرف نقل کردیا ہے، تاکہ نیرنگ و نگار کی ورق گردانی ضروری نہ ٹھہرے۔

جناب آرگس سے مجھے یہ کہنا ہے کہ غالب کی شان ارفع و اعلیٰ ہے آپ کی اُڑائی ہوئی خاک اُس کے دامن تک نہین پہونچ سکتی، اور ع

با کجکلهان ہر کہ در افتاد بر افتاد

اور جناب سُہا سے یہ التماس ہے کہ مرزا جہان حضرت آرگس کی تنقید سے بالاتر ہے، وہان جناب کی تائید سے بھی بے نیاز ہے ہ

پایہ بہت کیا بلند اُسنے حریم ناز کا — تا نہ پہنچ سکے غبار رہگذر نیاز کا

اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے آرگس کی شرح کردینا مناسب ہوگا۔

آرگس:۔ یونان کے علم الاصنام کے مطابق آرگس ایک دیوتا تھا جس کے تمام جسم پر آنکھیں تھیں جن میں سے کچھ ہر وقت کھلی رہتی تھیں۔ ہرمیز نے اُسے قتل کرڈالا اور اُس کی آنکھیں دُم طاوس میں منتقل کردیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اےخدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

جناب آرگس یوں اپنی کشتی تنقید کے طوفان خروشؔ سمندر میں ڈالتے ہیں،

ارشاد جناب آرگس

میرزا نوشہ غالب اپنے ایک قطعہ میں فرماتے ہیں

هزار معنی سرجوش خاص نطق من است — کز اہل ذوق دل و گوشے از عسل برد است
ز رفتگان بہ یکے گر توارد م رو داد — مدان کہ خوبی آرایش غزل بردا ست
مراست ننگ ولے فخر اوست کان سخن — بسعی فکر رسا جاودان محل برداست
مبر گمان توارد یقین شناس کہ دزد — متاع من ز نہانخانۂ ازل بردا ست

غالب کا مدعا یہ ہے کہ میرے شعر یا مضمون کا کسی سے توارد ہو جائے تو میرے لیے باعث ننگ ہے مگر اسکے واسطے فخر ہے پر وہ توارد نہیں ہے بلکہ یوں سمجھو کہ چور میرا متاع نہانخانہ ازل سے اُٹھالے گیا ہے،" مرزا نے خدا جانے یہ شعر کس عالم میں کہدیئے ہیں، ہم حیران

ہین کہ یہ ننگ غالب کیلیے اگر واقعی ننگ ہے تو اسکی کوئی انتہا بھی
ہے یا نہین اگر دوسرون کے واسطے وہ اصل فخر ہے تو اسکی حد و نہایت
کیا ہے، کوئی شک نہین کہ دیوان غالب کے چند صفحون مین معانی کا بڑا
زخار دریا موجزن ہے، مگر تعجب کی کوئی انتہا نہین رہتی، جب دیکھنے والا
دیکھتا ہے کہ اس دریا کے اکثر چشمے مستعار اور اس بحر ناپیدا کنار کے
بہت سے موتی حاصل دریوزہ گری ہین۔

دیوان غالب اگر بقول ڈاکٹر بجنوری مرحوم ہندوستان کی الہامی اور
مقدس کتاب ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ بعض الہامی کتابون کے الہامات
بھی مستعار ہوا کرتے ہین، یہ دیکھ کر کہ غالب کے یہان بہت سے مضامین ایسے
ہین جو دوسرون کے یہان سے لئے گئے ہین، ایک مبصر کی سب سے پہلی
نظر سرقہ اور توارد کی بحث پر جاتی ہے اسلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے
اصولی نگاہ ان پر ڈالی جائے،

توارد کہتے ہین دو شاعرون کے یہان اتفاقیہ ایک ہی مضمون کا
بلا ارادہ لفظ بہ لفظ یا بہت تھوڑے تغیر کے ساتھ بندھ جانا، مگر یاد رکھنا
چاہیے کہ توارد ہمیشہ مشہور و معروف یا بالکل سطحی مضامین مین ہوا کرتا ہے
باوجود تلاش بھی کوئی ایسا مضمون نہ ملے گا جو دو شاعرون کے یہان
متوارد ہوا ہو اور معروف و مشہور نہو۔

التماس سخن دہانی غالب کے چار شعر جن پر ایوان ملامت کی بنیاد رکھی گئی ہے وہی
آیۂ فخر غالب ہین اور بلا تشبیہ فاتوا بسورة من مثلہ کے

ہم آہنگ غالب نے قطعے کے پہلے مصرع میں دعوی کیا ہے کہ ہزار ہا مضامین سروش میرے نطق کے پاے نام ہین، یہ دعوی اس قطعہ سے بھی ثابت ہے مرزا نے پہلی بات تو یہ پیدا کی ہے کہ جس سے توارُد ہو وہ جتنا فخر کرے بجا ہے، اسلیے کہ وہ بھی اُس مقام رفیع تک پہونچ سکا، جہان میری فکر رسا پہونچی، دوسرا ہوتا تو اتنی ہی کہہ کر اتراتا کہ میرے لیے یہی کیا کم ہے کہ مین بھی وہان پر مار سکا۔ جہان خاقانی و عرفی سا بلند پرواز، آخری شعر تو ایسا کہدیا ہے، کہ ندرت خیال سجدہ سے سر نہین اُٹھاتی، بذلہ سنجی، بلاگردانی کرتی ہے اور کہ نہین جھکتی، کہتا ہے کہ حریف میری متاع نہانخانۂ ازل ہی سے لیے اُڑا
مجھے ابوطالب کلیم ہمدانی ملک الشعراے پاے تخت جہانگیری کا قطعہ بھی یاد ہے جو توارُد کی معذرت مین کہا گیا ہے، اِن قطعون کا مقابلہ کیجیے تو کھلجاے کہ عوام تو عوام خواص بھی غالب کے ساتھ عنان درعنان چلتے ہوے نظر آتے ہین۔

کلیم ہمدانی

منم کلیم بطور بلندی ہمت — کہ استفادۂ معنی جز از خدا نہ کنم
بخوان فیض الٰہی چو دسترس دارم — نظر بکاسۂ دریوزۂ گدا نہ کنم
ولے علاج توارُد نمی توانم کرد — مگر کہ لب بسخن گفتن آشنا نہ کنم

کلیم نے اپنے تخلص سے فائدہ اُٹھا کر پہلے شعر مین چستی پیدا کر دی ہے اور دوسرے شعر کا دوسرا مصرع بھی شاندار کہا ہے، مگر تیسرا شعر شعر نہین مسمی ہے اور مختصر یہ ہے کہ (ع) چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا۔

جناب آرگس فرماتے ہین کہ مرزا کے ہان توارد ہے اور اسقدر ہے کہ اسکی کوئی انتہا نہین، سرقہ بھی اِس حد کا ہے کہ خدا کی پناہ۔ مجھے یہ قول نہایت دلکش

معلوم ہوا اسلیے کہ ایسا انداز تحریر اختیار کیا گیا ہے کہ دیکھنے والے کی نظر مین مرزا کی کچھ وقعت ہی نہ رہے، لیکن عجب تماشا ہے کہ حضرت آرگس نے مثال سرقہ و توارد مین مرزا کے ۱۴۵۶ اشعار مین سے صرف ۱۰ شعر پیش کیے ہین، کیا اکثریت کے یہی معنی ہین، مجھے کہنا تو بہت کچھ ہے مگر یہان صرف اتنا عرض کرونگا کہ سرقہ کا تو ذکر ہی بے محل ہے، اِن مین سے شاید سات شعر ایسے نکلین جن پر توارد کا اطلاق ہو سکے، اور مرزا نے یہ قطعہ ہجو اسی کی حالت مین کہا ہو یا حواسون کی حالت مین حق یہ ہے کہ حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

جناب آرگس فرماتے ہین:۔

"کیا الہامی کتابون کے بعض الہامات بھی مستعار ہوا کرتے ہین"

اِس ارشاد سے بھولے پن کی ادا نکلتی ہے، بندہ پرور حقائق بدلا نہین کرتے اور الہامی کتابون مین الہامات مستعار ہوتے ہین مگر الہامی کتابون سے ماوشما کی ہفوات سے نہین، اور الہامی کتابین تو خیر الہامی کتابین ہین، وحی ربانی بھی متوارد ہوتی ہے انجیل مقدس اور قرآن معظم کو پڑھیے تو وحی آسمانی بھی بعض مقامات پر متوارد نظر آئے گی خود قرآن مجید صحف ابراہیم و موسےٰ وغیرہ کے واقعات دہراتا ہے، اسکے سوا قرآن حکیم بھی اکثر احکام و واقعات کا اعادہ کرتا ہے۔

آگے بڑھ کر حضرت آرگس نے سرقہ کے متعلق اظہار خیال فرمایا ہے، مگر اختصار مفرط کے ساتھ اور اس بحث کا دار و مدار اسی پر ہے، اسلیے مین حدائق البلاغہ کے سرقات شعریہ کا مقام لکھے دیتا ہون، تاکہ ہر کس و ناکس بآسانی فیصلہ کر سکے۔

سرقاتِ شعریہ

اگرچہ متکلمین میں اغراض و مسلمات کے متعلق اتفاق واقع ہو، مثلاً اخلاق فاضلہ کی توصیف اور اخلاق ردیہ کی مذمت میں تو اسے سرقہ سے کوئی تعلق نہیں اسلیے کہ یہ امور ہر خاص و عام کی عقل و عادت میں راسخ ہو گئے ہیں اور فصیح و غیر فصیح سب اس میں شریک ہیں، ہاں اُن چیزوں میں سرقہ کو دخل ہو سکتا ہے جو ان اغراض کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، مثلاً تشبیہ استعارہ وغیرہ، لیکن بعض تشبیہیں اور استعارے انتہائے شہرت کی بنا پر سب کے عقول و عادات میں جاگزیں ہو چکے ہیں اور خود اغراض و مسلمات کا حکم پیدا کر لیا ہے، مثلاً مرد شجاع کی تشبیہ شیر سے۔ سرقہ کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) سرقۂ ظاہر (۲) سرقۂ غیر ظاہر

قسم اول سرقہ یہ ہے، کہ کسی کا شعر لفظ و معنی میں تغیر کیے بغیر بجنسہٖ لیلیں اسے انتحال و نسخ کہتے ہیں اور یہ سرقہ بہت مذموم و معیوب ہے، مثلاً خواجہ حافظ کی یہ غزل اوّل سے آخر تک سلمان ساوجی کے یہاں بغیر تغیر لفظی و معنوی ملتی ہے، ؎

زباغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب — زتاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب

صاحب حدائق کا قول،

"اس قسم کا سرقہ شعرائے صاحب قدرت بالارادہ اختیار نہیں کرتے۔"

قسم دوم۔ مضمون پورا پورا لے لیں اور تمام یا بعض الفاظ کے ہم معنی الفاظ لائیں

؎ میل خم ابروے توام پشت دوتا کرد — در شہر چو ماہ نوم انگشت نما کرد

بقی

بارِ غم عشق تو مرا پشت دو تا کرد — در شہر چو ماہ نوم انگشت نما کرد — خوشین

قسم سوم:۔ مضمون شعر تمام یا بعض الفاظ کے ساتھ لے لین اور ترتیب نظم بدل دین اسے اغارہ اور مسخ کہتے ہین ؎

سرو گفتم کہ ببالائے تو ماند لیکن — تو ہم کہ ازین شرم ببالا نگرم — خسرو

سرو گفتم قد ترا وز شرم — سر ببالائی تو ام کرد — جامی

شعر جامی بسبب اختصار بہتر ہے۔ اور اگر دوسرا شعر پہلے کو ترجیح ہوگی اور اگر دوسرا پہلے سے پست ہو تو مذموم ہو

چہارم۔ تمام مضمون لے لین اور لفظون کا نیا لباس پہنا دین، اس قسم مین بھی اگر شعر ثانی زیادہ معنے خیز ہے تو ممدوح و مقبول ہے، برابر ہے تو پہلے کو ترجیح ہے اور پست ہے تو مذموم و معیوب ہے۔

سَرقۂ غیر ظاہر

اس کی بھی کئی قسمین ہین۔

(۱) دونون اشعار کے مضمون مین تشابہ پایا جائے اور شاعر وہی ہے جو اخفائے تشابہ مین کوشش کرے

ترجمہ شعر جریر " ان لوگون کے عمامہ پوش ایسے ہین جیسے ان کے مقنعہ پوش (بودسے ہین) "

ترجمہ ابوطیب۔ " ان لوگون مین سے جس کے ہاتھ مین نیزہ ہے، وہ ایسے شخص کے مثل ہے جسکے ہاتھ مین رنگ حنا ہے (مآل ایک ہے) "

(۲) شعر ثانی کا مضمون عام تر ہو۔

شکایت از دل سنگین یار نتوان کرد　　　　کہ خویشتن زدہ ام آبگینہ بر سندان　سعدی

من خود گرہ بکار خود انداختم نہ تو　　　　زین پیش بامنت گرہے در جبین نبود　وحشی

(۳) دوسرا شعر پہلے کی ضد ہو ؎

اینکہ زد ناقۂ لیلیٰ دو سہ گامی بغلط　　　　آسمان تا چہ بلا بر سر مجنون آرد　اہلی

بغلط ہم نزدد بر سر مجنون لیلیٰ　　　　عاشق این بخت ندارد سخنے ساختہ ام　شفائی

(۴) مضمون شعر اول کے بعض حصوں کو لے لیں اور وہ چیزیں جن سے حسن کلام میں ترقی ہوتی ہے بڑھائیں ؎

کودک از سرخ و زرد بشکیبد　　　　مرد را سرخ و زرد نفریبد　سنائی

مرد از پے لعل و زر نپوید　　　　طفل است کہ سرخ و زرد جوید　خاقانی

قول فیصل از صاحب حدائق البلاغہ باتفاق جمہور

"سرقہ غیر ظاہر کی جن اقسام کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بلغا کے نزدیک مقبول ہیں اور ان پر سرقہ کا اطلاق روا نہیں"

علاوہ ازیں خود جناب آرگس فرماتے ہیں:-

"دراصل سرقہ وہی ہے کہ کسی کا خیال لے لیا جائے اور بغیر کسی ترقی کے اپنے یہاں باندھ لیا جائے"

صرف سرقۂ ظاہر کی پہلی قسم یعنی کسی کا شعر بغیر تغیر لفظی و معنوی لے لینا جائز ٹھہرا اور اسکے لئے بھی یہ فیصلہ ہے کہ شعرائے صاحب قدرت اسے بالارادہ اختیار نہیں کرتے مگر جائے حیرت ہے کہ جناب آرگس نے مرزائے مظلوم کے یہاں اپنے اس ارشاد کو فراموش کر دیا۔ اگر اسی کلیہ کو معیار قرار دیکر نظر انتقاد ڈالی جاتی تو ۱۰۰ شعر میں

سات شعر بھی حاصل دریوزہ گری نہ ٹھہرتے،

جناب آرگس اُسوقت اپنے باکمالون کو منانے کا بیڑا اُٹھا رہے ہین جب دنیا اپنے بے کمالون کے اُچھالنے مین ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جناب آرگس نے علامہ غلام علی آزاد بلگرامی اعلی اللہ مقامہ کے خزانہ عامرہ (تذکرہ سروآزاد) کو نصیب دشمنان کردیا مگر افسوس خود خالی ہاتھ ہے، آگے بڑھکر ملا فیروز اور ملا شیدا کی داستان دوہرائی حقیقۃً داستان پرلطف ہے مگر رونا اسکا ہے کہ مرزا غالب ملا شیدا کی طرح سرقہ کے سہارے جیتے ہون یا نہ جیتے ہون، جناب آرگس ملا فیروز کی طرح سخن فہم اور صاحب نظر ثابت نہ ہوسکے۔

یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ جناب آرگس غالب کے اشعار کو حد سرقہ مین نہین لانا چاہتے بلکہ ڈاکٹر بجنوری مرحوم پر غصہ آگیا ہے، اسلیے کہ جناب مغفور نے کہین مقدمہ دیوان غالب مین لکھدیا تھا کہ

"غالب کسی خیال کا اعادہ نہین کرتے"

لیکن آپکا دابِ تکلم آپ کی تکذیب کرتا ہے اور الحمد للہ کلام غالب خود آپ کی کوششون پر پانی پھیر دینے کے لیے کافی ہے

آپ یہ بھی فرماتے ہین

"مین جب دیوان غالب اردو کو دیکھتا ہون تو میری نگاہ اولین اسکو چار حصون مین منقسم کردیتی ہے۔

ایک جز وہ جو متقدمین ومتاخرین ومعاصرین غالب کے کلام سے ملجاتا ہے

دوسرا وہ جس مین خود غالب نے اعادہ اور تکرار مضامین سے کام لیا ہے۔

تیسرا وہ جس کو سُنکر سُخن وران کامل آسان کہنے کی فرمایش کرتے ہین۔

چوتھا وہ حصّہ جو صرف مرزا کے دماغ کا نتیجہ ہے۔ لیکن یہ حصہ بہت مختصر ہے"

اِس نگاہ اولین کے صدقے جایئے، اگر نگاہ آخرین ہوتی تو خدا جانے کیا قیامت ڈھاتی، حصہ اوّل کو نگاہ عامیانہ سے نہ دیکھیے اور جدت وندرت پر نظر ڈالیے تو مرزا کی جگر کاویوں کی داد دیتے اور اپنی بیراہ روی پر سر بگریبان ہوتے بن پڑے مگر آپ کی نظر مین تو۔

شمارِ سبحہ مرغوب بتِ مشکل پسند آیا ۔۔۔ تماشائے بیک کف بُردنِ صد دل پسند آیا

بگوشم این صدا از مقری تسبیح می آید ۔۔۔ کہ صد دل مضطرب گردد چو یک دل یاد آمی

دہر مین نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا ۔۔۔ ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

یاد وفا خود نبود در عالم ۔۔۔ یا مگر کس درین زمانہ نکرد

گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا ۔۔۔ گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

دل آسودۂ ما شورِ دریا در نظر دارد ۔۔۔ گہر دزدیدہ است اعجاز بان موج دریا را

وغیرہ سب ایک ہی ہین، انا للہ وانا الیہ راجون۔

کاش آپ یہ بتا دیتے کہ وہ حصّہ جس مین غالب نے اعادۂ مضامین کیا ہے اس مین کتنے شعر ہین اور تیسرا حصّہ جسے سُنکر سخنوران کامل آسان کہنے کی فرمایش کرتے ہین کیا وہ مرزا کی دماغ سوزیون کا نتیجہ نہیں ہے، میرے نزدیک وہ نتھیوں کے درس مین داخل کرنے کے قابل ہے چوتھا حصّہ جسے آپ خاص مرزا کا طبعزاد

بتاتے ہین، کاش آپ بتا دیتے اور بتا سکتے کہ وہ دیوان کا کون حصہ ہے۔
خاتمۂ تمہید مین ارشاد ہوا ہے
" مومن، ذوق، آتش، ناسخ تھوڑے سے تقدم وتاخر کو ملحوظ رکھتے ہوے غالب کے ہمعصر ہین۔
ان کے اور غالب کے متوارد خیالات مین شناخت نہین ہوسکتی کہ اصل مالک کون ہے، مگر یہ دعوی سراسر بے دلیل ہے کہ وہ سب غالب کی ملک ہین، یہ بھی ہوا ہے کہ متقدمین کے کسی جزو خاص سے غالب نے فائدہ اُٹھایا ہے مگر یہ استفادہ استحصال بالجبر سے زیادہ حیثیت نہین رکھتا، زبان عام اور محاورات خواص کی عدم پابندی، دلی اور لکھنؤ کی زنجیر تقلید سے آزادی کے باوجود بھی خزانہ ادب اردو کو مالامال کرتے اور دفتر شعر ہندی کو نگارخانۂ چین بنانے کا غالب کو ہمیشہ خیال رہا۔ اسی وجہ سے اُنھون نے دوسرون کے خیالات خوان یغما بنا کر آپ کے سامنے رکھدیے ہین،
بہر حال حقیقت جو بھی ہو ہم اپنی جستجو کی بنا پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہین کہ غالب کے اکثر ملہمات مستعار ہین "

التماس بخود ناشاد یہ ارشاد کہ معاصرین غالب مین ابداع مضمون کا سہرا کس کے سر ہے اور ان کا اصل مالک کون ہے اور یہ دعوی کہ سب کے مالک غالب ہین سراسر بے دلیل ہے " اُس وقت تک قابل اعتراض نہین جب تک کوئی دلیل قاطع قائم نہ کیجاے، لیکن اگر غالب نے متقدمین کے کسی جزو خاص سے فائدہ اُٹھایا تو وہ استحصال بالجبر کیون ہے، مولانا ذرا زبان عام اور

محاورات خواص کی شرح فرمادیجیے تو میر و سودا و درد کی زبان سے جواب دلوایا جائے
حقیقت یہ ہے کہ مرزا اساتذۂ قدیم دہلی کی طرح فارسی محاورون کا اردو مین ترجمہ
کرنا جائز جانتے تھے ابداع ترکیب کو اپنا حق سمجھتے تھے، اُس لفظ کا رکھنا واجب سمجھتے
تھے جس کو محل چاہے اور یہی منتہاے بلاغت ہے، مرزا کے یہان کسی ایسے لفظ کے
استعمال کو نگاہ اعتراض سے دیکھنا غلطی ہے جو اُن کے معاصرین کے کلام مین نظر آتا ہو
اب یہ کہنا کہ حضرت ذوق کے دیوان مین یہ لفظ نہین، جناب ظفر کے یہان نہین
ملتا، یہ کوئی جواب نہین، معاصرین ایک دوسرے کے مقلد نہین ہوا کرتے کسی کو
محاورہ کی چاشنی کا چسکا ہوتا ہے، کیسکو ابداع تراکیب کا، ہان یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ
اس عہد کے شعرا اور اہل قلم کی تحریرون مین اس لفظ خاص کا وجود ہے یا نہین آپنے
لکھنو والون کے خوش کرنے کے لیے غالب کے باب مین لکھنؤ کی تقلید سے آزادی کا
ذکر کیا ہے، مگر نکتہ سنجان لکھنؤ ایسے سادہ مزاج نہین کہ یہ فریب اُن پر چل جائے،
اُن کو خوب معلوم ہے کہ اُس زمانہ مین دلی والے کسی کی تقلید کا تو ذکر کیا ہے، اپنی تقلید
سے آزاد ہو جانے والے اور قلادۂ بیعت اُتار پھینکنے والے کو باغی سمجھتے تھے، دلی
کی سلطنت کے قلعہ معلے تک محدود ہو جانے، اور لکھنؤ کی حکومت کے برسر اقتدار ہونے
کی وجہ سے اساتذہ دہلی نے اگر کوئی بات اپنے مرتبہ سے گری ہوئی کی ہو یا دلی اور
چوکھگی دلی کی تباہی سے متاثر ہونے پر دلی مین خاک اڑنے کا ماتم کیا ہو، قابل اعتنا
نہین اور نہ کوئی صاحب دل اسے محل استدلال مین پیش کر سکتا ہے جہان آزردہ
مومن، ذوق اور غالب سے باکمال موجود ہون وہان ہے کیا نہین اور کیا ان لوگون
سے کسی غیر کے آستانہ پر سر جھکانے کی توقع رکھی جا سکتی تھی، غالب نے اساتذہ ایران اور ہند

سب کے خیالات کو خوانِ یغما بنا یا گیا ہے یا نہین، انشاء اللہ اس کا فیصلہ اسی مضمون مین ہو جائے گا، لیکن اگر چراغ سے چراغ جلانا بھی گناہ ہے تو مین دیکھونگا کہ کسی زبان کے پہلے شاعر کو چھوڑ کر آپ کسی اور شاعر کو پیش بھی فرما سکتے ہین۔

جناب آرگس کا خیال یہ ہے کہ غالب خزانہ اردو کو مالا مال کرنا چاہتے تھے مگر کس حالت مین جب کہ وہ زبان عام اور محاورۂ خاص کی پابندی نہ کرتے تھے اور صاف لفظون مین کر نہ سکتے تھے، پھر اسکے سوا اور ممکن ہی کیا تھا کہ دوسری زبانون کے خیالات خوان یغما بنا کر رکھ دیتے، اللہ اکبر اس سے زیادہ سنگدلی اور عداوت کیا ہوگی، کہا جاتا ہے کہ مرزا غالب نہ زبان پر قدرت رکھتے تھے نہ محاورہ پر، نہ مضمون آفرینی ان کے بس کی تھی، اب رہ کیا گیا، اس حالت مین غالب محض شعبدہ باز نظر آتے ہین۔

اب مین تمہید ختم کیا چاہتا ہون مگر اتنا اور کہہ لون کہ حضرت آرگس کو مرزا غالب محمد حسین آزاد، خواجہ حافظ سب کی خیانت، سب کا سرقہ نظر آیا مگر اپنی خوش فہمی پر شبہ کرنے کا موقع نہ ملا۔ آپ نے سرو آزاد، آزاد مغفور کے بعض مقامات کا بھی ذکر فرمایا، مگر علامہ بلگرامی نے سرقہ اور توارد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے غلط انداز نظر سے بھی نہ دیکھا اور دیکھا تو پھر خدا جانے کہ اس بے سروپا مضمون کے شائع فرمانے سے احتراز کیون نہ فرمایا۔

مین نواب صدیق حسن خان صاحب کے تذکرۂ شمع انجمن سے صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۵ کی عبارت کا خلاصہ لکھے دیتا ہون۔

علامۂ غلام علی آزاد سرو آزاد مین تحریر فرماتے ہین:۔

"سلیم نے صائب کے نام کی تصریح کی ہے مگر اہل نظر جانتے ہین کہ صائب صاحب قدرت اور اہلِ بضاعت ہے، کہین ہو سکتا ہے کہ متاع غیر پر نظر ڈالے"

علامۂ تفتازانی مطول مین فرماتے ہین:۔

"سرقہ کا حکم اُس وقت لگایا جا سکتا ہے، جب اِس امر کا یقین ہو کہ شعر ثانی شعر اوّل سے ماخوذ ہے اور جب اخذ کا علم نہ ہو تو یہ کہنا چاہیئے کہ فلان شاعر اس مضمون کو پہلے کہہ چکا ہے اور اس حسن تعبیر کا نتیجہ ہوگا کہ انسان فضیلت صدق سے محروم نہ رہے گا مدعی علم غیب ہوگا، دوسرے شخص کو نقص سے منسوب کرے گا۔ انتہی

اور اگر کوئی بہ نگاہ تفتیش دیکھے تو شاید ہی کسی شاعر کو توارد مضامین سے محفوظ پائے اسلیے کہ تمام معلومات پر حاوی ہونا خاصہ علم باری ہے، ہے یون کہ خامہ معنی نگار اندھیرے مین تیر مارتا ہے اُسے کیا خبر کہ اُس کا نشانہ کوئی مرغ آزاد ہے یا طائر پر بستہ"

جامی بہارستان مین سلمان ساوجی کے متعلق لکھتے ہین:۔

"وہ سلاست زبان ونزاکت معنی مین بے عدیل ہے اُس نے اساتذہ کے قصائد کا جواب لکھا ہے جن مین بعض قصیدے نقش اوّل سے بہتر بعض پست بعض مساوی ہین، وہ خود بڑا معنی آفرین ہے اور اکثر ہمعاصرین کے مضامین نظم کر گیا ہے مگر نقش اوّل سے نقش ثانی زیادہ دلکش ہو اسلیے طعن کا محل نہین ~

شاہد معنی کہ باشد جامۂ لفظش کہن　　　　نکتہ دانی گر حریر تازہ پوشاند خوش است

یہ قول بھی صحت سے دست وگریبان نہین کہ توارد ہمیشہ سطحی اور مشہور و معروف مضامین مین ہوا کرتا ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ؎

زباغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب　　　　زتاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب

بجائی دو چشمت چشم بلا نشستہ　　　　چو قبیلہ گرد لیلےٰ ہمہ جا نشستہ

اور وہ صدہا شعر جو اساتذہ مسلم الثبوت مین متوارد ہوئے ہین وہ سب مشہور و معروف یا سطحی مضامین کے گنجینہ دار ہین،

حضرت آزگس کے مضمون کا دوحرفی جواب

جسے اغراض و مسلمات (مبحث عنوان) اور مفہوم شعر مین امتیاز نہو جسے تشبیہ و استعارہ مشہور ضرب المثل و مثل اور مضمون شعر مین فرق نظر نہ آئے اسکا جواب خاموشی ہے مگر حضرت آزگس کے مضمون سے جن لوگون کی گمراہی یقینی ہے اُن کے لیے ایسا مختصر جواب کافی نہین اسلیے ہر ایک بات کا سادہ سادہ جواب دینا ضروری ہے۔

اب مین جناب آزگس اور جناب سُہا کے مضمونون کو تنقید کی کسوٹی پر کستا ہون۔

مرزا غالب

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا　　　　درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

مولانائے روم

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما

ملا ظہوری

شد طبیب با محبت منتش برجان ما　　　　محنت ما راحت ما درد ما درمان ما

ارشاد جناب آرگس،۔

"ظہوری اس خیال کو اس طرح ادا کر چکا تھا مضمون اور طرزادا دونوں ایک ہیں اس مضمون کو مولانائے روم نے یوں ادا کیا ہے"۔

التماس بیخود موہانی: حضرت آرگس نے سرقہ کے متعلق جمہور کا وہ قول فیصل فراموش کر دیا جسے خود بھی تسلیم کیا تھا۔ اور جسے مرزا غالب کا بھی مسلک بتایا تھا۔ آپکے انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہوری نے ملائے روم سے اور غالب نے ظہوری سے سرقہ کیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ مولانائے روم نے عشق کا خیر مقدم کیا ہے اور اُسے تمام بیماریوں کا معالج قرار دیا ہے۔ لفظ 'مرحبا' (خوش آمدید) سے ایک آنے والے کی چلتی پھرتی تصویر دکھا کر بیان واقعہ کو واقعہ کر دکھایا ہے مگر شعر حکیمانہ ہو کر رہ گیا ہے، اس لیے کہ جملہ علتہا کا مفہوم اوصاف ذمیمہ بشری تک پہونچکر دہجاتا ہے، یعنی اے عشق تو انسان کو تمام اخلاق ردیہ سے پاک کر دیتا ہے اور بس۔

اب ظہوری کے شعر پر نظر ڈالیے،۔

"محبت مجھ بیمار کے علاج کی طرف مائل ہوئی، میں دل و جان سے اُسکا منت گزار ہوں، محبت میری تکلیف میری راحت میرا درد میرا درماں ہے"

ظہوری نے اس مفہوم کو اتنے ٹکڑوں کے اضافہ کے ساتھ بیان کیا۔

"منتش بر جان ما۔ محنت ما۔ راحت ما۔ درد ما"

ظہوری نے محبت کی کرشمہ سازیاں اور اُن سے اپنے متکیف ہونے کی حالت بیان کی اور اس طرح کہ مرتبہ کرامت کو پہونچ گئی۔

اب رہا غالب کا شعر وہ ظہوری کے شعر سے کہیں بالاتر ہے۔ مرزا نے یہ بتایا

کہ جبتک عشق نہ ہو زندگی بے کیف ہے۔ دوسرے مصرع میں اور ترقی کی یعنی ابھی تک زندگی کو صرف بے مزہ کہا تھا، اب کہتا ہے کہ زندگی بے کیف ہی نہ تھی، بلکہ درد تھی اور درد بھی ایسا جس کی دوا عشق کے سوا کچھ اور بھی ہی نہین، مگر یہ دوا ہے کیسی، خود ایک درد لا دوا۔ ظاہر ہے کہ عشق مجازی ہو یا حقیقی، بہر حال لذت زندگی کا کفیل ہے، اور اہل تحقیق جانتے ہین کہ محبت کا جذبہ فنا ہو جائے، تو انسان کہنے کو زندہ حقیقت مین مردہ ہے ؂

مری تصویر ہے میری تربت مرا قد ہی تن میرا کبھی تھا تو اسی دنیا مین لیکن اب کہان ہون

(بیخود موہانی)

غالب کے شعر مین دو باتین ظہوری کے شعر سے زیادہ ہین۔ خود زندگی کو درد قرار دینا، جہان محبت درمانِ دردِ زیست ہے وہین دردِ لا دوا بھی ہے، اب خیال عشق کے غیر فانی ہونے کی طرف فوراً منتقل ہو جاتا ہے، جناب آرگس اور جناب سہا کو مضمون کے ارتقائی مدارج دکھاتا تھے۔ جناب آرگس تو اسے سرقہ کہکر چلتے بنے، جناب سہا نے ملائے روم اور ظہوری کے اشعار کو یقیناً کی تاکید کیساتھ ہم مضمون کہا اور خیال کو پامال اور مبتذل بتایا۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اگر غالب کے شعر مین فلسفیت اور شعریت نظر آتی ہے تو ملائے روم کے شعر مین حکمت اور ظہوری کے شعر مین حکمت و شعریت جلوہ دکھاتی ہے جب اتنی ترقیان موجود ہین تو شعر کو چربہ کہنا غلطی ہے ؂

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا غالب تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

بگوشم این صدا از مقری تسبیح می آید غنی کہ صد دل مضطرب گرد و چو یکدل پایمال سازے

آرگس • غالب کے شعر مین جا نمار کمر ما تیک کف بُردن صد دل سے اور یہی

غنی کے ہان سے لیا گیا ہے ":

خلاصہ ارشاد سُہا:-

" غالب محبوب کی دلبری کو تسبیح صد دانہ سے تشبیہ دیتا ہے۔ غنی کشمیری دانون کی اُلٹ پھیر سے تمثیل کرتا ہے کہ اگر دنیا مین ایک شخص کو سکون میسر آتا ہے تو سو دلون کے اضطراب کے معاوضہ مین۔ ممکن ہے کہ غنی کی تمثیل کبھی یا کہین صادق آجائے مگر بالالتزام ایسا نہین ہے بلکہ اس تمثیل نے خود شعر کا مفہوم 'مہمل سا' کر دیا ہے یعنی مقری تسبیح سے یہ آواز آتی ہے کہ ایک دل اگر آرام پاتا ہے تو سو دل بےچین ہو جاتے ہین، اب خدا ہی جانے، مقری تسبیح کی صدا مین کس ایک دل کے آرام، اور کن سو دلون کے اضطراب کا پیغام ہے، پھر مقری تسبیح نہین معلوم کوئی محبوب چہاردہ سالہ پارسا ہے یا زاہد صد سالہ، کیونکہ ہر دو کی شخصیتون کا تعین مفہوم مین معین نہین ہو سکتا ہے، مزید بران مقری تسبیح کی ترکیب کیسی بھدی اور غیر فصیح ہے اور سب سے آخر مین یہ بات کہ تسبیح یا بجر قطعاً غیر معمول ہے، میرے نزدیک تو غنی کا شعر لفظی اور معنوی دونون اعتبار سے ناقص اور لغو سا ہے، برخلاف اسکے غالب کا شعر محبوب کی ایک ادائے ناز کا آئینہ دار ہے، دانہ و دل کی تشبیہ عام ہے، تشبیہات کسی شاعر کی ملک نہین ہوتی "

بیخود۔ جناب آر گس سے تو اتنا ہی کہنا ہے ع خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست ایک بے سر و پا بات کہدی اور آگے بڑھ گئے، غنی اور غالب کے اشعار مین صد دل کا ٹکڑا مشترک ہے، اتنی سی بات پر کسی کو سارق کہدینا آپ ہی پر زیبا ہے

اس ارشاد سے لازم آتا ہے کہ ہر شاعر و نثار کو اپنے لیے نئے الفاظ تراشنا چاہیے۔

لیکن جناب سُہا نے تو قیامت ہی کر دی، واقعہ یہ ہے کہ غنی کے یہاں ایک دعویٰ ہے کہ سو دل بےچین ہو لیتے ہیں جب کہیں ایک دل آرام ہوتا ہے، اور اسے تسبیح کے سو دانوں کے اضطراب اور امام تسبیح کے سکون کی تمثیل سے ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا معشوق مشکل پسند ہے، آسان کام اُسے بھاتا نہیں، اُسے شمار تسبیح صرف اِس لیے پسند آیا کہ جس طرح وہ خود ایک ایک ہتھے میں سو سو دل لے اُڑتا ہے اِسی طرح تسبیح پڑھنے والا بھی سو دانوں پر ایک بار ہاتھ پھیر لیتا ہے۔ یعنی معشوق نے شمار تسبیح کو صرف اسلیے پسند کیا کہ اُس کی دلربائی کا انداز اِس میں نکلتا ہے

جناب سُہا نے غنی کے شعر پر تیرباران کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ ہر تیر نے خطا کی اور غنی کے شعر کی جگہ حضرت سہا کی قابلیت بُری طرح مجروح ہو گئی، اور اب اُس کی حالت بالکل ایسی نظر آتی ہے، جیسے کوئی لاش تیروں پر ٹھہری ہو۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں حضرت سہا کی بیراہ روی کا جرم صاحب غیاث اللغات ہے۔ غیاث میں مقری کے صرف دو معنی لکھے ہیں، پڑھنے والا۔ وہ شخص جو بچوں کو قرآن پڑھائے۔ اسلیے کہ انھیں دو معنوں کی جھلک اِس ارشاد میں نظر آتی ہے

"پھر مقری تسبیح نہیں معلوم کوئی محبوب چاردہ سالہ پارسا ہو یا زاہد صد سالہ"

اگر جناب سہا نے بہار عجم پر نظر ڈالی ہوتی تو یہ عبارت اور شعر نظر آتا۔

"مقری تسبیح و مقری سبحہ بضم مہرۂ کلانے کہ بر سر تسبیح باشد و آنرا در عرف امام تسبیح و اہل ہند سمیر خوانند۔"

محض شہرت بہنر ہندی کس نجبست ۔ کسی از مقری تسبیح افغان نشنیدست" محسن تاثیر

تسبیح بالجبر کا ذکر بے محل ہے۔ اسلیے کہ امام تسبیح نے غنی سے جو کچھ کہا ہے، زبان حال سے کہا ہے۔ برلے خدا یہ تو ارشاد ہو کہ مقری تسبیح کی ترکیب بعدی کیون ہے، کونسا قاعدہ آپکے اس قول کی تائید کرتا ہے اس ترکیب کو غیر مانوس کہنا بھی کوتاہیٔ نظر کی دلیل ہے۔

دہر مین نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہوا غالب

یا وفا خود نبود در عالم یا مگر کس درین زمانہ نکرد سعدی

آرگس :۔ "غالب کا یہ شعر سعدی کے اس شعر سے لیا گیا ہے"

بیخود :۔ جناب سعدی نے بڑی سادگی سے فرما دیا کہ یا تو وفا دنیا مین کبھی تھی ہی نہین۔ یا ہمارے زمانہ مین کسی نے نہ کی۔ اور غالب نے اس عامۃ الورود مفہوم کیلیے ایک نیا پیرایۂ بیان پیدا کیا ہے۔ پہلے وفا کو نقش (تعویذ کے معنون پر) کہا اور کہا اس سے کبھی تسلی نہوئی، دوسرے مصرع مین اُسے لفظ بے معنے کہا یعنی کوئی وفادار نہ نکلا، جس پر اس لفظ کا اطلاق صحیح ہوتا۔ اگر حضرت آرگس اسے بھی سرقہ کہتے ہین تو پھر بات کرنا مشکل ہو جائیگا

مین نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹون وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہوا غالب

خواستم آتش دل را بنشانم بہ سرشک آنقدر ہم جگر سوختہ ام آب نداشت علی شیرازی

آرگس :۔ "دونون خیال بظاہر جدا ہین، مگر انداز بیان اور مقصد شعر دونون ایک ہین"

سہا :۔ "کیا آتش دل اور اندوہ وفا ایک ہی چیز ہے، کیا جگر سوختہ ام، اور وہ ستمگر ایک ہی شخص کے دو نام ہیں؟ اور کیا راضی تھا، آب تند شدت کے ایک ہی معنی ہیں؟ پھر مرنے، چھوٹوں اور نشانہ پہ سر شک کسی کتاب لغت میں ہم مفہوم ہیں۔ غالب کا شعر محبوب کی انتہائی ستمگری ظاہر کرتا ہے اور حالی کے شعر میں اپنی ہی مجبوری کا اظہار ہے۔ علاوہ ازیں حالی کے شعر سے مترشح ہوتا ہے کہ گویا جگر سوختہ بھی پانی کا کوئی مخزن ہے جہاں سے آنسو نکلتے ہیں، اور یہ ایک غلطی ہے جس پر حالی کی نظر رعایات لفظی کے اجتماع میں نہیں گئی۔"

بیخود :۔ ارشاد ہوتا ہے کہ حالی کے شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا جگر سوختہ بھی پانی کا کوئی مخزن ہے، جہاں سے آنسو نکلتے ہیں۔ اور یہ ایک غلطی ہے جس پر حالی کی نظر رعایات لفظی کے اجتماع میں نہیں گئی۔" یہ ایسے اعتراض ہیں جن کا جواب خاموشی ہے جسے معترض تسبیح کے معنے یاد نہوں اور جو یہ بھول جائے کہ جتنی تری جگر میں ہوتی ہے اُتنے ہی زیادہ آنسو نکلتے ہیں اُسے کیا حق ہے کہ نعمت خاں عالی سے علامۂ دوراں پر حرف گیری کرے۔

جناب سہا نے غالب کے شعر کا یہ نکتہ بھی نہیں بیان کیا کہ اگرچہ عاشق کی حالت ایسی ہے کہ جان دیدینے پر آمادہ ہے۔ مگر ہمارے رسم وفا کہ مرنے کیلیے بھی معشوق کی مرضی کا پابند ہے۔

بقدر ذوق ہو ساقی خمار تشنہ کامی بھی   غالب   جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

تو چون ساقی شوی در تنگ ظرفی نمی ماند   علی   بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلہا

آرگس "، بجز ایک آدھ لفظ کے اور کوئی کمی بیشی خیالات مین نہین ہوئی"

سُہا۔ " غالب وسعتِ شوق بیان کرتا ہے، اور علی سہرندی تنگ ظرفی"

بیخود۔ مین دونون اشعار کا فرق بیان کئے دیتا ہون۔ علی سہرندی کہتا ہے کہ جب تو شراب پلانے لگے تو جتنی بھی پلا دے میکش کا ظرف تنگی نہ کریگا، یہ تیری ساقی گری کا اعجاز ہے، اور دوسرے مصرعہ مین تمثیل سے کام لیتا ہے کہ دیکھئے جتنا دریا کا پاٹ بڑھتا جاتا ہے اُتنی ہی ساحل کے آغوش کی وسعت بڑھتی جاتی ہے"

غالب کا انداز بیان بتاتا ہے کہ میکش کے اصرار پر اُس سے کہا گیا ہے، یا وہ خود ساقی کو شراب دینے مین تامل کرتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھا ہے کہ ساقی نے مجھے تنگ ظرف سمجھتا ہے اس کا جواب دیتا ہے اور مدلل کہتا ہے ساقی مین اپنی تشنہ کامی کے انداز کیلیے تجھے ایک پیمانہ بتائے دیتا ہون، وہ یہ کہ جسقدر مجھے ذوق مے ہے اُسیقدر خمار تشنہ کامی بھی ہے۔ یہان تک تو عاشق نے پردہ پردہ مین گفتگو کی اور معلوم ہوتا تھا کہ شراب کا تقاضا کر رہا ہے مگر دوسرے مصرعہ مین کچھ اور ہی عالم نظر آنے لگا۔ وہ یہ نہین کہتا کہ تیرے یہان شراب کا دریا بھرا ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ اگر تو دریائے مے ہے تو مین خمیازہ ساحل ہون یعنے مجھے تیری تمام ادائون کا تحمل ہے، اور میری انتہائی خواہش پر میرے شوق کی انتہا شاہد ہے یعنے تو ناز آفرینی کرتے ہوئے کیون رُکتا ہے مین ہرگز یہ نہ کہونگا کہ

کمتر شرابِ جلوہ کہ پُر شد ایاغ ما　　روغن چنان مریز کہ میرد چراغ ما

میرے نزدیک دونون شعر لطیف ہین۔ مگر قلعہ اور عرش کے کنگرونکا فرق ظاہر ہے۔

محرم نہین ہو تو ہی نواہاے راز کا غالب یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
ہر کس نشناسندۂ راز است وگر نہ عرفی این ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است
مگو کہ نغمہ سرایان عشق خاموشند ۔ کہ نغمہ نازک و صحاب نہیہ در گوشند

آرگس (۱)" یہ غالب کا نہایت مایہ ناز مشہور شعر ہے (۲)، ممکن ہے کہ دونون شعر جدا سمجھے جائین۔ مگر غور کرنے پر ذوق سلیم ایک ہی طرف رہبری کرتا ہے۔ دوسرا شعر بھی ویسا ہی ہے"

سہا :۔ "یہ اشعار تقریباً ایک ہی خیال پر مبنی ہین۔ یہ مضمون عرفی کا زادۂ دماغ نہین ہے بلکہ متصوفانہ ہے اور خود عرفی نے بھی خانقاہ نشینون سے سن لیا ہے، غالب کے شعر مین الفاظ نہایت شاعرانہ اور بندش بدیع ہے، نیز عرفی کے شعر مین "معلوم عوام است" کے ساتھ ساتھ 'ہر کس نشناسندۂ راز است' نظم ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ نے عرفی کے ساتھ اظہار مفہوم مین مساعدت تامہ نہین کی۔ اسلیے کہ بحالت موجودہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو راز معلوم عوام ہے وہ خواص کیسلیے کیونکر ناقابل علم ہوگا۔"

بیخود :۔ خیر یہ حضرات اس قدر کوتاہ قلم کیون ہین، عوام بھلا ان عبارتون سے کیا سمجھ سکتے ہین، الفاظ نہایت شاعرانہ ہین، بندش بدیع ہے، یا غور کرنے پر ذوق سلیم ایک طرف ہی رہبری کرتا ہے۔

میرے نزدیک ان اشعار مین مشرق و مغرب کا فرق ہے مین ہر شعر کا مطلب عرض کیے دیتا ہون۔

محرم نہین ہو تو ہی نوا ہاے راز کا ۔۔۔ یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہو ساز کا

حل ۔ ساز حقیقت کے ترانے تیری سمجھ مین نہین آتے ایمین قصور تیرا ہے، ورنہ یہان (دنیا مین) جتنے مین پردے ہین وہ ساز کے پردون کی طرح ترنم ریز ہین اور اسرار الٰہی ظاہر کر رہے ہین یعنے جن چیزون کو تو وجود باری کے سمجھنے مین مانع سمجھتا ہے وہی آہنگ دلکش اسکے وجود اور اُس کی یکتائی کا ترانہ گا رہی ہین۔

حجاب ۔ تعین ہستی ۔ وجود (موجودات) یعنے ماسوی اللہ مین ذرہ ذرہ وجود قدرت باری کا گواہ ہے۔ ساز کے پردون سے راگ نکلتے ہین۔ مگر اِن کو وہی لوگ سمجھتے ہین جن کو موسیقی مین دخل ہے اس شعر مین یہ بھی مضمر ہے کہ جس طرح ساز کے ذریعے سے نغمہ کا ظہور ہوتا ہے اسیطرح اگر خدا موجودات عالم کے پردے مین جلوہ نہ دکھاتا تو اُسکے وجود کا ادراک غیر ممکن تھا۔ اسلیے کہ وہ جسم و جسمانیت سے منزہ ہے اس شعر مین نوا ۔ حجاب ۔ پردہ ساز ۔ محرم ۔ راز سب الفاظ مناسب جمع ہو گئے ہین

(عرفی)

ہر کس نشناسندہ راز ست وگرنہ ۔۔۔ این ہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام است

ہر کس و ناکس مین راز سے آگاہ ہونے کی قابلیت نہین۔ ورنہ وہ باتین جو عوام کو بھی معلوم ہین۔ سراپا راز ہین۔

کھانے کے مسالے اب جن سے عام مرد ہی نہین پردے کی بیٹھنے والیان بھی واقف ہین اور اُن سے روز کام پڑتا ہے اُن کے مصالح سے اہل نظر کے سوا بالعموم لوگ بے خبر ہین، حالانکہ ان کی ایجاد و اکتشاف حکما کے غور و فکر کا نتیجہ ہے، یہ معنی معلوم عوام ہونے کے ساتھ ساتھ راز ہونے کے ہین۔ اس شعر پر نظر کرنیسے عرفی کا شعر سمجھ مین آجائیگا

تری دنیا کو مجکو کون سمجھے جب نہین کھلتا — کہ ایک اک ذرہ کی دنیا کہان سے کہانتک ہے

(بجنور مواتی)

(عرفی)

مگو کہ نغمہ سرایان عشق خاموشند — کہ نغمہ نازک و اصحاب پنبہ در گوشند

مطلب :۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عارفان خدا اسرار معرفت کے بیان کرنے مین تامل کرتے ہین ۔حقیقت یہ ہے کہ اسرار نازک ہین اور اِسپر طرہ یہ ہے کہ اہل دُنیا دنیا مین الجھے ہوے ہین، پھر یہ سمجھ مین آئین توکیونکر۔

شعر غالب کے مضمون کی وسعت کی کوئی انتہا نہین اُسنے دنیا کے ذرہ ذرہ کو (پردۂ تعین) حجاب بناکر قیامت کردی ہے۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا — آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا — غالب

انچہ پر جستیم و کم دیدیم بسیار است و نیست — نیست جز انسان درین عالم کہ بسیار است نیست

(عالمگیر)

آرگس :۔ "شعر کی جان غالب کا دوسرا مصرع اور اُس کا انداز بیان ہے مگر عالمگیر کے یہان دونون مصرعے برابر کے ہین ۔ اور دونون کے انداز بیان مین بھی فرق نہین ہے"

سُہا :۔ "حقیقت یہ ہے کہ عالمگیر کے دونون مصرعون مین چونکہ ایک ہی مضمون کا اجمال و تفصیل ہے اور چونکہ شعر مطلع ہے اور ردیف مکرر لہذا آپ کو مصرعے بہت زیادہ برابر محسوس ہوئے ، غالب کے مضمون

مین تکرار کسی قسم کی نہین ہے، بلکہ دوسرا مصرع پہلے کی تمثیل و تفسیر ہے
رہا یہ معاملہ کہ غالب کا شعر عالمگیر کے شعر کا ہم مضمون ہے یہ بات بھی نہین
ہے۔ غالب اپنے شعر مین حصول آسانی کی نفی کرتا ہے اور اس نفی
کی تمثیل مین دوسرا مصرعہ ادا ہوا ہے۔ غالب کی نگاہ دقیقہ رس نے تمثیل
مین ایک خاص رعایت ملحوظ رکھی ہے، جو عالمگیر کے سیدھے الفاظ مین
پیدا نہ ہو سکی اور وہ آدمیت و انسانیت کے نازک فرق کیجانب اشارہ
جسنے تمثیل مین تازگی اور جدت پیدا کر دی ہے۔"

بیخود۔ جس طرح جناب آرگس نے لکھا ہے یہ مطلع نہین شعر ہے۔ اسلیے کہ قافیہ
ہی غائب ہے۔ یہ یون ہے ؎

انچہ پر جستم وکم دیدم کہ بسیار است نیست — نیست جز انسان درین عالم کہ بسیار است نیست

اِس صورت مین ایک ردیف برائے بیت ٹھہرتی ہے۔ اسلیے کہ مضمون شعر
"نیست جز انسان" پر تمام ہو جاتا ہے۔ اِس شعر کے متعلق حضرت سُہا کی رائے سے
مجھے اتفاق ہے۔ آدمیت اور انسانیت کا نازک فرق جس کی طرف جناب سُہانے
اشارہ فرمایا ہے داد کے قابل ہے۔

دوسرے شعر کا مطلب صرف اتنا ہے کہ کہنے کو انسان بہت ہین مگر انسان کامل
ڈھونڈھے نہین ملتا۔ مرزا غالب کہتے ہین کہ دنیا مین کوئی کام آسان نہین دیکھ لو کہ
آدمی کا انسان بننا کتنا مشکل کام ہے۔ غالب کے شعر مین تمثیل سامنے کی ہے۔ مگر ایسی
کہ جس طرف عوام تو عوام خواص کا ذہن بھی آسانی سے متبادر نہین ہوتا اور یہ بات
اُسی طرح داد کے قابل ہے جس طرح گلستان کی حمد مین جہان بلبل شیراز نے پیش پا

افتادہ چیزوں سے کام لے کر اُسے ایک مقام بنا دیا ہے۔

سعدی :۔ "ہر نفسی کہ فرو میرود ممد حیات است و چون بر می آید مفرح ذات در ہر نفسی دو نعمت موجود است و بر ہر نعمتے شکرے واجب"

کی مرے قتل کے بعد اُسنے جفا سے توبہ غالب ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب حافظ کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ

آرگس :۔ "خیال دونوں کا یکسان ہے۔ غالب کے یہان زود پشیمان ہے اور حافظ کے یہان' دل نرم' غالب کے یہان' جفا سے توبہ' حافظ کے یہان' بہر ثواب بنماز آمدۂ"

سُہا :۔ "بقول جناب آرگس' زود پشیمان اور دل نرم'، جفا سے توبہ اور بہر ثواب بنماز آمدۂ ہم معنے فقرے ہین۔ حافظ علیہ الرحمہ کہتے ہین کہ تیری نرم دلی کے کیا کہنے ہین کہ اپنے کشتہ غمزہ کے جنازہ کی نماز پڑھنے ایصال ثواب کیلیے آیا ہے، شعر مین خوبی یہ ہے کہ کشتہ غمزہ کو ایصال ثواب کیا گیا ہے۔ مگر کشتہ غمزہ کو ایصال ثواب کوئی خاص نرم دلی بھی نہین ہے"

بیخود :۔ جناب سہا کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ زود پشیمان اور دل نرم، جفا سے توبہ اور بہر نماز آمدہ ہم معنے فقرے نہین ہین، مگر حافظ کے شعر مین ایصال ثواب کا کہین ذکر نہین۔ اور دل نرم سے دل سخت مراد ہے اور از بہر ثواب کے معنے خود ثواب حاصل کرنے کی غرض سے۔ یعنے تو ایسا سنگدل ہے کہ کشتہ ناز کے جنازہ کی نماز

پڑھنے اس نظر سے آیا ہے کہ نماز میت کا ثواب حاصل ہو۔ مراد یہ ہے کہ اللہ ری سنگدلی کہ جسے خود خاک مین ملایا اُسکے جنازے کی نماز بھی حق محبت ادا کرنے کی نیت سے نہ پڑھی۔

غالب کا یہ شعر دو پہلو رکھتا ہے:۔

(۱) زود پشیمان کا مفہوم یہان جلد پشیمان ہونے والا۔

(۲) بہت دیر مین یا کبھی پشیمان نہ ہونے والا۔

(۱) مرزا کہتا ہے کہ معشوق ایسا ظالم ہے کہ جب تک مجھے قتل نہ کر لیا پشیمان نہوا گویا پشیمان ہوا ہی نہین۔

(۲) میرے قتل کرتے ہی اُس کو ندامت ہوئی۔ کاش پہلے خیال کیا ہوتا۔ عاشق کو معشوق کی ندامت پر پیار آگیا ہے اور اب سارے ظلم فراموش ہو گئے ہین۔ پہلی صورت مین اظہار سنگدلی ہے۔ دوسری صورت مین شان عاشقانہ اور یہ صورت زیادہ لطیف ہے۔ یعنے معشوق کے ذرا سے التفات مین سارے گلے سہو محو ہو گئے۔

دوست غمخواری مین میری سعی فرمائینگے کیا　　زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا　　غالب

لذت ز زخم بسکہ دل زار من گرفت　　ناخن زدم بسینہ اگر بر شدن گرفت

(ناطق گرانی)

بیخود:۔ یہان جناب آرگس نے حضرت شاد لکھنوی پیر میر کے کچھ شعر لکھے ہین جو مرزا کے اشعار کی بگڑی ہوئی تصویر معلوم ہوتے ہین۔ لیکن اُن کے متعلق اظہار رائے کی

ضرورت نہین۔

سہا۔ "غالب کہتا ہے۔ چونکہ مین زخمون کو ناخن سے چھیل دیتا ہون، احباب میرے ناخن ترشواتے ہین۔ مگر یہ عبث ہے کیونکہ زخم کے اندمال سے قبل ہی ناخن بڑھ آئین گے، اور پھر خراش زخم کا سامان مہیا ہو جائیگا۔ حاصل یہ ہے کہ احباب کی چارہ فرمائیان بے سود ہین ہمارے سامان خرابی مین تخفیف نہین ہو سکتی۔ ناطق مکرانی اپنی ایذا پسندی بیان کرتا ہے یہان احباب کی چارہ فرمائیان نہین ہین۔"

بیخود:۔ مین دونون شعرون کا مطلب عرض کرتا ہون۔

غالب کا شعر عاشق کی ایک مجنونانہ ادا کا آیئنہ دار ہے، اُسکے احباب ناخن اسلیے ترشواتے ہین کہ کہین زخمون کو بڑھا نہ لے، مگر عاشق ہے شوریدہ سر اسلیے وہ اپنے دوستون کو دشمن جانتا ہے اور یہ سمجھکر خوش ہے کہ زخم بھرنے سے پہلے ناخن بڑھ آئینگے اور مین پھر زخمون کا گلزار کھلا دونگا۔ یہ ایک وحشی کے خیال کی مرقع کشی ہے اور خوب ہے۔

ناطق ایذا پسندی کا اظہار نہین کرتا بلکہ لذت زخم عشق کو بیان کرتا ہے کہ جہان زخم اچھا ہونے لگا مین نے ناخن مارا اور پھر وہی مزے آنے لگے۔ عشق کی تکلیفون مین ایسا مزہ ملتا ہے کہ محبت کم ہونے لگتی ہے تو پھر بڑھا لیتا ہون۔

آج وان تیغ و کفن باندھے ہوے جاتا ہون مین — عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لائینگے کیا — غالب

منم آن سیر جان گشتہ کہ با تیغ و کفن — تا در خانۂ جلاد غزل خوان رفتم — عرفی

آرگس :۔ عرفی کے یہان غزلخوان رفتم والا ٹکڑا اس قیامت کا ہے کہ جواب ہی نہین "

سُہا :۔ غالب کہتا ہے کہ وہ میرے قتل کیلیے روز کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتے ہین کبھی کہتے ہین کہ تلوار نہین، کبھی کہتے ہین کہ کفن کا کیا انتظام ہے بس آج تمام اسباب جمع کر کے جاتا ہون تاکہ انھین کوئی عذر نہ ہے عرفی جان سے اپنی بیزاری بیان کرتا ہے، یہی دونون شعرون کا فرق ہے"

بیخود :۔ تمام شارحین دیوان غالب نے اس شعر کا مطلب بہ تغیر الفاظ یہی بیان کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس شعر کی بنا عرب کے اس دستور پر قائم ہے کہ جب وہان کوئی جان پر کھیل جانے کے لیے تل جاتا تھا تو سر سے کفن باندھ کر اور تلوار لے کر نکلتا تھا۔ پھر کوئی اُسے جان دینے کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش نہ کرتا تھا۔

عاشق اپنے دل مین غور کرنیکے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ مین نے ابتک جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے والون کی صورت ہی نہین بنائی اور یہی سبب ہے کہ وہ کسی نہ کسی بہانے مجھے ٹال دیا کرتا ہے، آج اِس ساز و سامان سے جاتا ہون ابتو کوئی عذر ہو ہی نہین سکتا۔ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشق معشوق کے ہاتھ سے قتل ہونے ہی کو مآل زندگی سمجھتا ہے عرفی کے شعر مین جب تک "سیر زجان گشتہ" کا ٹکڑا ہے موجود ہے اُس وقت تک اُس وقت غزلخوان رستم کے ہوتے ہوے بھی غالب کے شعر کی گرد کو نہین پہونچ سکتا، اسلیے کہ جان سے بیزار ہونے پر مرنے کی خوشی اور چیز ہے، اور معشوق کے ہاتھون قتل ہو جانیکی تدبیر سمجھ مین آنے پر پھولون نہ سمانا اور چیز ہے۔

ہے اب اس معمورہ میں قحط غم الفت اسدؔ　　ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا　　غالب

سعدیا حب وطن گرچہ حدیثے است صحیح　　نتوان مرد بسختی کہ من اینجا زادم　　سعدیؒ

آرگس: "یہاں خیال بالکل ایک ہے گو ظاہر الفاظ میں فرق ہو مگر موضوع مضمون سے باہر نہیں۔"

سُہا:۔ غالب تو صرف یہ کہتا ہے کہ دلی میں کیسے (کیونکر) گزر ہوگی یہاں ہمیں غم الفت تو میسر ہی نہیں جس کے ہم عادی ہیں، البتہ سعدی علیہ الرحمہ معاش ہی کے شاکی ہیں، کیسے کہیں واقعی دونوں اشعار ہم مضمون ہیں"

بیخود:۔ مرزا کہتے ہیں کہ دلی اہل محبت سے خالی ہو گئی اور ہم ہیں محبت کے بھوکے۔ اب یہ مقام ہمارے رہنے کے قابل نہیں رہا۔

نکتہ:۔ اس شعر میں یہ لطیف نکتہ مضمر ہے کہ اہل دل کے نزدیک وطن اہل وفا و اہل محبت کا دوسرا نام ہے یہ نہ رہے تو وطن بھی نہ رہا، یہ لطافت بھی ہے کہ غالب غم والفت ہی پر اپنی زندگی کا انحصار سمجھتا ہے، اور یوں اہل دنیا کو مہر و وفا کا سبق دیتا ہے۔

ترک وطن کا خیال دونوں کو ہے مگر یہ دیکھنا چاہیے کہ کون کس وجہ سے ترک وطن کر رہا ہے اور وہ وجہ اہل دل کی نظر میں کیا درجہ رکھتی ہے۔

ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا　　کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا　　غالب

ہیم از وفا ندارد بہ وعدہ کہ من　　از ذوق وعدۂ تو بفردا نمی رسم　　میلی

آرگس،، "میلی نے کہا تھا کہ تو وعدہ کر اور ایفائے وعدہ کا خیال ہی نہ کر ادھر تو نے وعدہ کیا اُدھر خوشی سے ہمارا دم نکلا بالکل یہی خیال غالب کے یہاں ہے۔ مگر میلی کے یہاں قبل وعدہ ہے اور یہاں بعد وعدہ"

سُہا۔۔ نیشاپوری وعدہ کے ذوق میں مرجانے کا یقین دلا کر محبوب سے پیمان لینا چاہتا ہے۔ غالب صدق وکذب وعدہ کا ایک اچھوتا معیار پیش کرتا ہے، اختلاف مضمون مستزاد بیان۔ غالب کا حُسن بیان شعر کو نیشاپوری کے شعر سے بلند تر کئے ہوئے

بیخود۔۔ میری رائے میں حضرت آرگس کا خیال صحیح ہے۔ میں تو یہ کہونگا کہ دونوں خیال یکسان ہی نہیں بالکل ایک ہیں۔ حضرت سُہا جس کو اچھوتا معیار قرار دیتے ہیں وہ بالکل اُسی طرح بلکہ اُس سے کہیں بہتر صورت میں میلی کے یہاں پایا جاتا ہے، مگر یہ مضمون عام ہے، اسلیے کہ انتہائی خوشی میں مرجانا مشہورات میں سے ہے جس پر، شادی مرگ کی شہرت شاہد عادل ہے، پھر وعدۂ وصل یار کی خوشی میں مرجانا کونسی بڑی بات ہے اسلیے اِسے نہ ترجمہ کہیے نہ سرقہ، یہ توارد کہا جا سکتا ہے، میرے نزدیک میلی کا شعر نزاکت وبلندیٔ خیال کے اعتبار سے مرزا غالب کے شعر سے کہیں بالاتر ہے، اسلیے کہ کہاں وعدۂ یار کی خوشی میں مرنہ جانے کی معذرت کرنے کیلیے زندہ رہنا اور کہاں قبل وعدہ، وعدہ وصل کی خوشی میں مرجانے کا یقین ہونا۔

ہوئے مرکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا — نہ کبھی جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا — غالب

غرقہ بحریم مارا در دیار ما مپرس — لقمہ کام نہنگم از مزار ما مپرس — لا اعلم

آرگس :۔ "غالب کے شعر مین جانِ خیال یہی بات ہے کہ دریا مین ڈوب جاتے نہ تو جنازہ اُٹھتا نہ مزار بنتا۔ دوسرے شعر مین بھی یہی ہے، مگر غالب کے یہان حسرت غرق ہے، اور فارسی شعر مین اخبار بعد الغرق"

بیخود :۔ مرزا کہتا ہے کاش دریا مین ڈوب مرے ہوتے کہ نہ جنازہ اُٹھتا نہ مزار بنتا نہ مرنے کے بعد رسوائی ہوتی۔ جنازہ کے اُٹھنے مین انگشت نمائی کا زیادہ موقع ہے اور مزار کا بننا ملامت پائدار کا سبب ہے۔ یعنے نہ جنازہ اُٹھتا نہ انگلیان اُٹھتین کہ یہ وہی کم حوصلہ ہے جس سے عشق کی کڑیان جھیلی نہ گئین جو مر کے اپنے آپ کو، اپنے معشوق کو، غیرتِ عشق کو بدنام کر گیا۔ مزار نہ بنتا تو لوگ یہ نہ کہہ سکتے کہ یہ وہی ننگِ وفا ہے، اب جب تک نشان مزار باقی ہے ہم ہین اور ملامت خلق۔

فارسی کا شاعر صرف اپنی مصیبت کی موت کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے میرے شہر مین نہ ڈھونڈھو۔ مین گھڑیال کا لقمہ ہو گیا، اب مجھے تو کہان پا سکتا ہے، ایک شعر مین اپنی بے نام و نشان کر دینے والی موت کا ماتم ہے، دوسرے مین ایسی موت کا ذکر ہے جو مرنے والے کو ہمیشہ کیلیے بدنام کر گئی، نہ یہ پہلے شعر کا ہم مضمون ہے نہ ضد نہ جواب۔ خدا بصیر حضرت آرگس کو سو کی جگہ دو آنکھین دے، مگر ایسی جن سے دکھائی دیتا ہو۔

دل ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر — ہم اُسکے ہین ہمارا پوچھنا کیا — غالب

ز مہرش سینہ ہا جولانگہ برق — دلِ ہر ذرہ در جوشِ انا الشرق — ملا غنیمت

آرگس :۔ "ذرہ اور قطرہ، انا البحر اور انا الشرق مین کوئی فرق ظاہر نہین ہوتا"

سہاؔ۔ دونوں شعر متصوفانہ یا وحدۃ الوجود کے رنگ کے ہیں، اسلیے نہ ملا غنیمت کا شعر مرجح ہوسکتا ہے، نہ غالب کا۔ تاہم یہ فرق بھی موجود ہے کہ ملا صاحب انوار و تجلیات کی عمومیت بیان کرتے ہیں اور غالب اپنی گرانقدر حقیقت کی طرف ایک توحیدی تمثیل سے اشارہ کرتا ہے۔

بیخودؔ۔ جناب آرگس اسے نہ سرقہ کہتے ہیں نہ توارد، یہ جواب ہے۔ جناب سہاؔ سے کون پوچھے کہ کسی شعر کو ترجیح کیوں نہیں دیجاسکتی، اہل دنیا سے نفرت ایک مضمون ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

صدمے ہمیشہ اہل جہان سے اٹھائے ہین　　اب زندگی کرینگے بسر چار پاؤ مین

دوسرا کہتا ہے ؎

مرا بروز قیامت غمے کہ ہست اینست　　کہ روئے مردم دنیا دوبارہ باید دید

پہلے شعر کا مطلب ظاہر ہے۔ دوسرے کا مضمون یہ ہے، کہ قیامت کے دن مجھے اگر کوئی غم ہے تو یہ کہ اہل دنیا کا منہ پھر دیکھنا پڑیگا، کیاان دونوں شعروں مین آفتاب اور ذرہ کی نسبت بھی ہے۔

مرزا غالب فرماتے ہین قطرہ ساز کی طرح نغمہ سرزی کررہا ہے کہ بحر مین ہون یہان تک کہ مرزا نے جوکچھ کہا ہے اُس مین ملا غنیمت کے دونوں مصرعوں سے زیادہ مضمون ہے، اس پر ترقی کی گئی کہ ہم کو چشم کم سے نہ دیکھنا ہم اسکے ہین ہمارا پوچھنا کیا اور اتنا ہی نہین کہ غالب صرف اس حقیقت کا اظہار کررہا ہون بلکہ اُسپر اُسے ناز بھی ہے، شاہ تراب فرماتے ہین ؎

بھلا ہم کو نصیبوں سے ملا غمخوار ساقی ہے　　ہمین اب کی کیا کمتی ہمارا یار ساقی ہے

متصوفانہ رنگ۔ ہم سے یہان، ماسوی اللہ مراد ہے، یعنے کسی ذلیل سی ذلیل مخلوق کو بھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا، اسلیے کہ تعینات کا پردہ اُٹھا دیا جائے تو ہر شے بلکہ ہر ذرہ وہی ہے۔

ایک نازک فرق دونون شعرون مین یہ بھی ہے کہ ملا غنیمت نے مہر (محبت یا وجہ خدا) کی قید لگا دی ہے، یعنے اُنکی محبت یا اُسکے جلوے کے صدقے مین ہر ذرہ انا الشرق کا دعوی کر رہا ہے، غالب کہتے ہین کہ حقیقت ہی یہ ہے کہ ہر شے وہی ہے، اور تصوف سے قطع نظر کر لیجائے تو بھی یہ قول اظہر من الشمس ہے، جب ہر شے کا ظہور اُسی کی قدرت سے ہے اور ہر شے سے اُس کی ہستی نظر آتی ہے تو کسی قید کی ضرورت ہی نہین رہتی۔ وسعت مضمون کے اعتبار سے غنیمت کے شعر کو غالب کے شعر سے کوئی نسبت نہین غنیمت نے در جوش انا الشرق کہکر طوفانی کیفیت دکھا دی تو مرزا نے ساز انا البحر کہکر شعر کو نغمہ کی موجون مین ڈبو دیا ہے۔

متصوفانہ رنگ:۔ ایک باریک فرق یہ بھی ہے کہ مرزا کا پہلا مصرعہ حقیقت یعنے عینیت کے آئینہ سے نقاب اُٹھاتا ہے اور دوسرا مقام ظہور کی صورت سے۔

بلاے جان ہے غالب اُسکی ہر بات　　　عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　　کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

آرگس:۔ اگرچہ بظاہر الفاظ مین فرق ہے، مگر مضمون دونون ایک ہین، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ غالب نے زیادہ صراحت سے کام لیا ہے:

سہا۔۔ آرگس صاحب الفاظ اور صراحت کا فرق ہی تو بڑا فرق ہے
اور اِسی سے شعر تو اُردو دستور کی تعریفات سے نکل جاتا ہے "
بیخود۔۔ امانی یا نظیری فرماتے ہین کہ معشوق کے سر سے لیکر پاؤن تک جہان بھی نظر پڑتی ہے، ادا دل کے دامن کو کھینچتی ہے کہ ارے ظالم تیری جگہ یہی ہے، یعنی معشوق سراپا جمال ہے، یہان ادا کو ذی روح قرار دیکر ایک چلتی پھرتی تصویر دکھادی گئی ہے، اور اس مین شک نہین کہ ایسے شعر آیات کمال سے ہوتے ہین۔
مرزا کہتا ہے کہ معشوق کی عبارت (گفتگو، تقریر، تحریر، حُسن خطاب، ردجواب وغیرہ) یا اشارت (خواہ چشم وابرو سے ہو، خواہ تقریر و تحریر مین) یا ادا ہو۔ ہر بات بلاے جان ہے، نظیری حسن و تناسب اعضا کے ثناخوان ہین جسے مرزا لفظاً بالکل چھوڑ دیتا ہے، مگر سامع کا ذہن اِس کمی کو خود پورا کر لیتا ہے یعنے جس کی ہر بات یعنے عبارت اشارت۔ ادا بلائے جان ہو اُسکے باجمال ہونے مین کسی کافر ہی کو شک ہوگا، جو کچھ اِس مصرعہ مین کہا گیا ہے ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست " وہ سب غالب نے بلائے جان کے ٹکڑے مین بھردیا ہے۔
ادا کا لفظ بھی اس محل پر کس قدر جامع واقع ہوا ہے اسلیے کہ ادا عام ہے جیسے دیکھنے کی ادا، سونے کی ادا، آنکھ ملانے کی ادا، آنکھ چرانے کی ادا، مسکرانے کی ادا، ہنسنے کی ادا، ہنسی روکنے کی ادا وغیرہ وغیرہ مصحفی کہتا ہے ؎

تنہا نہ لجانیکی ادا لے گئی دل کو ——— گھونٹ کے چھپانے کی ادا لیگئی دلکو

مختصر یہ کہ معشوق کی ہر بات اور اُس کا ہر فعل ادا ہے۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بین ہیں کہ ہم الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا
وقت عُرفی خوش کہ نکشودند چون در بر خش بر در نکشودہ ساکن شد در دیگر نزد

آرگس :۔ غالب کہتے ہیں کہ بندگی اور ذوق طاعت گزاری میں بھی ہم آزاد ہیں، اگر کعبہ کا دروازہ بھی نہ کھلا تو واپس آگئے، عرفی کا خیال ہے کہ در دوست نہ کھلا تو اُسی بند دروازہ کے پاس ٹھہر گئے، مگر دوسرے دروازہ پر نہیں گئے، تقریباً ایک خیال دوسرے خیال کی ضد ہے۔"

سُہا :۔ اگر وفا اور خودداری آپس میں ضد و مقابل ہیں تو یقیناً ایک خیال دوسرے کی ضد ہے، مگر آرگس صاحب وفا کی ضد بیوفائی اور خودداری کی ضد بے غیرتی، عرفی اپنے شعر میں ایک شان وفا اور غالب آن خودداری کا مضمون ادا کر رہا ہے۔"

بیخود :۔ اِن اشعار کے متعلق حضرت سہا نے بہت سمجھ کر لکھا ہے۔

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا
دل شوریدۂ ما شور دریا در نظر دارد گہر وزدیدہ است اینجا زبان موج دریا را

آرگس :۔ "تقریباً ایک مضمون ہے جس میں کوئی خاص فرق سوائے زبان کے نہیں ہے۔"

سُہا :۔ فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک مضمون ہے جس میں کوئی خاص فرق سوائے زبان کے نہیں چونکہ گہر اور دریا کے استعارے دونوں شعروں میں

آ گئے، لہذا مضمون تقریباً ایک ہیں۔

غالب شوق یا عشق کی وسعت طلبی بیان کرتا ہے کہ دل کی وسعت اس وسیع جذبہ کیلیے ناکافی ہے۔ اور اس کی مثال میں دوسرا مصرعہ پیش کرتا ہے۔ یعنے جس طرح موتی میں بوجہ عدم وسعت ضطراب دریا کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اُسی طرح میرے دل خُرد (تنگ) میں داعیاتِ شوق وعشق کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

بیدل کہتا ہے کہ میرے دل میں تمام عالم امکان کے موجودات موجود ہیں، جس طرح کسی جزو میں اپنے کل کے تمام خواص پائے جاتے ہیں اُسی طرح ہر وجود ممکن میں تمام عالم امکان کے خصوصیات موجود ہیں"

تجزیہ: میرے خیال میں اسوقت تک دیوان غالب کی جتنی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ یہ شعر کسی میں حل نہیں ہوا۔ دل نہیں چاہتا کہ ناظرین کرام شارحین علام کی نکتہ نوازیوں سے محروم رہیں۔ اسلیے میں اپنی شرح کا یہ مقام نقل کئے دیتا ہوں

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیٔ جا کا　　　گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

جناب طباطبائی:۔ "یعنی شوق دل میں سما کر تنگیٔ جا کے سبب سے جوش وخروش نہیں دکھا سکتا۔ گویا دریا گہر میں سما گیا کہ اب تلاطم باقی نہیں رہا"۔

جناب حسرت موہانی اور جناب شوکت میرٹھی بھی بہ تغیر الفاظ یہی فرماتے ہیں۔ ہاں جناب واجد دکنی کا ارشاد قابل داد ہے۔ فرماتے ہیں۔

" شاعر نے اس شعر میں شوق کو دریا سے اور دل کو گہر سے تشبیہ دی ہے

اور کہتا ہے کہ دریا یعنی شوق، گوہر یعنے دل میں محو ہوگیا، باوجود اسکے شوق تنگی جا کا گلہ مند ہے۔ حالانکہ دل کی وسعت معلوم ہے، کہ قلوب المؤمنین عرش اللہ تعالے۔ عرش کی وسعت تمام آسمانوں سے بڑھ کر ہے مگر پھر بھی گلہ باقی ہے، تو یہ غضب کا شوق ہے، اگرچہ سچا موتی جثہ اور مقدار میں چھوٹی چیز ہے، مگر قیمت میں گراں ہوتا ہے، اسی طرح دل اگرچہ بظاہر ایک ذرا سی چیز ہے، مگر کمالات باطنی اور روحانی کے لحاظ سے ایک بہت بڑی اور وسیع چیز سمجھی جاتی ہے، اس شوق کو تمام زمین و آسمان کی گنجائش کافی اور مکتفی نہوگی۔

قائل کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا شوق بے حد و حساب ہے، اس شعر میں اپنے شوق کی وسعت و فراخی کو بیان کرتا ہے مگر مرزا کا یہ طرز بیان اہل فصاحت کے پسند نہیں ہو سکتا۔

دوسرے معنے اس طرح ہو سکتے ہیں کہ پہلا مصرعہ سالم استفہام انکاری مان لیا جائے یعنے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا گلہ نہیں ہے کیونکہ دل بحیثیت جثہ ایک چھوٹی چیز ہے اور گوہر سے مشابہ ہے جسطرح دریا کا اضطراب گوہر میں نہیں ہوتا اسیطرح شوق کا گلہ بھی دل میں نہیں ہے، کیونکہ وہ تو یعنے شوق دل میں فنا ہوگیا، اضطراب دریا تلاطم امواج سے مراد ہے مگر ان معنوں کو (بھی) کا لفظ مزاحم ہے، یا بھی کو حشو سمجھ لیجئے کہ وزن کے لیے آگیا اور معناً کوئی تعلق نہیں رکھتا، مگر اس صورت میں حشو قبیح ہوگا جو عیب ہے"

حضرت بیخودؔ دہلوی :۔ "مرزا صاحب تعجب کے لہجہ مین فرماتے ہین۔ شوق کو تنگیٔ جا کا گلہ دل مین بھی ہے یہ جی کا لفظ بتا رہا ہے کہ دل ایسی وسیع چیز ہے کہ دونون عالم اس مین سما جاتے ہین اور پھر خالی رہتا ہے باوجود اس وسعت کے شوق کو جگہ کی تنگی کا گلہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ شوق کی وسعت بھی دل کی وسعت سے کسی طرح کم نہین ہے۔ اب تنگیٔ جا کا ثبوت ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہین گہر مین دریا کی روانی محو ہو گئی یعنی کوزہ مین دریا سما گیا، مگر بھچ جانے کے سبب سے موجون کی حرکت بند ہو گئی، دل کو گوھر سے اور شوق کو دریا سے تشبیہ دی ہے، جو بالکل نئی تشبیہ ہے، سچ ہے کہ اس مطلع مین دریا کو کوزہ مین بند کر دیا ہے اور لطف یہ کہ چستی بندش، تناسب الفاظ، طرز بیان (طرز ادا) مین فرق نہین۔ دونون مصرعہ ایک ہی سانچے مین ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہین۔"

حضرت نظامی بدایونی :۔ "شوق کو، اضطراب شوق کو، گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا۔ دریا گہر مین سما گیا۔ گوہر کو دل سے اور شوق کو اضطراب دریا سے مشابہت دی ہے۔"

خاکسار بیخودؔ موہانی :۔ مجھے اس مطلب سے اتفاق نہین، اور اسکی دو وجہین ہین۔

(۱) موجودہ صورت کو اضطراب عشق کی مذمت کہہ سکتے ہین یعنے بیقراریٔ شوق کچھ ایسی تھی کہ دب کر سہی سمٹ کر سہی، کسی نہ کسی طرح دل مین سما تو گئی اور اپنا سارا جوش و خروش کھو بیٹھی۔

(۲) نہ اُس مین اتنی وسعت تھی کہ دل اُسکا ظرف نہ بن سکا، اور نہ اتنی قوت ہی تھی کہ ظرف تنگ مین بھر دیئے جانے کے بعد اُسے توڑ کر نکل آنے پر قدرت ہوتی یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شے (خاصکر سیال شے) جو قوی بھی ہو مقدار مین بھی زیادہ ہو کسی چھوٹے ظرف مین بھری جاتی ہے تو سماتی نہین، اور اگر سما بھی جائے اور ظرف کی مضبوطی سے اُس شے کی قوت زیادہ ہو تو ظرف کے ٹکڑے اُڑ جاتے ہین۔ شوق کا ظرفِ دل مین پورے طور پر سما جانا اُس کی وسعت کے خلاف اور اُسے توڑ کر نکل نہ آنا اضطراب کے منافی ہے، فافہم۔

اور اگر مرزا کو یہی کہنا ہوتا جس مین اتنی خرابیان موجود ہین تو یون فرماتے ؎

گلہ ہے شوق کو بھی دل مین تنگیٔ جا کا　　　گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

یعنے جس طرح دریا کو گہر مین اضطراب کا موقع نہ ملنے سے تنگیٔ جا کی شکایت ہے اسیطرح اضطراب شوق کو دل مین۔

مایۂ ناز دہلی حضرت بیخود بالقابہ کا یہ خیال بھی صحیح نہین ہے کہ گہر اور دل کی تشبیہ نئی ہے اس قول کو بیدل کا یہ شعر باطل کئے دیتا ہے ؎

دل آسودۂ ما شور دریا در نظر دارد　　　گہر دزدیدہ است اینجا زبان موج دریا را

اب مجھے حضرت آسی اور جناب سُہا (شارحین دیوان غالب) سے کچھ عرض کرنا ہے۔ حضرت آسی فرماتے ہین۔

" میرا شوق اتنا زیادہ ہے کہ اُس کو میری تنگدلی کی شکایت ہے، یہ واقعہ ایسا ہے کہ جیسے ایک موتی مین تمام دریا سما گیا، مگر یہ مضمون مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی کے یہان یون بندھا ہوا ہے صفائی

وغیرہ وہان بھی نہیں ہے، مگر ہم مضمون ہونے کی وجہ سے شعر لکھتا ہون

دل آسودۂ ما شور دریا در نظر دارد گہر ز دیدیست اینجا زبان موج دریارا

یعنی ہمارا دل جس کو تو آسودہ دیکھتا ہے اُس میں ایک عالم کا شور سمایا ہوا ہے گویا موتی میں دریا بھر کا اضطراب ہے "

التماس بیخود موہانی۔ اس فاضل شارح نے کچھ اس طرح دونون شعرون کا مفہوم بیان کردیا ہے بیساختہ پیار آتا ہے، اس پر غضب یہ کیا کہ دونون کو ہم مضمون بھی کہہ دیا۔ اور بیدل کے شعر کا مطلب تو اس طرح سلجھا کر لکھ دیا کہ سخن فہمی بلائیں لے نکتہ سنجی صدقے ہو۔ حالانکہ بیدل علیہ الرحمہ صاف صاف کہتے ہین :۔

ہمارا نفس مطمینہ (دل آسودہ) عالم امکان کے تمام شور و شر نظر مین رکھتا ہے، عجب تماشا ہے کہ موتی نے موج دریا کی زبان چرالی ہے یعنے جو لوگ ہنگامہ ہستی کے شور و شر مین خود الجھے ہوئے ہین وہ اُسکے سمجھنے سے قاصر ہین۔ اسے ہم لوگ (صاحب نفس مطمینہ) خوب سمجھتے ہین اور ہمین سے بیان بھی کرسکتے ہین، اسکے بعد حیرت سے کہتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ یہ موتی (دل آسودہ) موج دریا کی زبان بن گیا، یعنے بالعموم سمندر کے تلاطم کا حال موجون سے معلوم ہوتا ہے، لیکن یہان موتی (جس مین شوریدگی کے بجائے آرمیدگی ہے) طوفان کی حالت ظاہر کر رہا ہے، اب اہل انصاف نظر فرمائین کہ ایسے دو شعر جن مین صرف گہر اور دریا مشترک ہے کہان تک ہم مضمون کہے جانیکے قابل ہین۔ اور بیدل کے شعر مین صفائی نہین کہ جدت نہین، بلندی نہین کہ لطافت نہین، مختصر یہ کہ کیا نہین ہے۔

اہل خبر جانتے ہین کہ، غالب بے نقاب کی بنیاد اُن الہامات پر رکھی گئی ہے

جن کا جلوہ صحیفہ آسی (شرح دیوان غالب) مین نظر آتا ہے، صرف اتنا فرق ہوگیا ہے، جتنا انسانی آواز اور قرنا کی صدا مین ہوتا ہے، ہان یہ ضرور ہے کہ اب یہ آواز کچھ زیادہ ہیبتناک اور زیادہ سامعہ خراش ہوگئی ہے، ہم جناب آرگس کو جانتے ہین مگر جب اُنھون نے خود آرگس کا روپ بھرا ہے تو پردہ دری کچھ ضرور نہین۔ اور عجب نہین جو یہ پردہ اسی روز بد کے خوف سے اختیار فرمایا گیا ہو۔

مگر کیا کہنا جناب سہا کا۔ حضرت آرگس نے دل آسودہ کو دل شوریدہ سے بدل دیا تھا اِس فارسی مضمار نکتہ نوازی نے اشہب خامہ کو اسی میدان مین گرم جولان کردیا اور فرمادیا کہ بیدل کہتا ہے کہ:۔

"میرے دل مین تمام عالم امکان کے مد و جزر موجود ہین جس طرح کسی جزو مین اپنے کل کے تمام خواص پائے جاتے ہین اُسی طرح ہر وجود ممکن مین تمام عالم امکان کے خصوصیات موجود ہین"

اِس مین شک نہین کہ یہ مطلب اسقدر سلجھا کر لکھا ہے کہ سرسری نظر مین غلطی کا احتمال بھی نہین ہوتا، مگر اُن کو دیکھنا چاہیے تھا کہ اگرچہ دل شوریدہ اور قلزم طوفانی عالم امکان مین مشابہت ہے لیکن گھر سے اُسکا استعارہ غلط ہے اور کسقدر غلط، اسلیے کہ گھر مین آسودگی ہوتی ہے شوریدگی نہین ہوتی۔

اب مین مرزا کے شعر کا وہ مطلب عرض کرتا ہون، جس کی طرف کسی شارح کی نظر نہین گئی اور جو نہایت صاف ہے اور جس پر کوئی اعتراض نہین ہوتا۔

حل:۔ شاعر حیرت و استعجاب کے لہجہ مین کہتا ہے کہ اضطراب دریا تو گھر مین سماجاتا ہے مگر اضطراب شوق کو دل مین بھی تنگی جا کی شکایت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعر نے نظر ڈالی تو سب سے زیادہ مضطرب، سب سے بڑھکر طوفان خروش چیز دریا (سمندر) کو پایا، اُسکے ضطراب، اُسکے جوش و خروش کا مقابلہ ضطراب شوق (عشق) سے کرکے ایک کو انتہا کا پست دوسرے کو انتہا کا بلند دکھا دیا، ظاہر ہے کہ بجلی کی تڑپ اگرچہ ضرب المثل ہے مگر اُس مین یہ بات کہان ابھی تڑپی ابھی غائب مگر دریا کا ضطراب آٹھ پہر چونسٹھ گھڑی رہتا ہے، اُس کی روانی کبھی رُکتی نہین، پھر جوش و خروش کا جو منظر دریا مین نظر آتا ہے وہ بجلی مین کہان۔

مرزا کہتا ہے کہ ضطرابِ دریا کو ضطرابِ شوق سے کیا نسبت ضطرابِ دریا کی بساط صرف اتنی ہے کہ ادھر دریا (پانی) نے موتی کی صورت اختیار کی۔ اُدھر اُسکا ضطراب (جو خاصۂ طبعی کی حیثیت رکھتا ہے) کافور ہوگیا، اگرچہ موتی مین گنجائش ہی کتنی ہے، اُسکے مقابلہ مین ضطراب شوق کی وسعت دیکھئے کہ دل ایسے مقام مین بھی تنگیٔ جا کا شاکی ہے، جس کی وسعت کا یہ عالم ہے اُس مین صرف کونین ہی نہین جلوہ ہائے ربانی بھی سما سکتے ہین ؎

ارض و سما کہان تری وسعت کو پا سکے　　میرا ہی دل ہے وہ کہ جہان تو سما سکے

(خواجہ میر درد علیہ الرحمہ)

ہنوز محرمیٔ حسن کو ترستا ہون　غالب　کرے ہے ہر بُنِ مُو کام چشم بینا کا

در ہر بُنِ مُو کہ می نہی گوشش　فیضی　فوارۂ فیض اوست در جوشش

آرگس، ”غالب کا خیال ہے کہ ہر بُنِ مُو چشم بینا بن گیا ہے، مگر مین ابتک محرم نہین ہوا فیضی کہتا ہو کہ ہر بال ایک فوارہ جوشان فیض آلہی ہے

اور بجائے اشتراک خیال بُن مُو پر رکھی گئی ؟

سُہا۔ جناب آرگس بعد شرح اشعار کہتے ہین کہ بنائے اشتراک خیال بُن مو پر رکھی گئی ہے یعنے آرگس صاحب کے نزدیک چونکہ ہر دو شعار مین بُن مُو موجود ہے لہذا دونون شعرون کا مفہوم بھی ایک ہوگا، مگر لفظ بن مُو دونون شعرون مین ایک ہی مفہوم پر استعمال نہین کیا گیا ہے فیضی کے یہان واقعی لغوی مفہوم مین آیا ہے، لیکن غالب کے شعر مین محاورہ ہے جس کے معنے ہمہ تن کے ہین مضمون کا فرق یہ ہے کہ غالب کہتا ہے کہ ہمہ تن چشم بینا ہو جانے پر بھی نظارہ حسن سے کما حقہ محروم ہون۔

فیضی کہتا ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ فیوض غیب سے طوفان بکنار ہے ؟

بیخود۔ جناب سُہا نے غالب اور فیضی کے شعار مین جو فرق بیان کیا وہ صحیح ہے، مین اتنا اضافہ اور کرنا چاہتا ہون کہ غالب کے شعر مین محرم کی لفظ لاجواب ہے محرم وہ ہے جس سے پردہ نہو، یعنی سراپا چشم بینا بن گیا ہون۔ پھر بھی ذات الٰہی جو حسن مجسم ہے میری نظرون سے پنہان ہے

گر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا	غالب	مین اور بزم مے سے یون تشنہ کام آؤن
تو خود این توبہ نکردی کہ مرا مے نہ دہی	(بیگی۔ دختر امیر علی حلاز)	من اگر توبہ زمے کردہ ام اے سرو سہی
پیش ابر کرم پیر مغان این ہمہ نیست	شیخ علی حزین	چہ شد از توبہ اگر دامن خشکے دارم

جناب آرگس: بجنسہ یہ خیال بیگی کے شعر سے ملتا ہے، رہا علی حزین کا شعر وہ بھی کچھ زیادہ دور نہیں ہے غور کرنے پر اُسی منزل پر جا پہونچتا ہے۔

بیخود۔ مین پہلے جناب آرگس کے پیش کردہ اشعار سے بحث کرونگا، پھر اپنی شرح غالب غیر مطبوعہ کی نقل حاضر خدمت کرونگا، فیصلہ ارباب نظر فرمائینگے۔

بیگی

من اگر توبہ ز مے کردہ ام اے سرو سہی — تو خود این توبہ نہ کردی کہ مرا مے نہی

یعنی تو خود کیون نہیں پلا دیتا۔

اگرچہ لب جوئبار بھی متعلقات مے کشی سے ہے جہان سرو کی باڑھ قدرتاً ہوتی ہے یا لگائی جاتی ہے، مگر یہان ساقی اور معشوق کو سرو سہی کہہ کر شاعر نے کوئی فائدہ نہین اُٹھایا اور یہ ٹکڑا شعر کو مطلع کرنے کے شوق مین رکھا گیا ہے اور برائے بیت ہے، پھر بھی ایمان کی یہ ہے کہ بیگی کا شعر آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اِس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رند کے توبہ کرنے کا علم ساقی کو تھا جب وہ اُسے دور مین چھوڑ کر آگے بڑھا ہے تو اُسنے مذکورہ بالا مضمون ادا کیا ہے، اِس حالت مین ساقی سے نگاہون کے ملنے اور شکوہ کرنے کے انداز نے (جس کا تصور ہونے لگتا ہے) بڑا مزہ پیدا کر دیا ہے۔

(حزین)

چہ شد از توبہ اگر دامن خشکے دارم — پیش ابر کرم پیر مغان این ہمہ نیست

اگر توبہ کی وجہ سے میرا دامن خشک ہے تو ہو، پیر مغان کے ابر کرم کے سامنے یہ کونسی بڑی بات ہے جب اُسے لہر آگئی توبہ ٹوٹ جائے گی، اور پھر مین ہونگا اور

میکشی کے مزے"

نکتہ ۔ جب انسان توبہ کرتا ہے اور زاہدانہ خیالات اُسکے دل مین موجزن ہوتے ہین ۔ تو اُسے زمانۂ رندی کی تمام حالتین (مثلاً دامن کا آلودہ شراب ہونا، بدمستی مین اُٹھ اُٹھ کر گرنا، اور گر گر کے اُٹھنا) نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتی ہین. مگر جب پیمانہ صبر لبریز ہوجاتا ہے اور دل مین شکست توبہ کا خیال قیامت برپا کردیتا ہے، تو اُسے زندگی زاہدانہ کی تمام ادائین زہر معلوم ہونے لگتی ہین اور اُس کا دل چاہنے لگتا ہے کہ مین پھر شراب مین نہاتا، پھر میرے دامن پر شراب کے دھبے نظر آتے ہین پھر رندن کے جھگھٹے مین بیٹھتا وغیرہ وغیرہ حزین کے دل مین یہ حسرتی کیفیت قیامت برپا کررہی ہے، اب تائب ہوکر پچتاے ہین اور توبہ ٹوٹا ہی چاہتی ہے

غالب

مین اور بزم مے سے یون تشنہ کام آؤن　　گر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

وجوہ بلاغت اس شعر مین کئی ٹکڑے معنے خیز ہین۔

مین اور، اس سے سمجھ مین آتا ہے کہ یہ میکش دھاوت کا پینے والا ہے۔ اسکے فضائل رندانہ سے ساقی اور رندونکا سارا گروہ خوب واقف تھا، یہ وہ تھا جس کی رندی پر لوگ ایمان لاچکے تھے، جس پر ساقی کی خاص نظر عنایت تھی، جسے شراب نہ ملنے سے اتنی تکلیف ہوئی جتنی ہر رند کو نہ ہوتی اور جسے شراب نہ ملنے کی تکلیف کے ساتھ ساتھ رندون مین اپنی بے آبروئی پر خشمگین ہونے کی بھی اذیت ہے وغیرہ وغیرہ۔

یون، سے سننے والے کی نظر مین ایسے رند ناکام کی تصویر پھر جاتی ہے جسے

اپنی ناکامی پر انتہا کا ملال۔ حد کا غصہ ہو، اور تکلیف خمار جس کی جان لیے لیتی ہو، جسے جماہی پر جماہی، انگڑائی پر انگڑائی آرہی ہو، جس کی رگین ٹوٹ جانے پر تیار، جسکی نبضین چھوٹ جانے پر آمادہ ہون، رنج ناکامی و بے آبروئی سے جسکے پاؤن من من بھر کے ہو گئے ہون۔ جس کا سر تکلیف خمار سے اُٹھتا نہ ہو، اسکے سوا کس مپرسی کی تصویر بھی سامنے آجاتی ہے کہ رند تو رند ساقی نے بھی بات نہ پوچھی جس کی حالت میزبان کی سی ہوتی ہے۔

تشنہ کام[۱]، سے حلق و زبان کے کانٹون کا تصور ہونے لگتا ہے جو شدت تشنگی کا ترجمان ہے۔

آؤن[۲] سے بزم شراب مین تشنہ کام مگر دل پر اُمید لیے ہوئے جانے اور لب تشنہ اور دل مایوس لیے ہوئے پلٹنے کیحالت آئینہ ہو جاتی ہے۔

بزم[۳] مے، اس ٹکڑے نے بھی معنے شعر مین زور پیدا کر دیا ہے۔ اگر تنہائی مین ساقی نے یہی برتاؤ کیا ہوتا تو ناگوار ضرور ہوتا مگر نہ اتنا۔

دوسرے مصرع مین کہتا ہے کہ مین نے تو شراب اسلیے نہ مانگی کہ توبہ کر چکا تھا آخر ساقی نے ضیافت کیون نہ کی یعنے اس ظالم کی سمجھ مین یہ نہ آیا کہ رندون کی توبہ ہی کیا، اور اگر اسے پینا نہ ہوتا تو رندون کے جگھٹے مین آتا ہی کیون، ہمارا مقصد یہی تھا کہ توبہ کی لاج رہے اور رند پلا دین، یہان رندون کا ذکر کیا، ساقی کمبخت نے بھی جھوٹون نہ پوچھا، اور ظالم کی زبان سے اتنا بھی نہ نکلا کہ اجی پیتے بھی جاؤ۔

ساقی کو کیا ہوا تھا[۴]، اسکے بہت سے مفہوم ہو سکتے ہین، صرف لہجہ مین تغیر پیدا کرنے کی ضرورت ہے مثلاً:۔

(۱) کیا اُسنے بھی توبہ کی تھی۔ اِس مفہوم کو بیگی نے یون ادا کیا ہے ع،

توخود این توبہ نہ کردی کہ مراسے نہی

(۲) کیا ہوش مین نہ تھا۔

(۳) اتنا اتراتا کیون ہے۔

(۴) حیرت ہے کوئی وجہ سمجھ مین نہین آتی۔

(۵) حریفون کی درانداز ی تو اسکا سبب نہین ہے۔

(۶) سمجھینگے، انتقام لینگے۔

(۷) اُسپر میرا احترام واجب تھا۔

(۸) اللہ ری بیدردی، اللہ ری سنگدلی۔

(۹) رندون کی حالت کا صحیح اندازہ رکھتے ہوے ایسی غلطی

(۱۰) کیا مجھے دیکھا نہین۔

(۱۱) کیا میرے توبہ کرنے پر خفا ہے۔

(۱۲) کیا مجھ سے رنجیدہ ہے اور یہ وہ حالت ہے جو رندون یا عاشقون سے دیکھی نہین جاتی۔

(۱۳) کیا کسی خیال مین تھا، وغیرہ وغیرہ۔

اب ہر صاحب ذوق فیصلہ کرسکتا ہے کہ بیگی اور حزین کے شعر ملکر بھی مرزا کے شعر کا پاسنگ نہین ٹھہرتے اور یہ سرقہ ہو نہین سکتا، اِسے توارد کہہ نہین سکتے، ہی یون کہ اِن سب نے ایک ہی عنوان (مبحث) پر قلم اُٹھایا ہے اب جسے خدا دے۔

(غالب)

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین
شایانِ دست و بازوِ قاتل نہیں رہا

(فیضی)

آن شکارم من کہ ہم لائق بکشتن نیستم
شرم می آید مرا از آنکس کہ صیاد من است

آرگس :- بنائے خیال دونون شعرون مین یہان سے شروع ہوئی ہے
فیضی کہتا ہے مین ایسا شکار ہون کہ مار ڈالنے کے قابل نہین ہون،
اسیوجسے مجھے اپنے صیاد سے شرم آتی ہے، غالب بھی یہی کہتے ہین
کہ مین اس لائق نہین کہ مجکو وہ ہلاک کرے، لہذا کوئی اور تدبیر کرنی چاہیے
بیخود :- علامہ فیضی کا شعر سادہ سادہ ہے، فرماتے ہین کہ مین صیدِ زبون ہون جو
اس قابل بھی نہین کہ کوئی اُسے مار ہی ڈالے، ہم کا لفظ بتاتا ہے کہ شوق سے پالنے
کے قابل ہونا تو درکنار اور صدقے مین اُترنے کے لائق ہونا تو بہت دور ہے مین
اس کا بھی اہل نہین کہ کوئی مجھے ذبح کر ڈالے۔ مجھے اپنے صیاد سے شرم آتی ہے
یعنی مین اپنے صیاد کا احسانمند ہون کہ گو مین ایسا صید ہون پھر بھی اُسنے مجھے
اپنے کرم سے صید کیا یعنے معشوق کی ذرہ نوازی تھی جو مجھے صید کرنے کے قابل
سمجھا، انسان کے دل مین ایسی باتین ایسے وقت آتی ہین جب اُس کی قدر ایسی کیجائے
کہ وہ خود کو اُس کا اہل نہ سمجھتا ہو۔ اُسکے دل مین خود شناسی کا مادہ موجود ہو اور وہ
قدر اُس مین غرور نہ پیدا کرسکے۔ یہ جذبہ شریفانہ ہے، ناکس ایسے برتاوے سے اپنے آپکو

(۱) کیا اُسنے بھی توبہ کی تھی۔ اِس مفہوم کو بیگی نے یون ادا کیا ہے ع،

توخود این توبہ نہ کردی کہ مرا سے نہی

(۲) کیا ہوش مین نہ تھا۔

(۳) اتنا اتراتا کیون ہے۔

(۴) حیرت ہے کوئی وجہ سمجھ مین نہین آتی۔

(۵) حریفون کی دراندازی تو اسکا سبب نہین ہے۔

(۶) سمجھینگے، انتقام لینگے۔

(۷) اُسپر میرا احترام واجب تھا۔

(۸) اللہ ری بیدروی، اللہ ری سنگدلی۔

(۹) رندون کی حالت کا صحیح اندازہ رکھتے ہوے ایسی غلطی

(۱۰) کیا مجھے دیکھا نہین۔

(۱۱) کیا میرے توبہ کرنے پر خفا ہے۔

(۱۲) کیا مجھ سے رنجیدہ ہے اور یہ وہ حالت ہے جو رندون یا عاشقون سے دیکھی نہین جاتی۔

(۱۳) کیا کسی خیال مین تھا، وغیرہ وغیرہ۔

اب ہر صاحب ذوق فیصلہ کرسکتا ہے کہ بیگی اور حزین کے شعر ملکر بھی مرزا کے شعر کا پاسنگ نہین ٹھہرتے اور یہ سرقہ ہو نہین سکتا، لِسے توارد کہہ نہین سکتے، ہیون کہ اِن سب نے ایک ہی عنوان (مبحث) پر قلم اُٹھایا ہے اب جسے خدا دے۔

(غالب)

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین
شایانِ دست و بازو قاتل نہیں رہا

(فیضی)

آن شکارم من کہ ہم لائق بکشتن نیستم
شرم می آید مرا زانکس کہ صیاد من است

آرگس:۔ بنائے خیال دونون شعرون مین یہان سے شروع ہوئی ہے
فیضی کہتا ہے مین ایسا شکار ہون کہ مار ڈالنے کے قابل نہین ہون،
اسیوجہ سے مجھے اپنے صیاد سے شرم آتی ہے، غالب بھی یہی کہتے ہین
کہ مین اس لائق نہین کہ مجکو وہ ہلاک کرے، لہذا کوئی اور تدبیر کرنی چاہیے

بیخود:۔ علامہ فیضی کا شعر سادہ سادہ ہے، فرماتے ہین کہ مین صید زبون ہون جو اس قابل بھی نہین کہ کوئی اُسے مار ہی ڈالے، ہم کا لفظ بتاتا ہے کہ شوق سے پالنے کے قابل ہونا تو درکنار اور صدقے مین اُڑنے کے لائق ہونا تو بہت دور ہے مین اس کا بھی اہل نہین کہ کوئی مجھے ذبح کر ڈالے۔ مجھے اپنے صیاد سے شرم آتی ہے یعنی مین اپنے صیاد کا احسانمند ہون کہ گو مین ایسا صید ہون پھر بھی اُسنے مجھے اپنے کرم سے صید کیا یعنے معشوق کی ذرہ نوازی تھی جو مجھے صید کرنے کے قابل سمجھا، انسان کے دل میں ایسی باتین ایسے وقت آتی ہین جب اُس کی قدر ایسی کیجائے کہ وہ خود کو اُس کا اہل نہ سمجھتا ہو۔ اُسکے دل مین خود شناسی کا مادہ موجود ہو اور وہ قدر اُس مین غرور نہ پیدا کر سکے۔ یہ جذبہ شریفانہ ہے، ناکس ایسے برتاؤ سے اپنے آپکو

(۱) کیا اُسنے بھی توبہ کی تھی۔ اِس مفہوم کو بیگی نے یون ادا کیا ہے ع،

تو خود این توبہ نہ کردی کہ مرا سے نہی

(۲) کیا ہوش مین نہ تھا۔

(۳) اتنا اترانا کیون ہے۔

(۴) حیرت ہے کوئی وجہ سمجھ مین نہین آتی۔

(۵) حریفون کی دراندازی تو اسکا سبب نہین ہے۔

(۶) سمجھینگے، انتقام لینگے۔

(۷) اُسپر میرا احترام واجب تھا۔

(۸) اللہ ری بیدردی، اللہ ری سنگدلی۔

(۹) رندون کی حالت کا صحیح اندازہ رکھتے ہوے ایسی غلطی

(۱۰) کیا مجھے دیکھا نہین۔

(۱۱) کیا میرے توبہ کرنے پر خفا ہے۔

(۱۲) کیا مجھ سے رنجیدہ ہے اور یہ وہ حالت ہے جو رندون یا عاشقون سے دیکھی نہین جاتی۔

(۱۳) کیا کسی خیال مین تھا، وغیرہ وغیرہ۔

اب ہر صاحب ذوق فیصلہ کر سکتا ہے کہ بیگی اور حزین کے شعر ملکر بھی مرزا کے شعر کا پاسنگ نہین ٹھہرتے اور یہ سرقہ ہو نہین سکتا، اِسے توارد کہہ نہین سکتے، ہی یون کہ اِن سب نے ایک ہی عنوان (مبحث) پر قلم اُٹھایا ہے اب جسے خدا دے۔

(غالب)

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین
شایانِ دست و بازوِ قاتل نہیں رہا

(فیضی)

آن شکارم من کہ ہم لائق بکشتن نیستم
شرم می آمد مرا از بحس کہ صیاد من است

آرگس :- بنائے خیال دونون شعرون مین یہان سے شروع ہوی ہے
فیضی کہتا ہے مین ایسا شکار ہون کہ مار ڈالنے کے قابل نہین ہون ،
اسیوجہ سے مجھے اپنے صیاد سے شرم آتی ہے ، غالب بھی یہی کہتے ہین
کہ مین اس لائق نہین کہ مجکو وہ ہلاک کرے ، لہذا کوئی اور تدبیر کرنی چاہیے

بیخود :- علامۂ فیضی کا شعر سادہ سادہ ہے ، فرماتے ہین کہ مین صید زبون ہون جو اس قابل بھی نہین کہ کوئی اُسے مار ہی ڈالے ، ہم کا لفظ بتاتا ہے کہ شوق سے پالنے کے قابل ہونا تو درکنار اور صدقے مین اُترنے کے لائق ہونا تو بہت دور ہے مین اس کا بھی اہل نہین کہ کوئی مجھے ذبح کر ڈالے ۔ مجھے اپنے صیاد سے شرم آتی ہے یعنی مین اپنے صیاد کا احسانمند ہون کہ گو مین ایسا صید ہون پھر بھی اُسنے مجھے اپنے کرم سے صید کیا یعنے معشوق کی ذرہ نوازی تھی جو مجھے صید کرنے کے قابل سمجھا ، انسان کے دل میں ایسی باتین ایسے وقت آتی ہین جب اُس کی قدر ایسی کیجائے کہ وہ خود کو اُس کا اہل نہ سمجھتا ہو ۔ اُسکے دل مین خود شناسی کا مادہ موجود ہو اور وہ قدر اُس مین غرور نہ پیدا کر سکے ۔ یہ جذبہ شریفانہ ہے ، ناکس ایسے برتاؤ سے اپنے آپکو

بھول جایا کرتے ہیں۔

غالب کے شعر سے یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ قاتل نے اُسے قتل کرنیکے قابل نہیں سمجھا، بلکہ وہ خود اپنے دل سے کہہ رہا ہے (اسلیے کہ دل انسان کے ہر گناہ ہر ثواب سے اتنا واقف ہے کہ علام الغیوب کے سوا اُس سے زیادہ کوئی واقف ہو نہیں سکتا) کہ اب مرنے کی کوئی اور ہی تدبیر کر (جیسے زہر کھاکر مرجانا، ڈوب مرنا وغیرہ) اسلیے کہ اب میں اس قابل نہیں رہا کہ وہ مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرے، اور اس قابل نہ رہنے کی کوئی وجہ خود نہیں بتاتا، سامع جو چاہے سمجھ لے، کون مانع ہے کہ اس کا سبب بےحوصلگی و بے دلی ہو، انسان تجربہ سے قبل اپنے کو بڑے سے بڑے کام کا اہل سمجھتا ہے، مگر جب اپنی کم جرأتی اور کم حوصلگی کا امتحان کر لیتا ہے تو دل میں پانی پانی ہوتا ہے اور اگلے دعوے بھلا دیتے ہیں، علاوہ اسکے کوئی ایسا گناہ اُس سے سرزد ہو گیا ہو جو کیش محبت میں بخشے جانے کے قابل نہ ہو مثلاً ممکن ہے کہ غیر معشوق کا خیال محبت کے ساتھ دل میں آیا ہو، جفائے یار پر ترک محبت کا ارادہ ہوا ہو، معشوق پر جان نثار کرنیکا موقع آیا ہو اور جان عزیز کیگئی ہو، یہ شعر بلندی فطرت کی تصویر ہے کہ کسی خطا یا ترک اولیٰ کی بنا پر وہ اب اپنے کو شایانِ دست و بازو قاتل نہیں سمجھتا،

بلندی فطرت کی شان فیضی کے شعر میں بھی نکلتی ہے، مگر بلندی فطرت کے بھی مدارج ہیں فیضی کا شعر غالب کے شعر کو نہیں پہنچا، اور اس تمام مطالب پر جس کا ذکر کیا گیا صرف "نہیں رہا" کا ٹکڑا دلالت کرتا ہے یعنے اب سے پہلے اس قابل تھا۔

(۲) اور ہی تدبیر کر۔ کچھ کھاکے سو رہ، اور جتنی صورتیں خودکشی کی ممکن ہیں سب پر یہ ٹکڑا حاوی ہے۔

مولانا آرگس بیخود ناشاد کا یہ شعر پڑھیے، شاید غالب کا شعر سمجھ مین آجائے ؎

ہان یہ ترے خیال کے قابل نہین رہا — بیخود موہانی — اِس دل مین رہ چکی ہے تمنا گناہ کی

ہم کہان کے دانا تھے کس ہنر مین یکتا تھے — غالب — بے سبب ہوا دشمن غالب آسمان اپنا

از من بگیر عبرت و کسب ہنر مکن — عُرفی — با بخت خود عداوت ہفت آسمان مخواہ

آرگس :- ہنرمندی پر آسمان کا دشمن ہونا دونون شعرون مین موجود ہے، یہی بنائے اشتراکِ خیال ہے "

بیخود :- آسمان ہنر والون کا دشمن ہے، یہ امر مشہورات و مسلمات سے ہے اور مسلمات کسی کی ملک نہین ہوا کرتے، مولانا یہ وہی چیز ہے جسے اہل فن غرضے از اغراض یا اُسکے حکم مین قرار دیتے ہین، دیکھنا یہ چاہیے کہ ایک مشہور بات سے کس نے کام کیا لیا عُرفی کہتا ہے کہ میری حالت سے سبق لو اور کسب ہنر نہ کرو، ورنہ ساتون آسمان تمہارے دشمن ہو جائینگے، عُرفی نے اپنی حالت کی طرف متوجہ کرکے اس قول مشہور کی صداقت ذہن نشین کرانا چاہی ہے، اور اُس مین کامیاب ہوا ہے، ظاہر ہے کہ ایک اہل ہنر کی پریشان حالی خود جو اثر دیکھنے والون پر کرتی ہے، اتنا اثر محض اُسکا حال بیان کر دینے سے نہین پڑ سکتا۔

اب غالب کے شعر پر نظر فرمائیے، وہ کہتا ہے کہ ہم نہ عقلمند تھے نہ عالم نہ کسی ہنر مین یکتا، آسمان نے ہم سے بے وجہ دُشمنی کی۔ اِس شعر مین دو پہلو ہین، اور وہ عرفی سے بالکل الگ جا رہا ہے۔

(۱) اِس قول کی شہرت بے بنیاد ہے، ہماری حالت دیکھ لو ہم سراپا بے ہنری

ہین اور پھر آشفتہ حال ہین، اور یہ قول واقعیت سے دست و گریبان ہے، روزمرہ کے شاہد سے اِس پر شاہد ہین کہ جس طرح اہل ہنر تباہ رہتے ہین، خدا کے لاکھون بے ہنر بندے در بدر خاک بسر پھرتے ہین، اہل ہنر کی پریشان حالی زیادہ نمایان نظر آتی ہے جس کا سبب یہ ہے کہ اُن کے ہنر اور اُن کے کمال پر دنیا کی نگاہین پڑتی ہین، اسلیے اُن کی آشفتہ حالی کا رونا زیادہ رویا جاتا ہے، علاوہ برین وہ خود اپنی حالت زار کا ماتم کیا کرتے ہین، اور اُن کی آواز جس مین زور کمال ہوتا ہے فضا مین گونجتی ہے، اور زمانہ اُسکو فریاد بے ہنر کی طرح فنا کر دینے کی قدرت نہین رکھتا۔

(۲) دوسرا پہلو زیادہ لطیف ہے وہ یہ کہ شاعر کو باوجود کمال اپنے مین کوئی علم کوئی ہنر نظر نہین آتا، اور حقیقت مین یہی دلیل کمال ہے، حکیم سقراط کی حالت جس کی شاہد ہے، شاعر کو حیرت انگیز ہے کہ پھر ایسی حالت مین آسمان میرا دشمن کیون ہے۔

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے — غالب — کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

زمردم یار می پرسد کہ عالی کیست طالع بین — عالی — کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا

آرگس :۔ اگرچہ پہلا مصرع بالکل ملتا جلتا ہے، مگر مضمون بالکل عام اور پیش پا اُفتادہ ہے، جو ہر شخص کے ذہن مین آسکتا ہے۔

بیخود :۔ جناب آرگس کی خدمت مین گذارش ہے کہ جب مضمون عام ہے تو پھر اِس شعر پر التفات فرمانے کی ضرورت کیا تھی آپ فرمائینگے کہ توارد کی کثرت دکھانے کے لیے تو مین عرض کرونگا کہ بندہ نواز! شعر دو مصرعون کا ہوتا ہے اگر صرف ایک مصرع ملتا جلتا ہے تو اسے توارد کہنا کہان تک روا ہے، علاوہ برین اِس مضمون کو عام کہنا بھی سراسر

ظلم ہے، اسلیے کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ عمر بھر محبت کرنے والے کو معشوق پہچانے تک نہین، مین دونون شعرون کا فرق نہایت واضح طور پر بیان کیے دیتا ہون۔

معشوق لوگون سے پوچھتا ہے کہ یہ عالی کون ہے تین نہین جانتے۔ عالی (عاشق) اپنے کسی ہمراز سے اس واقعہ کو نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری بدنصیبی دیکھ کہ ساری عمر محبت کرتے اور جان دیتے گزر گئی، اور انجام یہ ہوا کہ وہ مجھے آج تک پہچانتے بھی نہین۔

اس شعر مین اپنے ہمدرد سے "طالع بین" کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا" کہتے وقت نگاہون سے ٹپکتی ہوئی مایوسی اور کم طالعی کے رنج سے چہرے کے اُڑے ہوئے رنگ کا نقشہ آنکھون مین پھر جاتا ہے اور بیان واقعہ مین شان واقعہ پیدا ہوجاتی ہے اور اس مین شک نہین کہ شعر کا اثر کہین سے کہین جا پہنچتا ہے، عالی کا شعر معشوق کی بیگانہ وشی و بے اعتنائی اور عاشق کی بے دست و پائی کا مرقع ہے

اب دیکھنا چاہیے کہ غالب کے شعر مین اسکے سوا کچھ اور بھی ہے یا نہین ؎

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

اس شعر مین "پوچھتے ہین وہ" کو اس ٹکڑے سے ملا کر دیکھیے "کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا" تو صاف نظر آئیگا کہ یہ بھی اس شعر سے سمجھ مین آتا ہے کہ معشوق نے کسی اور سے یہ سوال کیا، اور یہ بھی سمجھ مین آتا ہے کہ خود عاشق ہی سے براہ راست پوچھا ہے، عالی کے یہان "زمردم بارمی پرسد" یعنی معشوق صرف اور لوگون سے پوچھتا ہے۔ غالب کے یہان معنی مین اتنی زیادتی تو ہین موجود ہے۔

اِس شعر سے معشوق کی بیگانہ خوئی و بے اعتنائی اور عاشق کی شرمندگی و بیدست و پائی (یہ باتین عالی کے شعر مین بھی پائی جاتی ہین) کے علاوہ محبوب کی ستم ظریفی، بلندیٔ مرتبہ اور عاشق کی حالت زار اور اثر طول فراق و گرفتاریٔ فریب محبت و یاس و غضب وغیرہ بھی صاف نظر آتا ہے۔

"کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھری محفل مین ہو رہا ہے۔ ایسی حالت مین یہ سوال سُنا ہے تو بجلی سی گری ہے اور گھبرا کر اُس مجمع کی طرف خطاب کرتا ہے کہ للہ بتاؤ و مین کیا جواب دون، شعر کا شعر بیان واقعہ نہین واقعہ ہے۔ وہان "طالع ہین" سے مایوسی ٹپکتی تھی، تو یہان "کوئی بتلاؤ" سے حیرانی اور دل مین چھپی ہوئی مایوسی برستی ہے۔

عالی اور غالب دونون کے اشعار مین یہ مفہوم مشترک ہے ؎

امروز عیان شد کہ نداری سر اہلی　　بیچارہ غلط داشت بہر تو گمانہا

ترجمہ: آج معلوم ہوا کہ تجھے اہلی کا خیال بالکل نہین اُس غریب کو تیری محبت سے کیا کیا گمان تھے۔

معشوق جان بوجھ کر انجان بن رہا ہے، جو ایک طرح کی چھیڑ بھی ہو سکتی ہے، مگر عالی کے شعر مین اس کی گنجائش نہین۔ زمانہ فراق نے اسقدر طول کھینچا ہے، اور صورت ایسی بدل گئی ہے کہ وہ پہچانتے ہی نہین۔

بالالتزام یہ بھی نکلتا ہے کہ جب تک معشوق نے اسکے متعلق پوچھا نہ تھا عاشق کو خبر نہ تھی کہ میری حالت ایسی متغیر ہے۔

ایک خوبصورت پہلو اور بھی ہے۔ یعنی معشوق نے پوچھا ہے تو دل مین آتا ہے کہ

یہ کہہ دون۔ ع آپ کی جان سے دور آپ پہ مرنے والے

پھر یہ کہتے ہوے ڈرتا ہے کہ کہین بنتا ہوا کام بگڑ نجائے، اسی گھبراہٹ مین اُس کے حاشیہ نشینون سے پوچھتا ہے کہ تم لوگ مزاجدان ہو بتاؤ کہ جواب مین کیا کہون۔

اب میرے خیال مین دونون شعرون کا فرق صاف ظاہر ہوگیا ہے، ایسے اشعار کو توارد کی کار فرمائی سمجھنا اور سمجھانا سخت گناہ ہے، بہ اعتبار اختصار بھی مرزا کے شعر کو ترجیح دینی چاہیے۔

نکتہ:۔ یاد رکھنا چاہیے کہ رفتہ رفتہ دلبری و دلربائی معشوق کا شیوہ ہوجاتی ہے اُن کی ہر بات، اُن کی ہر نگاہ ادا ہوجاتی ہے بے ارادہ لگاوٹ اپنے کرشمے دکھاتی ہے اور گرفتاران دام محبت فریبِ وفا و محبت مین گرفتار رہتے ہین، جب اُن کی طرف سے حق محبت کا اظہار ہوتا ہے تو ایسے جواب ملتے ہین کہ بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے ؎

امروز عیان شد کہ نداری سر الفت   بیچارہ غلط داشت بھرتو گما تھا

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق   غالب   ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

گرد فنا شد حریفان بزم عشق   ۱۷ علم   برخاک ریز جرعۂ مرد آزمائے ما

آرگس:۔ مے مردافگن اور جرعۂ مرد آزما شارکت خیال کا سبب ہین

اور خیال بھی تقریباً یکسان ہین، مرزا فاخر مکین کا بھی یہی مضمون ہے

زن سیرتان دو رجهان راخبر کنید

ساقی گرفت جرعۂ مرد آزمائے ما"

سہاؔ:۔ اسکے (شعر غالب) مقابلہ مین دو دور از کار اشعار پیش کیے گئے ہین، جن مین محض الفاظ (ترکیب) مرد آزما ہونے کی وجہ سے طبع آزمائی فرمائی گئی ہے، مطلب سے حسب عادت کوئی سروکار نہین ہے

بیخودؔ:۔ پہلے پہ کو پیتی سے بدل لیجئے، جناب آرگس کی تو وہی حالت ہوگئی جسے مُلّا جامی نے اپنے لاجواب مطلع مین ظاہر کیا ہے ع

ہر کہ پیدامی شود از دور پندارم توئی

لفظ کی جھلک غلط انداز نگاہ سے دیکھی اور سرقہ یا توارد کی تان لگائی، جناب سُہا کے جواب کا انداز بھی سوال سے کچھ کم دلکش نہین۔

مطلب سے کچھ سروکار نہین، اتنا کہا اور حق جواب ادا ہوگیا، اب مین نفس مطلب بحث کرتا ہون۔

"مے مرد آزما" وہ شراب جس سے مردون کا امتحان لیا جاسکے یعنی جسے وہ اُلٹ نہ دے وہ مرد ہے۔

"مے مرد افگن" مردون کو زیر کرنے والی شراب

"لا اسلم" گرد فنا شدند الخ

مریضان بزم عشق گرد فنا (خاک ہوگئے) ہوگئے۔ اے ساقی ابہاری۔ (عشاق کامل میکشان کامل) مرد آزما شراب زمین پر لنڈھا دے۔ یعنے اب اس کا کوئی پینے والا نہین رہا۔

زن سیرتان دور جہان را خبر کنید
ساقی گرفت جرعۂ مرد آزمائے ما (مرزا فاخر)

دور دنیا کے بودوں سے کہہ دے کہ ساقی نے اب ہماری مردآزما شراب اٹھائی ہے یعنی کہیں بھول کر بھی جسارت نہ کر بیٹھنا ورنہ خیر نہ ہوگی۔

(غالب)

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق ہے مکرر لبِ ساقی میں صلا میرے بعد

(۱) میرے مرجانے کے بعد ساقی بار بار کہتا ہے کہ ہے کوئی جو عشق کی مرد افگن شراب کا حوصلہ رکھتا ہو، اس میں اتنا نگر انقدر ہے" اور کوئی نہیں بڑھتا۔

(۲) ساقی کے صلائے عام پر بھی جب کوئی ہمت نہیں کرتا تو وہ افسوس کے لہجے میں زیر لب کہتا ہے "کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق" الخ اور اس طرح شعر میں یہ خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے کہ پہلی مرتبہ صلائے عام کی آواز، دوسری بار حسرت کے لہجے میں اپنے الفاظ کا اعادہ، یہ تمام باتیں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں اور ساقی کی تصویر پہلے نظر آتی ہے پھر اُسکے الفاظ کانوں میں گونجنے لگتے ہیں اور مردہ مضمون میں جان پڑ جاتی ہے یہ واقعہ ہے کہ مرزا فاخر کے شعر میں بوہیں سا بانکپن نکلتا ہے، دوسرے شعر میں "گرد فنا شدند" الخ" میں دل کو لہو کر دینے والا اثر ہے، اب رہا مرزا غالب کا شعر اُس میں ایسا اثر ہے، جس سے دل کی رگیں ٹوٹنے لگتی ہیں اسلیے کہ ساقی رندوں کی جان ساقی (معشوق) کو صلائے عام کی ضرورت پڑے اور پھر اس دعوت کی اجابت کرنیوالا کوئی نہ ہو جبکی سب تمنیں کرتے رہے ہوں، آج وہ یوسف کا کاروان ہو جائے، اگر معشوق مراد ہو تو یہ مفہوم ہوگا کہ حسن و ادا سب بیکار ہو گئے، رندوں کے رنج اور ساقی کے رنج میں فرق ہے، بیخود ناشاد کا یہ شعر پڑھیے تو مرزا کے شعر کا پورا لطف آسکے ۔

امنگ کا یہ رنگ ہے ہجوم و رنج و یاس میں
بیخود
کہ جس طرح کوئی حسین ہو ماتمی لباس میں

چھوڑونگا میں نہ اُس بت کافر کا پوجنا، غالب چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر
خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی میکند خسرو آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

آرگس:۔ "خیال عام اور معمولی ہیں، مگر اتنے قریب ہیں کہ جدائی مشکل ہے۔"

بیخود:۔ جب خیال عام ہیں اور معمولی تو پھر یہاں پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ "چھوڑونگا میں نہ" اور "چھوڑے نہ خلق گو" ان ٹکڑوں سے غالب کے شعر کا حسن بڑھ گیا ہے۔

گرنی تھی ہمپہ برق تجلی نہ طور پر غالب دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر
نہ کوتہی ز عطا بود عشق می داند عرفی کہ بر کرشمہ ما تنگ بود خلعت طور

آرگس:۔ عرفی نے کہا تھا کہ ہمپر جو برق تجلائے طور نہیں گری تو یہ عطا کی کوتاہی نہیں تھی، عشق کو یہ راز معلوم ہے کہ ہمارے جسم پر خلعت طور تنگ تھی (تھا) یعنی وہ ہمارے قابل نہ تھا، غالب کے یہاں خیال اس سے گھٹا ہوا ہے، وہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ طور پر برق تجلی کیوں گری ہمپر کیوں نہ گری؟

بیخود:۔ آپ نے خلعت طور کا ترجمہ برق تجلے غلط کیا ہے خلعت طور

سے مراد خلعت نبوت موسوی یا خلعت پیغمبری یا کلیمی ہے۔

چنانچہ عُرفی کہتا ہے کہ مجھے اگر نبوت نہ ملی تو اس سے عطا کا نقص نہین پایا جاتا، کیونکہ خلعت نبوت میرے لیے کوتاہ تھی (تھا) گویا مجھے اِس سے بہتر خلعت دیا گیا۔ یعنی خلعت عشق، چنانچہ عشق می داند کا قرینہ اِسی مطلب کی توضیح ہے۔

اور غالب کہتا ہے کہ خود وہ برق تجلائے طور (جسکو عرفی عطا کے لفظ سے ظاہر کرتا ہے) جو طور کو سوختہ کر سکتی ہے اور خلعت نبوت و عشق عطا کرتی ہے ہمپر گرنی چاہیے تھی کیونکہ ہمارا ہی ظرف ایسا ہے کہ ہم اُس کو دل مین رکھ لیتے اور کسی کو خبر نہوتی، ہم طور کی طرح سوختہ نہوتے، اور موسیٰ کی طرح ہوش و حواس نہ کھو بیٹھتے۔"

بیخود:- عرفی کے یہان یہ شعر ہے

نہ کوتہی ز عطا بود عشق می داند	کہ بر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طُور

اِن اشعار کے بعد ہے

طلب بیار و مترس از متاع منع کلیم	بساط عذر میار اکہ نیستی معذور
اگر بجشمۂ مقصود ست عشوۂ ما	شکست ساغر اُمید او بسنگ فتور
نہ کوتہی ز عطا بود عشق میداند	کہ بر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طُور

متاع منع کلیم۔ لن ترانی۔ تو مجھے ہرگز نہین دیکھ سکتا۔

مین اِن اشعار کا مختصر مطلب عرض کیے دیتا ہون

عشق اور سچی آرزو پیدا کر اور مینے جو کلیم سے لنترانی کہدیا ہے اُسے حیلہ نہ بنا

امنگ کا یہ رنگ ہے ہجوم درد و یاس مین
بیخود — کہ جس طرح کوئی حسین ہو ماتمی لباس مین

چھوڑونگا مین نہ اُس بت کافر کا پوجنا، غالب — چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر
خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی میکند خسرو — آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

آرگس:۔ خیال عام اور معمولی ہین، مگر اتنے قریب ہین کہ جدائی مشکل ہے۔"

بیخود:۔ جب خیال عام ہین اور معمولی تو پھر یہان پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ "چھوڑونگا مین نہ" اور "چھوڑے نہ خلق گو" اِن ٹکڑون سے غالب کے شعر کا حسن بڑھ گیا ہے۔

گرنی تھی ہمپہ برق تجلی نہ طور پر غالب — دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر
نہ کوتہی ز عطا بود عشق می داند عرفی — کہ برکرشمہ ما تنگ بود خلعت طور

آرگس:۔ عُرفی نے کہا تھا کہ ہمپر جو برق تجلائے طور نہین گری تو یہ عطا کی کوتاہی نہین تھی، عشق کو یہ راز معلوم ہے کہ ہمارے جسم پر خلعت طور تنگ تھی (تھا) یعنی وہ ہمارے قابل نہ تھا، غالب کے یہان خیال اس سے گھٹا ہوا ہے، وہ صرف اتنا کہتے ہین کہ طور پر برق تجلی کیون گری ہمپر کیون نہ گری۔"

بیخود:۔ آپ نے خلعت طور کا ترجمہ برق تجلی غلط کیا ہے۔ خلعت طور

سے مراد خلعت نبوت موسوی یا خلعت پیغمبری یا کلیمی ہے۔

چنانچہ عُرفی کہتا ہے کہ مجھے اگر نبوت نہ ملی تو اس سے عطا کا نقص نہیں پایا جاتا، کیونکہ خلعت نبوت میرے لیے کوتاہ تھی (تھا) گویا مجھے اِس سے بہتر خلعت دیا گیا۔ یعنی خلعت عشق، چنانچہ عشق می داند کا قرینہ اِسی مطلب کی توضیح ہے۔

اور غالبؔ کہتا ہے کہ خود وہ برق تجلائے طور (جسکو عرفی عطا کے لفظ سے ظاہر کرتا ہے) جو طور کو سوختہ کر سکتی ہے اور خلعت نبوت و عشق عطا کرتی ہے ہمپر گرنی چاہیے تھی کیونکہ ہمارا ہی ظرف ایسا ہے کہ ہم اُس کو دل مین رکھ لیتے اور کسی کو خبر نہوتی، ہم طور کی طرح سوختہ نہوتے، اور موسیٰؑ کی طرح ہوش و حواس نہ کھو بیٹھتے۔"

بیخود:- عرفی کے یہان یہ شعر ہے

نہ کوتہی ز عطا بود عشق می داند | کہ بر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طُور

اِن اشعار کے بعد ہے

طلب بیار و مترس از متاع منع کلیم | بساط عذر میار اکہ نیستی معذور
اگر بجشمۂ مقصود ست عشوۂ ما | شکست ساغر اُمید او بسنگ فتور
نہ کوتہی ز عطا بود عشق میداند | کہ بر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طُور

متاع منع کلیم۔ لن ترانی۔ تو مجھے ہر گز نہین دیکھ سکتا۔

مین اِن اشعار کا مختصر مطلب عرض کیے دیتا ہون

عشق اور سچی آرزو پیدا کر اور مینے جو کلیم سے لن ترانی کہدیا ہے اُسے بہانہ نہ بنا

اور یہ نہ کہہ کہ اُدھر سے صاف جواب مل چکا ہے اب کس توقع پر دیدار کی تمنا کرین، اگر ہمارے عشوہ کے ہاتھون کلیم کی اُمید کا ساغر چشمہ مقصود پر سنگ فتور سے چور چور ہو گیا (یعنی اُسکی یہ تمنا پوری نہ کی گئی) تو عشق خوب جانتا ہے کہ اسکا سبب کوتاہی کرم نہ تھی، بلکہ ہمارے کرشمہ کیلیے خلعت طور تنگ یا ننگ تھا، یعنی طور مین اتنا تحمل نہ تھا کہ ہمارے جلوہ کا متحمل ہوتا، اگر موسےٰ نے دل کی آنکھ اور عشق کی نگاہ سے دیکھنا چاہا ہوتا تو اُن کی یہ آرزو ضرور پوری کیجاتی۔

اب اہل نظر انصاف فرمائین کہ عُرفی کہین بھی پیمبری کو اپنے قابل نہ سمجھنے کا نام لیتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ مجکو خلعت عشق دیا گیا ہے جو خلعت نبوت سے بہتر ہے۔

غالب کہتا ہے کہ ہم بار امانت کے حامل ہین برق تجلّے کا تحمل ہم کو ہو سکتا ہے، طور پر تجلی کی ضرورت کیا تھی، یہ وہی ہے جسنے بار امانت کے تحمل سے انکار کیا تھا، مختصر یہ کہ تیری ایک تجلی رائگان گئی۔

یا رب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھینگے مری بات — غالب — دے اور دل انکو جو نہ دے مجکو زبان اور

زبان شوخ من ترکی و من ترکی نمیدانم — خسرو — چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہان من

آرگس: دونون مصرعون مین ایک قسم کا فرق ہے، خسرو کا مصرعہ نہایت چست ہے، اگرچہ غالب کا فلسفیانہ انداز کا نہایت کامیاب مصرع ہے۔"

بیخود: میرے نزدیک دونون شعر بالکل الگ ہین، خسرو کہتا ہے کہ میرے چنچل معشوق کی زبان ترکی ہے اور ترکی مجھے آتی نہین، کیا اچھا ہوتا، اگر اُسکی زبان

میرے دہن مین ہوتی کہ اپنی کہتا اور اُسکی سُنتا۔ ہان اِس ٹکڑے مین کہ "بودے زبانش در دہانِ من" مین مزے کا ایہام پیدا ہوگیا ہے۔

غالبؔ کہتا ہے، اے میرے پروردگار وہ (معشوق) ابتک میرا مدعا نہین سمجھے اور نہ سمجھینگے اگر تو مجکو ایسی زبان نہین دیتا جس کا اثر اُن کے دل پر پڑے، تو اُن کے دل کو بدل دے۔

(۱) اِسکا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ ایسا کمسن ایسا بے پروا اور ایسا بھولا ہے یا اُسنے ایسی تربیت مین پرورش پائی ہے کہ دلِ عشاق کی تمنا سے بخبر ہے اور نہ آج میری سمجھتا ہے نہ آئندہ سمجھنے کے آثار پاے جاتے ہین (نہ سمجھینگے بیتابیٔ شوق نے کہلوادیا ہے) اور عشق کو تاب انتظار نہین، اگر تو میری زبان مین اثر نہین دیتا تو اُسکے دل مین ویسے ہی شوق کے جذبات پیدا کردے جو میری جان لیے لیتے ہین۔

اِس صورت مین یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب معشوق ایسا کمسن یا سادہ دل ہے تو پھر اس دُعا کے کیا معنی، اسکا جواب یہ ہے کہ اس دعا سے عاشق کی بیتابیٔ شوق اور تکلیف انتظار کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۲) کلام غالبؔ مشکل تھا، اسپر صرف گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل ہی نہین سارا دیوان اور شرحون کی آشفتہ بیانی دال ہے، لوگون کے نہ سمجھنے سے تنگ آکر یہ یہ دعا کرتے ہین۔

نکتہ:۔ مرزا نے یہ نہین کہا کہ جو اُن کا دل نہین بدلتا تو میری زبان بدل دے بلکہ اُسکے برعکس، یعنی اگر نہ مجھے اور زبان نہین دیتا تو اُن کو اور دل دے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل زمانہ کی نافہمی سے آنا دل دُکھا ہے کہ اب یہ دعا نہین کیجاتی کہ

اُن کا دل بدل دے بلکہ یہ کہتے ہین کہ مین ایسی زبان سے در گزرا جس کے سمجھنے والے نہین ملتے۔

پہلے مطلب مین "جو نہ دے مجکو زبان اور" سے یہ منشا ہو گا کہ اُسکا دل تو یہی چاہتا ہے کہ خود اُنکی زبان مین اثر ہوتا اور معشوق اُس سے متاثر ہو کر رام ہوتا تو اسکا کیا کہنا تھا، یہ نہین کرتا تو بلا سے اُس کا دل بدل دے، بیتابیٔ شوق میری جان لیے لیتی ہے۔

یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ "جو نہ دے مجکو زبان اور" سے کوئی خاص زور پیدا کرنا مقصود نہین ہے بلکہ مساوات کے معنے پیدا کرنا مقصود ہین یعنی یہ نہ کر تو وہ کر۔

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر	غالب	تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر
در طینت فسردہ صفا ہا کدورت است	بیدل	آئینہ می کند ہمہ زنگار آب را

آرگس،۔ شعر دونون الجھے ہوئے ہین سلجھائیے تو ماحصل ایک نکلیگا۔"

سُہا،۔ "شعر دونون سلجھے ہوئے ہین، غالب جمود کے معائب بیان کرتا ہے اور بیدل افسردگی کے، اور یہی فرق دونون اشعار مین ہے۔"

بیخود،۔ افسردہ طینت، پست ہمت، پانی اور برسات کی ہوا سے آئینہ فولادی مین زنگ دوڑ جاتا ہے۔

مرزا بیدل فرماتے ہین کہ پست فطرتون اور کم ہمتون کے لیے سامان خوبی (تعلیم و دولت وغیرہ) تباہی کا باعث ہو جایا کرتا ہے دیکھو آئینہ فولاد پانی کو سراپا زنگار بنا دیتا ہے، یعنی پانی ہر جگہ شادابی پیدا کرتا ہے مگر آئینہ فولادی کی پست فطرتی نے پانی ہی

طاہر و مطہر شے کو سراپا زنگار بنا کے چھوڑا۔

مرزا غالب فرماتے ہین حیرت آئینہ کی صفائی آخر مین زنگ کا سامان ہو جایا کرتی ہے، دیکھو بندھے پانی مین کائی جم جاتی ہے اور پانی کا اصلی رنگ وریا بُرد ہو جاتا ہے، یعنی اہل صفا پر جہان عالم حیرت ایک زمانہ تک طاری رہا وہ تباہ ہو کر رہتے ہین اور کسی نقطۂ اہل کمال کی ترقی کا رک جانا تمہید زوال ہوتا ہے۔

دونون شعرونکا فرق تب ہے کہ بیدل پست ہمتون کیلیے سامان خوبی (تعلیم و دولت وغیرہ) کو مضر بتاتا ہے۔ اور غالب اہل کمال کیلیے عالم حیرت کے طاری رہنے کو۔

ہوا داغ زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر	غالب	نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
چمن از سایہ گل پشت پلنگ است اینجا	بیدل	منزل عیش تو وحشتکدہ امکان نیست
ہر چند چراغانش کنی پشت پلنگ است	”	در وحشت این بزم بعشرت نتوان زد

آرگس:۔ غالب کہتے ہین کہ عیش و جاہ سے وحشت کا سدباب نہوا زمرد کا داغ بھی میرے لئے داغ پلنگ یعنی سرمایۂ وحشت بن گیا بیدل کہتا ہے کہ وحشت کدۂ عالم مین یہ صلاحیت نہین کہ منزل عیش بن سکے چمن سایۂ گل سے پشت پلنگ بن گیا۔

سہا۔ غالب نفس عیش وجاہ کو بیدل دونون شعرون مین اس دنیا کو سرمایۂ وحشت قرار دیتے ہین، غالب کا موضوع زیادہ نازک ہے مضامین اور مشبہ مین فرق ہے اگرچہ مشبہ بہ مشترک ہے۔

بیخود :۔ حضرت آرگس نے غالب کے شعر میں جام زمرد کی جگہ داغ زمرد لکھا اور جناب سُہا نے اُسے صحیح قرار دیا، میں حضرت آرگس کے لیے سرقہ کی ایک اور مثال پیش کردوں ؎

نہر گلزار ہمہ کام نہنگ است اینجا
بیخود موہانی ؎
پر طاؤس چمن پشت پلنگ است اینجا

بیدل دنیا کو وحشت کدہ قرار دیتا ہے اور ایسا وحشت کدہ کہ سامان آرائش سے اور زیادہ وحشتناک ہوجاتا ہے۔

غالب کہتے ہیں سامان عیش وجاہ علاج وحشت نہیں ہوسکتا۔ رفتہ رفتہ جام زمرد (سامان عیش وجاہ) بھی میرے لیے پشت پلنگ بنگیا۔

بیدل نے اپنے اشعار میں دنیا کو چراغان اور چمن کو سایۂ گل سے پشت پلنگ بنایا۔ مرزا نے جام زمرد کو داغ پلنگ بتایا، ہر ایک نے جدا تشبیہ نکالی۔

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

نقدے کہ دوران بردہ است از کیسۂ عمرم بروں
جاوید مستغنی شوم از صد دہر گر نیسم ا

آرگس :۔ "بنائے خیال رہزن سے متاع بردہ کی واپسی پر مبنی ہے جو دونوں شعروں میں موجود ہے"

سُہا :۔ اِس شعر میں غالب نے کہیں بھی واپسی متاع پر شعر کی بنیاد نہیں رکھی وہ تو واپسی کے خیال کو حماقت ظاہر کرتا ہے جیسے کوئی شخص رہزن کو اپنا مقروض سمجھے۔

نہ نظیری نے والپسی پر بنائے خیال رکھی ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ زمانہ نے مجھے اسقدر لوٹا ہے کہ اگر اُسکا ہزاروان حصّہ بھی مجھے ملجائے تو میرے عیش جاوید کیلیے کافی ہو یعنی غالب عیش رفتہ کی باز طلبی کو حماقت کہتا ہے اور نظیری اپنی فراوانیٔ بربادی ظاہر کر رہا ہے۔"

بیخود:۔ جناب سہا نے یہ توضیح لکھا ہے کہ غالب عیش رفتہ کی باز طلبی کو حماقت کہتا ہے مگر نظیری کا شعر بٹھانے کی کوشش نہین کی۔ نظیری کے یہان نقد سے مراد عمر رفتہ زور۔ شباب وغیرہ ہے۔ کہتا ہے کہ اگر میری گزری ہوئی عمر کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ مجھے ملجائے تلافی مافات کرکے باز پُرس محشر سے بے نیاز ہو جاؤن۔

نہ لیوے گر خس جوہر طراوت سبزۂ خط سے — غالب — لگاوے خانہ آئینہ مین روئے نگار آتش

کتان طاقتم را پردہ داری میکند حسنش — حزین — زخش در شام خط ماہ سحاب آلودہ را ماند

آرگس:۔ "غالب کا خیال ہے کہ آئینہ کے خس جوہر کو اُسکے سبزۂ خط سے طراوت پہونچتی رہتی ہے ورنہ میرے معشوق کا چہرہ خانہ آئینہ مین لگاوے

شیخ علی حزین کا خیال تھا کہ میرے کتان صبر کی پردہ داری اُس کا حسن کرتا ہے، خط جو اُسکے رخسارہ کو ڈھانک رہا ہے وہ ایک سحاب ہے جس کی وجہ سے میری کتان صبر پر اس چاند کا اثر پورا نہین پڑ سکتا۔ ایسا نہو تو کتان صبر پارہ پارہ ہو جائے، اس شعر مین پرواز خیال یکسان ہے مضمون مین کچھ نہ کچھ فرق ہے"

سہا:۔ آپنے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ حزین کے شعر کی بندش کسقدر سست

اور غیر مربوط ہے۔

دوسرے یہ کہ جب حسن ہی پردہ دار طاقت ہے تو طاقت کو پارہ کرنیوالی

کون سی چیز باقی رہجاتی ہے"

بیخود۔ جناب آرگس کا خیال صحیح ہے، دونوں شعروں میں پرواز خیال کا ایک رنگ ہے۔ انداز بیان بھی ایک ہی ہے۔ مگر دونوں کا خیال الگ ہے مضمون میں بہت بڑا فرق ہے۔

جناب سُہا کو شاید یہ نہیں معلوم کہ معشوق کی صورت ہو یا عبارت۔ اشارت ہو یا ادا سب کے سب ملکر بھی حسن ہیں اور الگ الگ بھی حسن ہیں، حزیں کہتا ہے کہ حسن یار (یا خود یار جو سراپا حسن ہے) خود میری طاقت کی پردہ داری کر رہا ہے۔ خط کی شام میں اسکے چہرے کی مثال ماہ سحاب آلودہ کی سی ہے یعنی اگر خط کا سواد نہوتا اور ماہ روئے یار اپنی پوری روشنی سے چمکتا تو کہاں صبر پارہ پارہ ہوئے بغیر رہ سکتی حسن عارض کے اثر کو جسنے کم کردیا وہ حسن خط ہے۔ حزیں کے شعر کی بندش بھی سست نہیں خط بھی حسن ہوتا ہے اسکی صرف ایک مثال کافی ہوگی۔

حسن سبز بخط سبز مرا کرد اسیر

غنی کشمیری ؎

دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

اک نازک فرق یہ بھی ہے کہ حزیں نے حسن یار کا اثر ذی روح پر دکھایا ہے اور غالب نے غیر ذی روح (آئینہ) پر۔

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم — غالب — ہم بھی ہین ایک عنایت کی نظر ہونے تک

گرانجان تر ز شبنم نیست جسم ناتوان من — حزین — اگر می بود با من روے گرمی آفتابش را

آرگس :۔ غالب کا خیال ظاہر ہے۔ شیخ کا خیال ہے کہ میرا جسم ناتوان شبنم سے زیادہ گرانجان تو نہین ہے کہ وہ مجھپر نظر عنایت کرے اور فنا نہو جائے۔ صائب کہتا ہے ؎

به اندک روے گرمی پشت بر گل می کند شبنم
چرا در آشنائی اینقدر کس بے وفا باشد

آفتاب کی تھوڑی سی توجہ مین شبنم پھول پر لات مار دیتی ہے، بڑا افسوس ہے آشنائی اور پھر یہ بیوفائی۔"

سُہا :۔ شبنم کی بے ثباتی کی تمثیل عام طور پر زبان مین رائج ہے لیکن مسلمہ تشبیہات و تمثیلات کے تنوع استعمال سے اشعار ہم مضمون نہین ہو جایا کرتے۔"

بیخود :۔ جناب سُہا کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ مسلمہ تشبیہات و تمثیلات کے تنوع استعمال سے اشعار ہم مضمون نہین ہو جاتے، میرے نزدیک اِن اشعار مین تمثیل اور خیال دونون ایک ہین۔ مگر حزین کے شعر مین بہ تقاضاے بشریت کچھ فروگزاشتین ہو گئی تھین۔ مرزا نے اُن کو نکال دیا۔

(۱) انسان کا جسم وہ کیسا ہی ناتوان کیون نہو شبنم سے زیادہ اسکا سخت جان ہونا ظاہر ہے، پھر اسی ٹکڑے کے بل پر حزین دوسرے مصرعے مین فرماتے ہین ع

اگر می بود با من روے گرمی آفتابش را

(۲) جسم انسانی کا شعاع مہر کے پڑتے ہی فنا ہو جانا سمجھ مین آنے کی بات نہین۔ مرزا نے یون کہدیا کہ جس طرح شبنم آفتاب کے ذرا سے التفات مین درجۂ فنا حاصل کر لیتی ہے اُسی طرح ہمارے لیے بھی معشوق کی ایک نگاہ التفات کافی ہے۔

کب سے ہون کیا بتاؤن جہان خراب مین | شبہاے ہجر کو بھی رکھون گر حساب مین

زہے عمر دراز عاشقان گر | شب ہجران حساب عمر گیرند

آرگس:۔ دونون شعر ایک ہی مضمون کے ہین کیا فرق کیا جاے، البتہ مندرجۂ ذیل خیال کچھ علحدہ ہے ؎

زخضر عمر فزونست عشقبازان را بہری اگر ز عمر شمارند شام ہجران را

بیخود:۔ یہ مصرع یون ہوگا ع شب ہجر از حساب عمر گیرید۔ بہری نے صرف اتنا ٹکڑا اس مین بڑھا دیا ہے "زخضر عمر فزونست" ورنہ اُن کے یہان عشقبازان ہے خسرو کے یہان عاشقان ہے، ہان درازیٔ عمر عشاق کے اندازہ کے لیے اُسنے عمر خضر کا ذکر کر دیا ہے اور اس مین شک نہین کہ اس سے شعر مین تازگی پیدا ہو گئی ہے ورنہ مضمون بالکل ایک ہے، غالب نے بھی ایسا ہی کیا ہے، اُنھون نے جہان خراب کا ٹکڑا بڑھایا ہے جس سے ہجران نصیبون کی زندگی کا زحمت و بلا ہونا اور زیادہ روشن ہو گیا ہے، مگر میرے نزدیک "عمر خضر" یا "جہان خراب" کے اضافہ سے کوئی بزرگ زیادہ داد کے مستحق نہین۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں   غالب   مین جانتا ہون جو وہ لکھینگے جواب مین
آنجا جواب نامۂ عاشق تغافل است   بیدل   بیہودہ انتظار خبر می کشیم ما
آرگس :۔ مضمون دونون ایک ہین، ممکن ہے کہ بغیر پہلا شعر دیکھے دوسرا شعر کہا گیا ہو۔"

سہا :۔ کسقدر عامۃ الورود مضمون ہے اس لیے بیدل کے شعر مین کوئی خاص بات پیدا نہوئی، مگر غالب کی فکر عالی یہان بھی ندرت پیدا کر گئی یعنی کہتا ہے کہ جواب نامہ تو آئے گا مگر جو کچھ وہ لکھینگے مجھے معلوم ہے یعنی عشق کس کو کہتے ہین، ہوتا بھی ہوگا، تو یہ کیسے یقین ہو کہ تمہین بھی عشق ہے اور تم کون ہو جی ہم پہ مرنے والے اور بلا سے مرتے ہو مر جاؤ ہم کیا کرین، غرضکہ اس قسم کے جواب کیلیے غالب ایک اور خط لکھ کر رکھ لینا چاہتے ہین اور یہی حصہ شعر جدت طرازی پر مبنی ہے۔"

بیخود :۔ یہ توارد نہین، کیونکہ دونون کی شاہراہین بالکل علحدہ ہین۔

جناب سہا سے التماس ہے کہ بندہ پرور یہ کونسا استدلال ہے کہ مضمون عامۃ الورود تھا اسلیے بیدل کے شعر مین کوئی خاص بات پیدا نہوئی آپ بیدل کی جلالت قدر سے واقف نہین، یہ وہی شخص تھا جس کی ہر ادا پر غالب ایک عمر تک مٹتے رہے، اسکے شعر مین مایوسیون کا ایسا سمندر پنہان ہے جس مین طوفان آنیکے کچھ دیر پہلے سکون نظر آتا ہو۔ جب تاب انتظار نے دم توڑ دیا، تو عاشق اپنے دل مین یا باآواز بلند کہہ اُٹھا ہے کہ وہان عاشقون کے خط کا جواب تغافل اور خاموشی ہے مین بیکار جواب کا منتظر ہون، اِس سے باالالتزام معشوق کی بے نیازی بلندی مرتبہ

افتادِ مزاج اور خدا جانے کیا کیا ظاہر ہوتا ہے پھر اُٹھ اُٹھ کر یہ کہنا کہ مین ناحق انتظار کرتا ہون کیا یہ کوئی سرسری بات ہے جو مُنہ سے نکلی اور ختم ہوگئی ایسی حالت مین دل کا جو عالم ہوتا ہے اُسے ذہن مین رکھئے تو بیدل کے شعر مین آپ کو ہر بات خاص ہی نظر آنے لگے۔

"انجا جواب نامۂ عاشق تغافل است" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق اِس بات سے خوب واقف تھا کہ معشوق عاشقون کے خط کا جواب نہین دیتا پھر خط لکھا کیون اسلیے کہ اپنی محبت پر حد کا اعتماد تھا، اُدھر سے بے ارادہ (بر بنائے مشق و عادت جو طبیعت ثانیہ بن گئی) لگاوٹ ہوتی ہوگی، عاشق فریبِ وفا مین گرفتار ہوگا، اپنے کو معشوق کے عام برتاؤ سے مستثنیٰ سمجھتا ہوگا کوئی اُستاد کہتا ہے ؎

چو می بینم کسے از کوئے او دلشاد می آید
فریبے کز وے اوّل خوردہ بودم یاد می آید

مگر جس طرح بیدل نے "بیہودہ انتظار خبر می کشیم ما" کہکر کیفیات اور جذبات کا ایک عالم پیدا کر دیا ہے، غالب نے "خط اک اور لکھ رکھون" کہکر ایک خیالات کی دنیا پیدا کر دی اِس شعر مین کم سے کم اتنے پہلو ہین۔

(۱) جب تک قاصد پلٹے پلٹے ایک خط اور لکھ کر رکھ دون مین جانتا ہون کہ وہ کچھ جواب نہ دینگے مگر دل نہین مانتا ؎

یہ جانتا ہون کہ تو اور پاسخ مکتوب　　　مگر ستم زدہ ہون ذوقِ خامہ فرسا کا
خط لکھینگے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو　　　ہم تو عاشق ہین تمھارے نام کے

اور یہی مفہوم ہے جو بیدل کے شعر کی بنیاد ہے مگر ذوقِ خامہ فرسائی کا مضمون غالب کے

یہان زیادہ ہے

(۲) مین اُسکے رنگ مزاج سے واقف ہون مین سمجھتا ہون کہ وہ میرے خط کا جواب کیا لکھے گا، اسلیے اُسکا جواب پہلے سے لکھ رکھنا چاہیے اِس مفہوم کا ایک پہلو وہی ہے جسے جناب سُہا نے اپنی اردو ے معلّےٰ مین لکھا ہے۔

(۳) یہ پہلو کسی قدر نازک ہے، عاشق کو مشق تصور سے اب یہ بات حاصل ہوگئی ہے کہ جو خیال معشوق کے دل مین آتا ہے اُسے خبر ہو جاتی ہے اسلیے جو معشوق وہان لکھ رہا ہے اُسکا جواب پہلے سے لکھ رکھنا چاہتے ہین تاکہ قاصد کو جواب کے لیے ٹھہرنا نہ پڑے۔ ان اشعار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بیدل پر اِس خیال سے کتنا حوصلہ فرسا اثر پڑا ہے اور غالب پر کتنا حوصلہ افزا۔

اہل بنیش کو ہے طوفان حوادث مکتب	غالب	لطمۂ موج کم از سیلیِ اُستاد نہین
من وبلائے تو نطع ادیم وتاب سہیل	خاقانی	من وجفائے تو شاگرد وسیلیِ اوستاد
صد جہلے عشق را کے بلہوس وارد قبول	ظہیر فاریابی	کے شناسد طفل قدر سیلیِ اُستاد را

آرگس: "غالب کے یہان بصورت عمومیت، خاقانی کے یہان بصورت خصوصیت ظہیر کے یہان بصورت نفی ایک ہی مضمون کو باندھا گیا ہے بنائے اشتراک خیال سیلیِ اُستاد کے سوا کچھ نہین"

سُہا: "غالب مصائب روزگار یا حوادث ارضی وسماوی کی تمثیل اہل عقل کیلیے سیلیِ اُستاد سے کرتا ہے اور اِس طرح استقلال اور بلند ہمتی کی روح پھونکتا ہے اور خاقانی جفائے محبوب کی اور ظہیر فاریابی عشق وہوس کی

امتیازی خصوصیت کو سلی اُستاد سے مثال دیتے ہین۔

تینون اشعار جُدا جُدا مضمون کے حامل ہین، بلکہ آخر الذکر دونون شعر تو آپس مین کوئی جزو مشترک رکھتے ہین لیکن غالب کا شعر یکقلم علٰحدہ ہے۔"

بیخود:- مین سب اشعار کا مفہوم بیان کئے دیتا ہون اور فیصلہ حضرت آرگس پر چھوڑتا ہون۔

میرے نزدیک غالب کا مضمون نہایت وسیع ہے علاوہ اسکے اُسنے طوفانِ حوادث کو مکتب قرار دیا ہے، مکتب کا ہنگامہ خواہ لڑکون کے پڑھنے سے پیدا ہو یا سلی اُستاد کا نتیجہ ہو، اُس سے طوفان کے جوش وخروش کا عالم نظرون مین پھرنے لگتا ہے، دوسری لطافت یہ ہے کہ (لطمۂ) موج کے تھپیڑے اور اُستاد کے طمانچے مین کیسی زبردست مشابہت ہے، یہ لفظ اپنے معنون کی تصویر ہے۔ پھر شعر کا ایک ہی تلاطمہ بحر مین ختم ہو جانا بھی اثر شعر کا کفیل ہے، غالب کہتا ہے کہ اہلِ بینش کے لیے کوئی حادثہ ہو سبق آموز ہے۔

خاقانی کے شعر کا سجاؤ اہل خبر کیلیے مایۂ ناز ہے ادھر "من وبلائے تو" اُدھر جواب مین "من وجفائے تو"، پھر "نطع ادیم" و"تاب سہیل اور شاگرد وسلی اُستاد" کا تقابل شعر کے حُسن کو دوبالا کئے دیتا ہے، نطع ادیم، و تاب سہیل کی تمثیل جدت طرازی کی بین مثال ہے، خاقانی معشوق کی ڈالی ہوئی ہر بلا کو ویسا ہی مفید بتاتا ہے جیسے نطع ادیم کیلیے تاب سہیل اور شاگرد کیلیے سلی اُستاد۔

نطع ادیم۔ ادیم مین جب سہیل یمنی طالع ہوتا ہے تو اُسکی روشنی مین چمڑا رکھدیا

جاتا ہے جس مین نہایت خوشگوار خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اُسکے دستر خوان بنائے جاتے ہین

ظہیر نے بلہوس (ہوس پرست) کو باعتبار نادانی طفل کہا ہے اور صدمۂ عشق کو سیلی اُستاد سے تعبیر کیا ہے، اس مین شک نہین کہ صدمہ کی لفظ قریب قریب اُسی شان کی رکھدی ہے جیسی غالب کے شعر مین لطمۂ موج ہے۔

صدمہ کے معنی لغت مین ٹکرانے کے ہین۔ یہ لفظ بھی بیان واقعہ کو واقعہ بنا رہا ہے، جب یون ہے تو کوئی شعر ندرت سے خالی نہین۔

خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہو گئین	غالب	سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہو گئین
آن روہاکہ در تہ گرد فنا شدند	خسرو	اے گل چو آمدی ز زمین گو چگونہ اند
گویا ز لب فرشتہ خوئے رستہ است	عمر خیام	ہر سبزہ کہ بر کنار جوئے رستہ است
کان سبزہ ز خاک لالہ روئے رستہ است	نہی	پا بر سر سبزہ تا بخواری نہ

آرگس ،، اگرچہ خسرو کے یہان کچھ تفاوت کے ساتھ کہا گیا ہے مگر درصل یہ مضمون عمر خیام کا حصہ ہے جو ادنی ادنی تغیر کے ساتھ متعدد مرتبہ کہا گیا ہے۔"

سُہا ،، غالب لالہ و گل مین حسینان زیر خاک کے حُسن کو دیکھتا اور اُسپر متعجب ہوتا ہے، خسرو پھول سے مرنے والون کا حال پوچھتا ہے کیونکہ یہان پھول کی تخلیق خاک حسن سے نہین مانی گئی، اور خیام ایک درس عبرت دیتا ہے لیکن اس عبرت آموزی سے غالب کی حیرت زیادہ مؤثر ہے کیونکہ وہ حکمت ہے یہ کیفیت ؁

نحو:۔ خسرو نے گل کو دیکھا تو فوراً پیوند خاک ہوجانے والے گلرخون کا خیال آگیا، تخیل شاعرانہ کو جنبش ہوئی اور اُن خاک مین ملجانے والون کی تصویر نظر مین پھر گئی، بیتاب ہوکر پوچھتا ہے کہ تو اور وہ ایک ہی بزم کے بیٹھنے والے ہین خدا کیلیے اُن کا حال بتاتا جا۔

خیام کہتا ہے کہ نہر کے کنارے اُگنے والا سبزہ معشوقون کے سبزۂ پشت لب (سبزۂ خط) سے پیدا ہے اور یہ معمولی سبزہ لالہ رویون کی خاک سے اُگا ہے دیکھ اسے سبجھ کر پامال کرنا یہ سبزہ لالہ رویون کی خاک سے اُگا ہے، غالب یہان حیرت کا اظہار نہین کرتا، بلکہ حسرت کا۔

غالب کی نظر لالہ و گل کے چمن پر پڑتی ہے اور ذہن اِدھر منتقل ہوتا ہے کہ یہ لالہ و گل نہین بلکہ خاک مین دفن ہوجانے والے معشوقون کی خاک ہے جو ان کے پردہ مین جلوہ دکھا رہی ہے، پھر افسوس کرتا ہے کہ لالہ و گل مین اتنی بہار اتنی رعنائی ہے جن کی خاک سے اِن کا وجود ہوا ہے وہ کیسے حسین ہونگے، یعنی صرف لالہ و گل کے دیکھنے سے نہ مرجانے والے حسینون کی تعداد کا اندازہ کوئی کر سکتا ہے نہ حُسن کا اور اِس مطلب پر "کیا صورتین ہونگی" کا ٹکڑا دلالت کرتا ہے۔

سب شعر جدا جدا ہین اور اچھے ہین مگر کوئی شعر غالب کے شعر کو نہین پہونچتا اسلیے کہ تخیل کی جدت اِس مین اُبھر اُبھر کے ظاہر ہو رہی ہے

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا	غالب	بلبلین سُنکر مرے نالے غزلخوان ہوگئین
آب رنگ گلستان عشق اکنون از منست	عالی	عندلیبان ہرچہ میگویند مضمون از منست

آرگس :۔ "دونون مضمون تقریباً یکسان ہین، غالب کے یہان وبستان نہین ہے مگر اُسکے نہونے سے کچھ فرق نہین پیدا ہوتا۔"

بیخود :۔ یہ پہلا مقام ہے جہان مجھے جناب آرگس کی راے سے بہت تھوڑے اختلاف کے ساتھ اتفاق ہے یعنی تقریباً نہین مضمون بالکل ایک ہین اسے ترجمہ کہیئے یا توارد آپ کو اختیار ہے، مگر مین اسے ترجمہ نہین کہہ سکتا اسلیے کہ اسکے مفہوم مین کوئی ایسی خاص بات یا دلکشی نہین کہ غالب اسکے سمجھنے یا اُسکے ترجمہ کیطرف مائل ہو۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے   غالب   مرے بتخانہ مین تو کعبہ مین گاڑو برہمن کو

بکیش برہمنان آنکس از شہیدانست   عرفی   کہ در عبادت بت مُردہ بر زمین میرد

آرگس :۔ دونون کے بنائے خیال وفاداری پر مبنی ہے مضمون قریب قریب ایک ہے۔

بیخود :۔ اس مین شک نہین کہ وفاداری اصل ایمان ہے، مگر یہ مسلمات واغراض کی شان رکھتا ہے یعنی ایک مستقل بحث ہے جسپر ہر شخص قلم اُٹھا سکتا ہے، دیکھنا چاہیے کہ کسنے زیادہ خوبی کیسا تھ اِسے بیان کیا۔

عرفی کہتا ہے کہ اہل دیر کے مشرب مین وہ شخص شہید سمجھا جاتا ہے جو بت کے سجدے مین دم توڑ دے، اسکی واقعیت مین شک نہین صاف لفظون مین یہ مفہوم ہوا کہ انسان کسی مذہب کا ہو اگر اپنے مذہب سے وفا رکھتا ہے تو اُس کی موت مذہب والون کے نزدیک شہیدون کی موت ہے۔

غالب کہتا ہے کہ اصل ایمان نام ہے، غیر متزلزل وفاداری کا، اسلیے میری رائے یہ ہے کہ اگر کوئی برہمن حالت وفاداری مین مرجائے تو وہ اس قابل ہے کہ کعبہ مین دفن کیا جائے۔

عرفی کے شعر مین یہ وسعت مشرب نہین وہ صرف یہ کہتا ہے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کے پابند کا بڑا درجہ سمجھتا ہے. غالب کہتا ہے کہ حقیقت یون ہے کہ وفاداری اصل ایمان ہے، دیر مین مرنے والے برہمن کو کعبہ مین دفن کرنا چاہیے یہان دیدۂ تحقیق کی حدنگاہ اور ہے وہان اور، میرے نزدیک عرفی کا شعر اچھا ہے مگر اتنا اچھا نہین کہ غالب کے شعر کا جواب سمجھا جاسکے. مرزا کا شعر دنیا پر چھایا ہوا ہے پھر تبکدے مین مرنے والے کو کعبہ مین دفن کرنا، تبکدہ اور کعبے کے تضاد کیوجہ سے اور زیادہ خوبصورت ہوگیا ہے۔

وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو ‏ ‏ غالب ‏ ‏ جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا

چو دو زلف تست یکسان شب و روزم ای ساقی ‏ ‏ عرفی ‏ ‏ ز فروغ آفتابم بنود خبر کہ بے تو

آرگس :۔ دونون شعرون کی بنا اس مضمون پر ہے کہ بدنصیبی کی وجہ سے ہمارے یہان دن رات یکسان ہے ۔

بیخود :۔ حضرت آرگس خدا سے ڈریئے ۔ اظہار بدنصیبی ایک مبحث ہے جس پر دونون اُستادون نے قلم اُٹھایا ہے ۔ عرفی کہتا ہے کہ بدنصیبی کے چلتے میرا دن بھی ویسا ہی تاریک ہے جیسی میری رات، مجھے خبر بھی نہین ہوتی کہ آفتاب کب نکلا۔ زلف یار کی تشبیہ کا مقصد یہ ہے کہ دن رات کے یکسان تاریک ہونیکا

خیال سامع کو ممکن نظر آنے لگے اور یہی سبب ہے کہ زلف کے ساتھ دو کا لفظ حشو (زائد) نہیں ہے بلکہ نہایت برمحل صرف ہوا ہے۔

نکتہ :۔ لیکن یہ امر اہل نظر سے پوشیدہ نہیں کہ زلف کی تشبیہ سے یہاں اگرچہ شاعر کا دعویٰ صاف طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ میرے دن رات دونوں یکساں تاریک ہیں مگر شعر کے ولگداز اثر میں کمی ضرور ہوگئی اسلیے کہ زلفیں اگرچہ سیاہ رنگ ہیں مگر عشاق کیلیے ولولہ خیز ہیں، یہاں کسی ایسے لفظ کی ضرورت تھی جس میں وحشت وہیبت کا پہلو قوی ہوتا۔

غالب کہتا ہے جس شخص کا دن ایسا تاریک ہو جیسا کہ میرا، وہ اگر رات کو دن نہ سمجھے تو کیونکر بنے یعنی میرا دن ایسا تاریک ہے کہ اُسکے مقابلہ میں رات ایسی روشن ہے جیسے دن یعنی میرا دن رات سے ہزار درجہ تاریک ہے، اب آپ انصاف فرمائیں کہ ان دونوں شعروں کے مضمون کا ایک ہونا کیا معنی، ان میں کوئی نسبت بھی ہے، اسلیے کہ عرفی کے رات دن یکساں تاریک ہیں، غالب کا دن اتنا تاریک ہے کہ اُسکے مقابلہ میں رات کی تاریکی دن کی روشنی معلوم ہوتی ہے۔

یہاں شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ مصیبت زدوں کے لیے رات دن سے زیادہ سخت ہوتی ہے تو میں کہونگا کہ عام طور پر تو ایسا ہی ہے مگر مصیبت کیلیے کسی وقت کی قید نہیں، دن میں زیادہ مصیبت پڑ جائے تو رات سے کہیں زیادہ تکلیف ہو اور ایک دن تو ایسا سخت گزرا ہے، جیسا سخت کوئی دن نہ گزرا ہے نہ گزریگا اور نہ دنیا کی کوئی رات ایسی سخت ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے اور یہ دن وہی دن تھا جب آفتاب امامت کمال پر پہونچنے سے پہلے غروب ہوگیا۔(روز عاشور)

بساط عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی   غالب   سو رہتا ہے بہ انداز چکیدن سرنگوں وہ بھی

دریاب کہ ماندہ است زدل قطرۂ خونے   فیضی   آن قطرہ ہم از دست تو لبریز چکیدن

آرگس: "مضمون دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے، کوئی خاص قابل تفریق نہیں۔"

بیخود:۔ مرزا نے بساط عجز کہا تھا، جناب آرگس نے بساط بجز بنالیا۔ میرے خیال میں دونوں شعروں میں بہت زیادہ فرق ہے۔

غالب کہتا ہے کہ میں ہمہ تن عجز و مجبوری ہوں میرے پاس لے دے کے ایک دل تھا، جو خون کا ایک قطرہ تھا، اب اُسکی یہ حالت ہو رہی ہے کہ ٹپکنے کے انداز سے سرنگوں رہا کرتا ہے، یعنی یہ حالت ہو گئی ہے کہ یہ قطرہ بھی ٹپکا ہی چاہتا ہے۔

فیضی معشوق سے کہتا ہے کہ دل میں اب ایک قطرۂ خون کے سوا کچھ رہا نہیں، (یعنی پہلے بہت کچھ تھا) وہ قطرہ بھی تیرے ہاتھوں لبریز چکیدن ہے یعنی فنا ہوا چاہتا ہے اگر تجھے خبر لینا ہے تو دیر نکر۔ ابھی وقت باقی ہے، پھر کچھ نہو سکے گا۔

فیضی کا مطلب یہ ہے کہ تونے جلا جلا کر یہ حال کر دیا ہے مگر ابھی رحم کی گنجائش باقی ہے، غالب انسان کی مجبوری و بیدستی و پائی کی داستان سناتا ہے، فیضی اپنی حالت زار دکھا کر معشوق کو مہربان کرنا چاہتا ہے۔

رہا دل کا قطرۂ خون کہنا مشہور بات ہے اور اغراض و مسلمات کے حکم میں ہے، اِسے بنائے اشتراک خیال کہنا شرمناک غلطی ہے۔

غالب کے شعر میں 'بہ انداز چکیدن سرنگوں' اور فیضی کے شعر میں 'لبریز چکیدن' کے ٹکڑے داد کے قابل ہیں پہلا اپنے معنی کی تصویر ہے دوسرا مناسبات کا مرقع۔

مئے عشرت کی خواہش ساقی گردون سے کیا کیجے — غالب — لئے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگون وہ بھی

آسمان جام تہی دان کزمے عشرت تہی است — مولانا جامی — جُستنِ مے از تہی ساغر نشانِ ابلہی است

آرگس: "ایک مضمون ہے چند الفاظ کی کمی بیشی پر ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہین کیا جا سکتا"

بیخود۔ جسے جناب آرگس مضمون کہتے ہین اگر اُسے مبحث کہدین تو کوئی اشکال باقی نہ رہے۔

جامی نے یون کہا ہے کہ آسمان کو ایک جام تہی سمجھ لے جو مئے عشرت سے خالی ہے اور خالی جام مین شراب ڈھونڈھنا حماقت ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ایک واعظ ہے جو خطابیات سے کام لے رہا ہے، اِس مین ابلہی کا لفظ بھی واعظانہ ہے شاعرانہ نہین۔

مرزا کہتا ہے اور اس طرح کہتا ہے جیسے کسی کے دل مین اپنی بیسروسامانی پر کُڑھتے کُڑھتے یہ خیال گزرا ہے کہ شاید آسمان ہمارا جام بھر سکے، پھر کہتا ہے کہ آسمان کے ساقی سے ایسی آرزو کیا کرین وہ خود کچھ خالی جام لیے بیٹھا ہے، یعنی کہین سے ملنے والی ہوتی تو وہ خود ہی اپنے جام بھر لیتا، دونون شعرون مین واقعہ اور بیان واقعہ کا فرق ہے ایک پیکر بے جان ہے، ایک پیکر ذی روح۔

غالب کے شعر مین اک دو چار ملکے سبعہ سیارہ کے (سات) ساغر ہوئے جاتے ہین۔ پھر ساغر تہی اور جام واژگون مین بڑا فرق ہے۔ ہر خالی پیالہ ساغر تہی ہے مگر جام واژگون مین یہ مطلب بھی پنہان ہے کہ اِن جامون مین کبھی مئے عشرت تھی اب نہین رہی۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ شراب پی چکنے کے بعد جام اُلٹ دیئے جاتے ہین

جو دور کے ختم ہونے کی علامت ہے، یعنی ہم اُسوقت پہونچے جب دور ختم ہو گیا تھا، یہ دوسری حد فاصل ہے۔

یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ مُلا جامی نے خود آسمان کو ساغر تہی کہدیا جس سے دیسکنے اور نہ دے سکنے کا اختیار سلب ہو گیا ہے گویا ایک جام ہے، اگر بھرا ہوتا ہم لے لیتے خالی ہے مجبور ہیں لیکن مرزا نے آسمان کو ساقی کہہ کر اپنی بے اختیاری اور ساقی کا بے دست و پا ہونا ظاہر کیا ہے، پھر جس برجستگی سے ادائے مطلب کیا ہے وہ جامی کے شعر میں نہیں ہے۔

مشکین لباس کعبہ علیؑ کے قدم سے جان | ناف زمین ہے نہ کہ ناف غزال ہے

از کر مش ناف زمین ناف غزال است | مشکین نہ چہ شد ورنہ لباس حرم آیا

ناف زمین کعبہ مگر ناف مشک شد | کاندر سموم کرد اثر مشک از فرش

نافہ آہو شدہ است ناف زمین از رضا | عقدہ دو پیکر است پیکر راغ از ہوا

آرگس۔ خیال کی جان اتنی سی بات ہے کہ کعبہ ناف زمین ہے اور وہ ناف غزال ہو گیا ہے، یہی غالب کے یہان ہے اور یہی خاقانی کے یہان ؟

نجود۔ مین اسے توارد سمجھتا ہون اسلیے کہ خیال پیش پا افتادہ ہے اور غالب کے شعر سے اشعار خاقانی بہتر ہین۔

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب مین ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ غالب ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ یہ سوءِ ظن ہے ساقی کوثر کے باب مین

امروز کم خور انده فردا چه دانی آنکه ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ خاقانی ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ایام قفل بر در فردا بر افگند

آرگس: "خیال صرف اتنا مشترک ہے کہ آج کل کا غم نہ کرنا چاہیے مگر اس مین خاقانی کا خیال بہت ارفع واعلیٰ ہے۔"

بیخود۔ اِن اشعار مین مبحث مشترک ہے جیسے وفا پر ہزار لکھنے والے قلم اُٹھائین اُسکے ماورا خاقانی کا انداز بیان معمولی ہے، غالب نے اِس مبحث پر یون لکھا ہے کہ جدت سجدے کرتی ہے۔

خاقانی کہتے ہین کہ کل کا غم (فکر) آج نہ کر۔ تجھے یہ کیونکر معلوم ہو گیا کہ زمانہ کل کے دروازہ کو مقفل کر دے گا یعنی کل سے تجھے کچھ نہ ملے گا۔

غالب کہتے ہین کہ کل کے لیے شراب مین خست نہ کر، اسلیے کہ تیرا ایسا کرنا ساقی کوثر (علی ابن ابی طالب علیہ السلام ساقی حوض کوثر) کے بارے مین سوءظن ہے۔

مسلمانون کے اکثر فرقون کا اعتقاد یہ ہے کہ قیامت کے دن جناب امیر علیہ السلام پیاسون کو سیراب کرینگے۔ اور یہ تو سب مسلمانون کا اعتقاد ہے کہ شرابی مے کوثر سے محروم رہیگا، انھین دونون اعتقادون کے علم پر شعر کی بنا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آج تو اِس خیال سے شراب مین کمی کرتا ہے کہ روز قیامت مے کوثر سے محروم رہیگا، سوچ تو یہ خیال کیسا ہے، بھلا کہین ایسا ہو سکتا ہے کہ علی ساکریم کمی کرے، دوسرے مصرع کی شان کا کیا پوچھنا۔ ان دونون شعرون کو مقابل مین رکھنا اپنے کو پیرایۂ سخن سنجی سے عاری ثابت کرنا ہے۔

دل سے مٹا تمہے انگشت حنائی کا خیال | ہوگیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا
وصل تو بے ہجر توان دیدنی | گوشت جدا کے شود از استخوان

آرگس۔ خاقانی کا پہلا مصرع اس مفہوم کا ہے کہ تیرا وصل بغیر ہجر نا ممکن ہے دوسرا مصرع تمثیلی بالکل ایک ہے"

سُہا۔ ظاہر ہے کہ غالب انگشت حنائی کے تصور یا خیال سے دل کی جدائی ناممکن قرار دیتا ہے، نیز انگشت حنائی نے شعر کی شعریت اور رعایت لفظی مین کسقدر پرلطف شان پیدا کردی، برخلاف اسکے خاقانی مجرد وصل کا پیش پا افتادہ مضمون ضرب المثل کے ساتھ نظم کر گیا ہے پھر دونون شعرون مین ناخن اور استخوان کا فرق بھی موجود ہے۔ جناب تمثیل ایک ہے تو مصرے کی کیا بات ہے"

نجوی۔ مجھے جناب سُہا سے اتفاق ہے، مین صرف اتنا اور کہنا چاہتا ہون کہ مولانا اس شعر مین شعریت پیدا کرنے والے صرف دو ٹکڑے ہین۔

(۱) ہو گیا۔ (۲) جُدا ہو جانا

اس مین روح انھین نے پھونکی ہے، کہنے کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق ابتدا ابتدا مین سمجھا تھا کہ ترک خیال یار کچھ مشکل نہین، مگر آگے بڑھکر جب دل سے کسی وقت اسکا خیال جُدا ہی نہین ہوتا تو کہتا ہے کہ انگشت حنائی کا خیال دل سے نکلنا ایسا ہی ناممکن ہوگیا جیسا گوشت کا ناخن سے جُدا ہونا۔

خاقانی نے فارسی کی ایک ضرب المثل نظم کی ہے اور غالب نے ایک اور فارسی مثل کا ترجمہ کیا ہے، خاقانی کا شعر سیدھا سادہ ہے اور کچھ خشکی لیے ہوئے، غالب کے شعر مین

عاشق کے ابتدائے عشق اور انتہائے عشق کی کیفیت نظر آتی ہے اور وہ خود تعجب کے ساتھ کسے محسوس کرتا نظر آتا ہے۔

کھُلتا کسی پہ کیون مرے دل کا معاملہ — غالب — شعرون کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

رازِ درینہ زرخ بردہ برانداخت دریغ — نظیری — حال من شہر بانشاو غزل کردو دریغ

آرگس: "تقریباً دونون مضمون ایک ہین کوئی خاص فرق نہین ہے"

سہا: "ان ہر دو اشعار مین فرق یہ ہے کہ غالب تو انتخاب اشعار کو وجہ رسوائی بیان کرتا ہے اور نظیری کہتا ہے کہ میری صورت سے راز دیرینہ ظاہر ہونے لگا اور اسلیے میری حالت کو لوگون نے نظم ونثر مین بیان کرنا شروع کردیا، چنانچہ نظیری کا یہ فقرہ "زرخ پردہ برانداخت" کیسا صریح ہے مگر آرگس صاحب تو اس فقرہ اور لفظ انتخاب کو مترادف ملنتے ہونگے"

بیخود۔ جناب آرگس نے نظیری کے مطلع کو شعر بنادیا تھا، جناب سہا نے کردو کو ساخت سے بدل کر پھر مطلع کردیا۔

جناب سہا غالب اور نظیری کے اشعار کا فرق بیان فرماتے ہین کہ غالب تو اشعار کو وجہ رسوائی بیان کرتا ہے اور نظیری کہتا ہے کہ میری صورت سے راز دیرینہ ظاہر ہونے لگا اور اسلیے میری حالت کو لوگون نے نظم ونثر مین بیان کرنا شروع کردیا، چنانچہ نظیری کا یہ فقرہ "زرخ پردہ برانداخت" کیسا صریح ہے الخ۔

مین پہلے دونون شعرون کا فرق بیان کردون تو جناب سہا کے متعلق کچھ عرض کرون

"از رخ پردہ برانداختن" ۔ بے نقاب ہوجانا ۔ سامنے آجانا

نظیری کہتا ہے اور دل آویز انداز سے کہتا ہے کہ میرے دیرینہ رازدن نے اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ دی یعنی ظاہر ہوگیا اور اسی نے میری حالتِ دل کو میری نظم و نثر کے لباس مین الم نشرح کردیا، یعنی رازِ عشق جسے مین نے مدت تک دل مین چھپائے رکھا اُسنے اپنے ظاہر کرنے کی صورت یہ نکالی کہ میری انشا اور غزل پر چھاگیا اور تاڑنے والے تاڑ گئے کہ نظیری کا دل کہین آیا ہوا ہے ۔ اس شعر مین اپنی مجبوری اور استیلائے رازِ عشق کا مرقع کھینچا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شعر اچھا ہے ۔

غالب کہتا ہے کہ میری دل کی حالت ظاہر نہوتی مگر مجھے انتخاب شعر نے رسوا کردیا، ہر شخص وہی اشعار پسند کرتا ہے جو اُس کی دلی حالت سے لگاؤ رکھتے ہین مثلاً آجکل ایک کہن سال محقق، عالم، ادیب، شاعر جس کی فضیلت پر اُسکے لاجواب کارنامے اور اہل نظر گواہ ہین ایسے شعر پڑھتا ہے اور سر دُھنتا ہے ؎

جلے ہین غیر کیا کیا وہ مری خلوت سے جب نکلے

پریشان باندھ کر جوڑا دوپٹہ اوڑھ کر اُلٹا

غالب کہتا ہے کہ ہر طرح مین نے راز عشق کو چھپایا، مگر خدا بچھے انتخاب اشعار سے جس کی وجہ سے سوائی سی رسوائی ہوئی ۔

* * *

غالب

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو

یک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

رباعی عمر خیام

مے خوردن من نہ از برائے طرب است ۔۔۔ نے بہر فساد دین و ترک ادب است
خواہم کہ بہ بیخودی بر آرم نفسے ۔۔۔ مے خوردن و مست بودنم زین سبب است

آرگس ۔ "یہ کہنا بیکار سی بات ہے کہ دونون مضمون ایک ہین، مگر یہ کہناکہ یہ مضمون عمر خیام کا خاص مضمون ہے جو اکثر ان کی رباعیون سے ظاہر ہوتا ہے"

بیخود :- مین عمر خیام کے کمال شاعری کا کم سے کم ویسا ہی معترف ہون جیسے جناب آرگس، لیکن جناب موصوف نے غالب پر سرقہ کا الزام لگایا ہے اسلیے میرا فرض ہے کہ اُن کی پیش کردہ رباعی اور مرزا کے شعر کا مقابلہ کرکے دکھادون کہ کس کی حالت کیا ہے، مگر پہلے یہ عرض کردون کہ یہ مبحث جس پر ان بزرگون نے قلم اُٹھایا ہے وہ ایران و ہندوستان کے شعرا مین خواہ وہ میکش ہون یا نہون، عام ہے، پھر غالب اور عمر خیام مین تو بادہ کشی بھی مشترک تھی

خیام نے رُباعی کے چار مصرعے پُر کرنے کے لیے تفصیل سے کام لیا ہے اور کہا ہے " مین نہ عیش و طرب کی نظر سے شراب پیتا ہون، نہ مذہب کے قیود سے آزادی کی تمنا ہے، نہ اصُول ادب کے توڑ دینے کی آرزو ہے، بلکہ مین اسلیے پیتا ہون کہ بیخودی کی لذت اُٹھاؤن، چوتھے مصرعہ مین مے خوردن کے بعد مست بودنم کو عوام حشو و زوائد سے تعبیر کرینگے مگر نہین حقیقت اسکے خلاف ہے، اور اس ٹکڑے نے بیان واقعہ کو واقعہ کر دکھایا، اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ واقعہ ہماری آنکھون کے سامنے ہو رہا ہے، اسلیے خیام کی رباعی کا یہ ٹکڑا کلام کو زیادہ مؤثر

بنا دیتا ہے، اور داد کے قابل ہے۔

مختصر یہ ہے کہ خیام صرف بیخودی کی لذت اُٹھانے کی غرض سے شراب پیتا ہے اب دیکھنا چاہیے کہ مرزا کیا کہتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ خیام جتنا چار مصرعون مین نہ کہہ سکا اُس سے کہین زیادہ غالب نے دو مصرعون مین کہہ دیا ہے، اور خیام کی تفصیل سے غالب کا اجمال کہین زیادہ وقیع ہے۔

میری نظر مین اِس طرح کے کئی شعر ہین، مین مرزا کے شعر سے سب کا موازنہ کئے دیتا ہون۔

(یزید ملعون)

انا المسموم وما عندی بتریاق ولا راق   ادر کاساً وناولها الا یا ایها الساقی

یعنے میرے جسم مین زہر چمک رہا ہے اور نہ تریاق میرے پاس ہے، نہ جھاڑنے والا میسر ہے، اے ساقی شراب کا دور چلے، مختصر یہ کہ زہر میری جان لیکر رہیگا، اسلیے جو وقت رہ گیا ہے اُس مین دور جام ہو۔ تاکہ جو گھڑیان باقی رہ گئی ہین وہ موت کے خوف سے بے لطف نہ گزرین۔ عجب نہین جو یہ شعر بعد شہادت مولائے کونین کہا گیا ہو

(خواجہ حافظ)

الا یا ایها الساقی ادر کاساً وناولها   کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلها

یعنے پہلے عشق آسان نظر آتا تھا، اب مشکلون کا سامنا ہے، اے ساقی دور شراب ہو تاکہ نشہ مین عشق کی تکلیف تکلیف نہ معلوم ہو، مشکلها کا ٹکڑا نہایت معنے خیز ہے اور تمام مشکلات عشق پر حاوی ہے، وہ تکلیف انتظار ہو یا درد فراق وغیرہ وغیرہ۔

اب مرزند کا شعر ملاحظہ ہو:۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو ۔ ایک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

مرزا صرف نشاط کا استثنا کرتا ہے یعنے مین شراب عیش ونشاط کی نظر سے نہین پیتا، ایک طرح کی بیخودی مجھے ہر وقت چاہیئے۔

یہ شعر اتنا وسیع المعنی ہے کہ اِسکی شرح آسان نہین، نشاط کے سوا جتنی ضرورتین شراب پینے کی ہو سکتی ہین سبھی تو اس مین موجود ہین اسلیے کہ اُن کے سمجھنے کا بار مصنف نے ذہن سامع پر ڈال دیا ہے، بہت سے مختلف پہلو اس شعر مین دکھائے جا سکتے ہین۔

(۱) اب مین حصولِ نشاط کی غرض سے شراب نہین پیتا، بلکہ عادت پڑ گئی ہے، نہ پیون تو انگڑائیان آئین، بدن ٹوٹنے جان پر بن جائے۔

(۲) گناہون کی ندامت میری جان لیے لیتی ہے، نہ بیخودی مین وہ یاد آئینگے، نہ مین تڑپ تڑپ کر رہونگا۔

(۳) دنیا والون سے اِس حد کی نفرت ہوگئی ہے کہ حواس مین رہونگا، تو زندگی دوبھر ہو جائے گی۔

(۴) غم بھولا رہیگا۔

(۵) کسی کو مجھ سے آزار نہ پہنچے گا۔

(۶) مجھ کو کسی سے آزار نہ پہنچے گا۔

(۷) بہت سی برائیون سے محفوظ رہونگا، صرف میکشی کا گناہ میرے سر رہے گا (یاد رہے کہ یہ قول ایک رند کا ہے)۔

(۸) قید خود سے آزاد رہونگا۔

قیدادب سے چھوٹ جاؤنگا۔

(۱۰) مجھے جو درد ہے لاعلاج ہے۔ اسلیے بیخودی کی ضرورت ہے

(۱۱) غم فراق، جو ہر وقت رہتا ہے اس سے نجات رہے گی۔

دیکھنے مین یہ شعر بہت صاف ہے، مگر قریب قریب اس کا ہر لفظ معنے کثیر پر حاوی ہے مثلاً:۔

(۱) روسیاہ۔ ظاہر کرتا ہے کہ اگر مین نے نشاط کی غرض سے شراب پی ہو تو گنہگار، کون کافر اس نظر سے پیتا ہے۔

(۲) یک گونہ۔ کا مطلب یہ ٹھہرتا ہے کہ مجھے ایک طرح کی بیخودی کی ضرورت ہے یعنی کچھ شراب ہی پر منحصر نہین بیخودی کا حصول مقصود ہے، وہ کسی طرح حاصل ہو جائے، اور کوئی نشہ نہ کھایا شراب ہی پی لی۔

(۳) دن رات کا لفظ قیامت کا ہے، یعنے دن بھر انتہا کے تکلیف پہونچانیوالے خیالات میرے دل مین رہتے ہین اور رات کو سوتا ہون تو ہولناک خواب نظر آتے ہین، مختصر یہ کہ سوتے جاگتے مجھے چین نہین ملتا، اسلیے شراب پیتا ہون۔

(۴) چاہیئے۔ سے شعر کے معنے مین انتہا کا زور پیدا ہو گیا ہے یعنے مجھے بیخودی کا شوق نہین بلکہ یہ میرے لیے لازمی ہو گئی ہے، بلکہ یون کہئے کہ میری دوا ہے۔

مین نے ایک آئینہ رکھدیا ہے جس مین ہر شعر کے خط و خال صاف نظر آتے ہین، اور الحمد للہ کہ ہندوستان ابھی اندھون کی محفل نہین۔

حضرت آرگس مجھے بھی معلوم ہے کہ یہ مضمون عمر خیام کا خاص مضمون ہے مگر بُرا نہ مانئے تو کہون کہ یہ رباعی تو شعر غالب کے سامنے کچھ روکھی پھیکی سی معلوم ہوتی ہے۔

آپ کو داد دینا چاہیئے تھی کہ غالب نے خیام کے خاص مضمون پر قلم اُٹھایا تو ایسی تصویر کھینچکر رکھدی کہ خیام کے مرقع (البم) مین مشکل سے ملیگی۔

یہ شعر قلیل الالفاظ کثیر المعنے کی بہترین مثال ہے۔

(بیخود موہانی)

مائۂ تحقیق

شرح قصائد خلاق المعانی حضرت خاقانی
نوشتۂ علامۂ شادمان لکھنوی پر ایک نظر

رسید نہائے منقار ہما بر استخوان غالب
پس از عمرے بیادم داد راہ و رسم پیکان را

ہندوستان کی دنیا بدل چکی اب فارسی کا خواب تو یہان کبھی کبھی نظر آبھی جاتا ہے
مگر جلوۂ ہوشربا نظر نہین آتا انوری وخاقانی کے شیدائی' فردوسی ونظیری کے فدائی،
اپنی اپنی خوابگاہون مین آرام کر رہے ہین اور اس طرح کہ دیکھنے والا بے اختیار
کہہ اٹھتا ہے ؎

اللہ رے بے نیازی آسودگان خاک (یوم مرگ) اس قرب پر کسی سے کوئی بولتا نہین

ہندوستان کے لیے آج وہ زمانہ ہے جس مین اس امر کا امتیاز مشکل ہے کہ یہان
فارسی زبان زندہ ہے یا مردہ اور سچ یہ ہے کہ جب یہ عالم ہو ؎

وہان اب سانس لینے کی صدا آتی ہے مشکل سے
جو زندان گونجتا رہتا تھا آواز سلاسل سے (تجمل دہلوی)

تو پھر فارسی مین اُن لوگون کے انہماک اور شیفتگی پر کیون پیار نہ آئے، جوآج بھی اُسے کلیجے سے لگائے پھرتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی آتش کدہ ایران کی بجھتی ہوئی آگ کی چنگاری رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہے تو شکر یزدانی کا زمزمہ لب شوق کے بوسے لینے لگتا ہے کوئی اُستاد کہتا ہے ؎

جنس کساد شکر را نمی خرازان بلند شد　　کز طرف دیار عشم قافلہ می رسد

اِس قحط الرجال مین جولوگ فارسی کی حلاوت سے لذت آشنا رہ گئے ہین اُن مین قدر افزائے ہیچمدانا شاد علامہ سید محمد نقی صاحب شادمان لکھنوی پروفیسر اورینٹیل کالج ریاست عالیہ رامپور بھی ہین، آپنے قصائد خاقانی کی شرح لکھی ہے۔ مین علامۂ موصوف کی شرح سے پھر بحث کرونگا، پہلے ایک حقیقت کو بے نقاب کرنا چاہتا ہون اور وہ یہ کہ اب ہندوستان مین فارسی کا چراغ گل ہو چکا اگلے خاک نشینون کی یادگارون کے سوا اور ون کیلیے اس امر کا احساس بھی قریب قریب محال ہے کہ قصائد خاقانی کی شرح کرنا کام ہے اور بہت بڑا کام، خاقانی وہی شخص ہے جسے دنیا کے نکتہ رس، نکتہ شناس خلاق المعانی کہتے آئے اور آج بھی کوئی اہل دل جسے فارسی سے ذوق ہو، جس سے الفاظ محو تکلم ہون، معانی سرگرم ایما و اشارت ہون، اُسکی خلاق مضامین ہونیسے انکار کرنیکی جراءت نہین رکھتا، تلمیحات کا زور، ابداع و اختراع الفاظ و تراکیب پیچ کا شور، مضامین کا ہجوم، تو فرد تنوع اسالیب کی دھوم، طبیعت کی روانی، سوز سخن کی آتش فشانی اُسکا کلمہ پڑھنے والی، ہزار ہا لفظ اُسکے فرستادہ، ہزار ہا مضمون اُسکے درم ناخریدہ، اصطلاحات و مسائل علوم قشتہ پرسلم براشتہ لکھ جانا، اور یون کہ سخن سنجانہ ادا جانے نہ پائے، یہ خاقانی کی ایک معمولی خصوصیت ہے، یہ وہی کتاب ہے جسکے پڑھانے مین ملک الشعرا

پائے تخت جہانگیری ابوطالب کلیم ہمدانی سا اُستاد یگانہ عہدہ برآنہ ہو سکا، حق یہ ہے کہ اس کتاب کی شرح جیسی چاہیے فی زمانا قریب محال ہے، اور اگر کسی مین یہ قدرت ہو بھی تو اس ہیبتون کو کاٹ کر جوئے شیر کس اُمید پر لائے، اِس حالت مین مکرمی علامہ شادمان نے جو کچھ کیا ہے مستحق صدہزار آفرین ہے، علامہ موصوف نے مجھے اپنی شرح کے تین جزو بھیجے ہین، جن مین (۵۲) شعار کی شرح فرمائی ہے، مین اُنکا منت گزار ہون کہ اُنھون نے اس امر پر زور دیا کہ تنقید مقصود ہے، تقریظ مطلوب نہین، اب تصویر کے دونون رُخ اہل نظر کے سامنے آسکینگے، اِن اجزا مین قصیدۂ ذیل کی شرح کی گئی ہے۔ مطلع ؎

ہر صبح سر زگلشن سودا برآورم و ز صور آہ بہ فلک آوا برآورم

اس قصیدے کے چار شارح ہین جناب محشی جنکی شرح قصائد خاقانی مطبوعہ کے حاشیہ پر ہے، جناب مولانا محمد علیصاحب نامی پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی، جناب مولانا سید اولاد حسین صاحب شادان بلگرامی، اور جناب مولانا سید محمد نقیؒ صاحب شادمان لکھنوی

جناب شادمان نے شرح متذکرۂ صدر کے مطالب نقل فرما کر اُن کے صحت و سقم سے بحث کی ہے کہین تخطیہ کیا ہے، کہین تائید فرمائی ہے اور ایسا ہی کرنا بھی چاہیے تھا، اسلیے کہ اب ناظرین کرام معقول فیصلہ فرما سکینگے، مگر کہین کہین علامہ موصوف علامہ شادمان و علامہ نامی سے اختلاف کرنے مین ایسے محو ہوے ہین کہ لہجہ ایسا درشت یا ظریفانہ ہو گیا ہے کہ متانت اُنکا منہ دیکھ کر رہ گئی ہے خصوصیت کے ساتھ جو داب تکلم جناب علامہ شادان کے ساتھ اختیار فرمایا ہے اُسپر ہر واقف حال کو تعجب آتا ہے۔ قریب قریب علامہ بلگرامی اور علامہ لکھنوی کی عمر ایک جگہ گزری ہے۔ الفاظ شادان و شادمان کی یکرنگی نے

بھی علامہ بلگرامی کے دامن پر ہاتھ ڈالکر اس شیوۂ گفتار سے باز نہ رکھا حیرت سی حیرت ہے۔ نقد و تخطیہ عیب نہین، مگر لہجہ کی متانت مین وہ دلربائی ہے کہ بیان و شرح سے بے نیاز ہے، علامہ موصوف نے علامہ بلگرامی کو کہین علامہ الہ آبادی کا پورا پورا شاگرد، کہین پورا پورا مترجم کہا، ان کی شرح کو گراموفون کا نغمہ قرار دیا، خیر یہ تو جو کچھ لکھا گیا اُسے شرح کے انداز تحریر سے تعلق ہے، اب مین اپنی ناچیز رائے شرح علامہ لکھنوی کے متعلق پیش کرتا ہون، میرا اجمالی فیصلہ یہ ہے کہ علامہ لکھنوی (حضرت شادمان) نے شرح بہت اچھی لکھی ہے اور باقی شرحون سے آپ کی شرح بہت زیادہ وقیع ہے اور آپنے بہت سے مقامات حل کر دیئے ہین۔

مطلع

ہر صبح سر ز گلشن سودا بر آورم
وز صور آہ بر فلک آوا بر آورم

علامہ نامی و شادمان نے مطلع ہی سے وہ راہ اختیار فرمائی ہے جو کعبہ نہین ترکستان کو جاتی ہے، خاقانی نے کہا ہے " سر ز گلشن سودا بر آورم " ان بزرگون نے اسکا مفہوم یہ قرار دیا کہ خاقانی ہر صبح گلشن سودا یعنی مراقبہ سے مجبور ہو جاتا ہے اسلیے فریاد کرتا ہے۔ یہ حل دل کو نہین لگتا، اسکے خلاف علامہ شادمان کا ارشاد کہ خاقانی کے گریہ و زاری کا سبب شوق معرفت الٰہی ہے صحت سے دست و گریبان ہے مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ اُنھون نے اس شعر کے حل مین ایک زیادتی اور ایک کمی کی ہے خلاصہ ارشاد علامہ لکھ کر کچھ عرض کرونگا۔

شادمان " یعنی مین عشق حقیقی اختیار کرونگا اور مثل بلبل کے معشوق ازلی کی یاد مین فریاد کرونگا جس کی آواز آسمان تک پہونچے گی، یہ میری آواز

کیا ہوگی صور ہوگی جس سے زمین تو زمین آسمان پر قیامت قائم ہوجائیگی"
زیادتی تو یہ ہے کہ شارح علام نے زمین تو زمین" کا ٹکڑا ایسا رکھدیا جس سے مُراد قائل کو ذرا بھی تعلق نہین یعنی زمین پر قیامت قائم ہوہی جائے گی آسمان کا بھی یہی حشر ہوگا۔
اور کمی یہ ہے کہ بر فلک آوا برآور دم" کے ٹکڑے کا مطلب دلنشین کرنے کی کوشش نہین فرمائی اور میرے خیال ناقص مین جبتک اس کی شرح نہ کی جائے حق شرح ادا نہین ہوتا۔ "آسمان پر قیامت قائم ہوجائے گی" کا بھی وہ مطلب نہین جو علامہ موصوف کے الفاظ اور انداز تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔

مجھے اِس شعر مین دو پہلو نظر آتے ہین، جن کی طرف صد قیامت کے دو اثر اشارہ کرتے ہین (سب کا مرجانا، سب کا زندہ ہوجانا)

(۱) خاقانی یہ کہتا ہے کہ مین ہر صبح گلشن سودا (عشق و مراقبہ) مین پہونچونگا اور ایسے سوز و گداز سے آہ کرونگا کہ عالم ملکوت کے تسبیح و تہلیل کرنے والے پہلے تو اُسے سُنتے ہی دم بخود ہوجائینگے پھر نہایت ذوق و شوق سے زمزمۂ یاد الٰہی مین مصروف ہوجائینگے، مختصر یہ کہ میری آہ اُنپر پہلے استعجاب کا اثر ڈالے گی پھر اُن مین عاشقانہ اور عارفانہ ذوق عبادت پیدا کردے گی اور اُن کو معلوم ہوگا کہ دل والے خدا کو اس طرح یاد کرتے ہین یہ دو شعر میرے مدعا کو واضح کردینگے۔

کدام مرغ اسیر از قفس صفیر کشید (لاادری) کہ بُلبُلان ہمہ منقار از نوا بستند
مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا (غالب) بلبلین سنکر مرے نالے غزل خوان ہوگئین

خاقانی کا یہ خیال اس تحقیق و اعتقاد پر مبنی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور بار امانت (عشق خدا) کا حامل، فرشتے اور انسان مین بڑا فرق ہے، فرشتے نفس امارہ

نہین رکھتے اسلیے وہ عبادت نہ کرینگے تو اور کیا کرینگے۔ ان کی عبادت کا محرک حکم الٰہی ہے انکی عشق الٰہی نہین۔

(۲) ایسی آہ کرون کہ فرشتے عبادت چھوڑ کر بالاے آسمان یون جمع ہو جاین جسطرح اہل محشر میدان حشر مین جمع ہونگے۔ یعنی میری آہ کا اہل آسمان پر وہ اثر ہو جو صور قیامت کا اہل زمین پر ہوگا۔

برکوہ چون لعاب گوزن اوفتد بصبح
بوی گوزن دار بصحرا برآورم

اس شعر کا مطلب مجھو ری لذت مراقبہ والے ٹکڑے سے قطع نظر کر کے سب نے صحیح لکھا ہے، میرے نزدیک لعاب گوزن سے آفتاب کی شعاعین نہین سپیدۂ صبح مراد لینا چاہیے اسلیے کہ لعاب گوزن مین خاص طرح کی سفیدی ہوتی ہے تابندگی نہین ہوتی، علاوہ برین ہانک گوزن کو بو سے تعبیر کر کے اسکے لیے ایک نیا اسم صوت پیدا کر دیا گیا ہے اور حالت وحشت مین بارہ سنگھے کے رم کا ذکر کر کے عاشق شوریدہ سر کی رمیدگی کا نقشہ کھینچدیا ہے۔

از اشک خون پیادہ واز دم کنم سوار
غوغا بہفت قلعۂ مینا برآورم

علامۂ لکھنوی فرماتے ہین کہ فاضل بلگرامی نے خون کی جگہ چون بھی پڑھا ہے اور حسب کا ترجمہ کیا ہے میرے نزدیک اچھا نہین، میرے نزدیک خون سے چون کہین

بہتر ہے، اس طرح ایک جھول بھی مٹجاتا ہے، یعنی جب اشک خون یا خونین کہا تو دم عنبرین یا معنبر چاہیے ورنہ لفظون کا توازن باقی نہ رہے گا، خاقانی کا عام انداز یہی ہے مثلاً ؎

بس اشک شکرین کہ فرو بارم از نیاز بس آہ عنبرین کہ بعمدا برآورم

شادمان:۔ تم اس موقع پر تعجب کروگے کہ خاقانی تو یاد الٰہی مین رو رہا تھا یہ جنگی طیاری کیسی؟ اسکی وجہ قابل نامی یہ قرار دیتے ہین "نیرنگ سازیش مرا از لذت مراقبہ جدا کردہ" مگر فاضل بلگرامی نے کچھ سمجھکر محض شعر کے معنی پر اکتفا کی حملہ کی کوئی وجہ نہین قرار دی۔ تحریر کرتے ہین، جب آنسوؤن کے پیادے، اور آہون کے سوار بنالون تو ہفت قلعہ آسمانی مین غوغا مچادون"

بیخود۔ خاقانی ابھی یہ ارادہ کر رہا ہے نہ وہ عالم عشق مین درآیا ہے نہ نالہ و فریاد کر رہا ہے۔

علامہ لکھنوی نے آنسو کو پیدل اور آہ کو سوار کہنے کا سبب آنسوون کے اپنے پاؤن سے چلنے اور آہ کے دوش صبا پر سیر کرنے کو قرار دیا ہے اس کی صحت مین کلام نہین۔

خود بے نیازم از حشر اشک و فوج آہ
کان آتشم کہ یک تنہ غوغا برآورم

اس شعر کا مطلب سب نے صحیح لکھا ہے مین صرف چند لفظون کی معنویت کیطرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہون۔

جب گریہ اور آہ کا ساتھ ہوتا ہے تو آہون کی تعداد آنسوؤن سے کم ہوتی ہے، اسی طرح

پیدل زیادہ اور سوار کم ہوتے ہین یہی سبب ہے کہ خاقانی نے اشک کیلیے حشر (بھیڑ - ٹڈی دل) اور آہ کیلیے فوج کا لفظ اختیار کیا۔ اسکے بعد "کان آتشم" کا ٹکڑا آتا ہے علامہ لکھنوی نے خود آتشم کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ "العشق نار" آیا ہے، یہان آتش کا ترجمہ آگ ہی کرنا چاہیے اس سے "یک تنہ غوغا بر آورم" خوب سمجھ مین آتا ہے، کیونکہ آگ کی چنگاری شہر کا شہر پھونک سکتی ہے۔ علامہ لکھنوی فرماتے ہین "فاضل بلگرامی نے "زان آتشم" بھی پڑھا ہے مگر یہ اچھا نہین"۔ مجھے اس رائے سے اتفاق ہے۔

اسفندیار این وزر رویین منم بشرط
ہر ہفتہ ہفتخوان آتش بہ تنہا بر آورم

اس شعر کے لغات حل کرنیکے بعد علامہ لکھنوی رقمطراز ہین :-

شادمان :- "یہ تینون شعر ترک تعلقات دنیا و مافیہا مین ہین، نہ وہ وجہ جو قابل ناجی نے اختیار کی ہے یعنی ترک مراقبہ، خاقانی نے باغ عشق الٰہی مین قدم رکھا، عشق تکالیف سے رو یا پیٹا چلایا۔ اشکون کا دریا بہایا۔ اسی رونے مین وہ خیال قائم کرتا ہے کہ گو مین ترک دنیا کر چکا ہون مگر پھر بھی قوائے شہوانی پر اطمینان نہین، کہین ایسا نہو کہ پھر انکا میلان لذات کی طرف ہو جائے اسلیے ان آسمانون پر حملہ کر کے ان کو تباہ کر ڈالون آسمان پر حملہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی گردش سے تمام مادی چیزون کا تکون ہوتا ہے، جس پر انسان کی روح خدا سے غافل ہو کر مائل ہو جاتی ہے اور قوائے شہوانی کی مطیع اور بندہ، اسلیے اصل ہی پر حملہ کرونہ یہ آسمان

ہونگے نہ مادی چیزون کا نکون ہوگا اور اسی بناپر عاشقان آلہی اُن کو دشمن قرار دیتے ہین چنانچہ خاقانی خود کہتا ہے ؎

آبا ے علو یند مرا خصم چون خلیل
بانگ ایاز نسبت آبا برآورم

یہ وجہ سمجھ لینے کے بعد شعر کا مطلب سمجھنا چاہیے

"حکیم کہتا ہے کہ مین تو شرطیہ اس اژدہات کے قلعہ کا اسفندیار ہون، مین تو ہر ہفتہ اسکے ہفتخوان کو اکیلا فتح کرونگا اور اپنی عقل و روح کو جو گرفتار عالم فانی ہین چھڑا کرے آؤنگا جس طرح اسفندیار اپنی بہنون کو چھڑا کرے آیا تھا، مجھے اس بلیّن اور رسالہ کی کوئی ضرورت نہین "

اتنا لکھ چکنے کے بعد علامہ لکھنوی نے علامہ بلگرامی والہ آبادی کا حل نقل فرماکر بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے مین اُسے نقل کرکے کچھ عرض کرون گا۔

نامی "من روزانہ بزور ریاضت و مراقبہ ہفت افلاک راطے کردہ روح خود را ہمچنانکہ اسفندیار خواہران خود را از قید رہا کردہ بود از قید نفس رہا سیکنم"

شادمان "شعر نمبر(۴) مین قابل شارح نے جو حملہ کی وجہ قرار دی ہے کہ آسمان کی نیرنگی مجھے عشق و مراقبہ سے علیحدہ کردیا سو جہ سے اسپر حملہ کرکے اُسے پارہ پارہ کردونگا"

اب یہان روح قید نفس امارہ سے چھڑائی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ اوپر والی وجہ حملہ کی نہ تھی، پھر ون کو تو مراقبہ سے علیحدہ ہی کردیا جاتا ہے۔ روزانہ بزور ریاضت و مراقبہ کیا۔ یا یہ کہ آپ کی عبارت کی تاویل کیجائے اور روزانہ سے شبانہ مراد لیجائے، مگر مشکل یہ ہے

کہ وہ کلمہ دن ہی کو کر رہا ہے، علاوہ برین شارح کی اس عبارت کا سمجھنا کم از کم میرے لیے بہت دشوار ہے " کہ سات آسمانون کو طے کرکے اپنی روح کو قید نفس امارہ سے چھڑا دونگا " یہ نفس کیا سات آسمانون کے اوپر ہے کہ جن کو طے کرکے روح چھڑائی جائیگی۔

فاضل بلگرامی کا مطلب اور اُس کا سُقم فاضل بلگرامی باوجود پورے مترجم ہونے کے اس مقام پر آپ کی تھوڑی سی عبارت سے کچھ سوچکر علحدہ ہوگئے فرماتے ہین " مین روزانہ اپنی قوت ریاضت و مراقبہ سے قید تعلقات عالم سے اپنی روح کو چھڑاتا ہون اور آسمان کے اُس پار پہونچا دیتا ہون اور حضوری خدا حاصل کرتا ہون۔

فاضل بلگرامی کو جناب نامی کی آخری عبارت مین سقم نظر آیا اسلیے آپ نے روح کو اس پار لیجا کر خدا سے ملا دیا مگر یہ بھی غلط وہ بھی غلط نہ خاقانی یہ کہتا ہے نہ وہ۔

نخود - نہایت افسوس ہے کہ مجھے جتنا اختلاف علامہ موصوف کی رائے سے اس مقام پر ہے شاید کہین اور ہو۔ یہ وجہ بھی ویسی ہی سقیم ہے جیسی علامہ الہ آبادی کی تمامی ہوئی وجہ، جہانتک مین سمجھتا ہون اس شعر کا جو مطلب علامہ بلگرامی نے بیان کیا ہے وہ تھوڑے سے تغیر کے بعد صحیح ٹھہرتا ہے اسلیے کہ وہ فرماتے ہین:-

شادان:- مین روزانہ اپنی قوت ریاضت و مراقبہ سے قید تعلقات عالم سے اپنی روح کو چھڑاتا ہون اور آسمان کے اُس پار پہونچا دیتا ہون اور حضوری خدا حاصل کرتا ہون "

پہلی غلطی تو اس مطلب مین " روزانہ " کی ہے دوسری غلطی " زمانہ " کی ہے۔ یعنی چھڑاتا ہون پہونچاتا ہون۔ صحیح نہین، یہان چھڑا دونگا وغیرہ کہنا چاہیے، اسلیے کہ خاقانی ابھی ترک دنیا کا ارادہ کر رہا ہے۔

تیسرے شعر تک خاقانی کے رونے کی وجہ علامۂ الہ آبادی و بلگرامی نے محرومی لذت مراقبہ بتائی ہے مگر اسکے متعلق علامۂ لکھنوی کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

علامۂ لکھنوی نے علامہ الہ آبادی سے یہ سوال کیا ہے۔

"یہ نفس کیا سات آسمانون کے اوپر ہے کہ جن کو طے کرکے روح چھڑائی جائیگی"

مگر مجھے تعجب ہے خود علامہ لکھنوی یہ ارشاد فرماتے ہین کہ مین اپنی عقل و روح کو جو گرفتار عالم فانی ہین چھڑا کرلے آؤنگا۔

اُن کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم فانی نے روح و عقل کو گرفتار کرکے افلاک کے مستحکم قلعہ مین بند کرا دیا ہے اسلیے خاقانی حملہ کرکے اُسے چھڑا لائیگا۔

اِس غلطی کا سبب یہ ہے کہ شارحین کرام اسفندیار کے ہفتخوان والے کل قصہ سے مطابقت دینا چاہتے ہین۔ اِس شعر مین صرف ہفتخوان طے ہوجانا، یعنی موانع کا سدراہ نہ ہونا قدر مشترک ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح سات سخت منزلین (ہفتخوان) اسفندیار کے لیے منزل مقصود تک پہونچنے مین مانع نہو سکین، تو کوئی ایسا بڑا کام نہین اسکے لیے نہ حشر اشک کی ضرورت ہے نہ فوج آہ کی، اسلیے تو مین تن تنہا یکسوئی قلب سے صرف ایک ہفتہ مین کر سکتا ہون۔

علامۂ لکھنوی کی بتائی ہوئی وجہ کے یہ ٹکڑے حیرت انگیز ہین:۔

(١) آسمان پر حملہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی گردش سے تمام مادی چیزون کا تکوّن ہوتا ہے، جنپر انسان کی روح خدا سے غافل ہوکر مائل ہوجاتی ہے، اسلیے اصل ہی پر حملہ کرو نہ یہ آسمان ہونگے نہ مادی چیزون کا تکون ہوگا۔

(۲) مین تو ہر ہفتہ اُسکے ہفتوان کو اکیلا فتح کرونگا اور اپنی عقل و روح کو جو گرفتار عالم فانی مین چھڑا کے لے آونگا جس طرح اسفندیار اپنی بہنونکو چھڑا کرلے آیا تھا۔

میرے نزدیک یہ وجہ وجیہ نہیں اور یہ سارا بوگ "ہر" کی وجہ سے پڑتا ہے اسلیے کہ جب آسمان ایک بار تباہ و برباد کرڈالے گئے اور روح خواہران اسفندیار کی طرح الگیا چھڑا لی گئی تو پھر ہر ہفتہ مین کون تباہ کیا جائے گا اور کون قید سے چھڑایا جائیگا کیا آسمان تباہ ہونیکے بعد جادو کے تیلون کی طرح پھر جیسے تھے ویسی ہی ہوجائینگے۔

میرے خیال مین یہ شعر یون ہوگا ؎

اسفندیار این و زر روئین منم بشرط — در ہفتہ ہفتخوانش بہ تنہا برآورم

حملہ کا ارادہ اسلئے ہے کہ افلاک روح اور لامکان و مبدء روح کے درمیان حاجب ہین اگر بفرض محال تسلیم کرلیا جائے کہ خلاق المعانی نے ہر ہفتہ ہی فرمایا ہے تو صاد کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

قصائد خاقانی پر نظر کرنیسے میرا یہ اعتقاد ہوگیا ہے کہ اُس سے زیادہ کیا اُسکے برابر بھی کسی ایرانی شاعر نے لفظی و معنوی ربط و مناسبت و تعلقات ادبیہ مرعی نہین رکھے یہان ہفتخوان رستم کو چھوڑکر ہفتخوان اسفندیار کو صرف اسلیے اختیار کیا ہے کہ اسفندیار روئین تن تھا اور یہان وہ افلاک کو قلعہا ے روئین کہنا چاہتا تھا جب ہفتخوان کا ذکر آچکا تو تھوڑی سی مدت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے در ہفتہ کہدیا۔

بس اشک شکرین کہ فرو بارم از نیاز
بس آہ عنبرین کہ بعمد ابر آورم

شادمان: "یہ جو میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں ان کو تم گریۂ غم نہ سمجھنا میرے دل میں عشق آگیا ہے اور مجھے اسکی بے انتہا خوشی ہے اسلیے کہ کہاں میں ناچیز کہاں حسنِ ازلی کا عشق عزیز الخ"

بیخود: "ابھی زمانہ حال کے استعمال کا وقت نہیں آیا، اسپر یہ اشعار شاہد ہیں

تمکے بر غم کعبہ نشینان عروس وار | چون کعبہ سر ز شقہ دیبا بر آورم
اولی تر آنکہ چون حجر الاسود از پلاس | محو ر الباس عنبر سارا بر آورم

یہ اشعار دلیل قاطع ہیں کہ ابھی تک "خاقانی" عشق و معرفت کے مراحل طے نہیں کر چکا بلکہ صرف ارادہ کر رہا ہے۔

خاقانی اس شعر میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میرے گریہ کو تم گریۂ غم نہ سمجھنا بلکہ وہ پچھلے شعر میں کہہ چکا ہے کہ ان آسمانی قلعوں کے فتح کرنے میں فوج اشک آہ سے کام نہ لونگا اب کہتا ہے کہ میں روؤنگا، مگر یہ گریہ گریۂ ذوق اور یہ آہ آہِ شوق ہوگی

لب ز احنوط ز آہ معنبر کنم چنانکہ
رخ را وضو باشک مصفا بر آورم

ناؔمی پر شادمان کا صحیح اعتراض

اس شعر کا مطلب حضرت شادان اور حضرت شادمان نے صحیح لکھا ہے۔ حضرت ناؔمی نے لبوں کو مردہ سمجھکر آہ معنبر سے حنوط کرنا ضروری سمجھا، علامہ شادمان نے اُنکا تخطیہ پُر زور اور مدلل الفاظ میں کیا اور اُسکے سامنے تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں۔

قندیل دیر چرخ فرو میرد آن زمان
کان سرو باد زآتش سودا بر آورم
دلہائے گرم تپ زدہ را شربتی کنم
زان خوشدمے کہ صبحدم آسا بر آورم

ناقی:۔"(۱) مین جس وقت ٹھنڈا سانس عشق کی بھڑکتی آگ سے نکالتا ہون
اُسوقت اس تبخانۂ فلک کی قندیل گل ہو جاتی ہے۔

(۲) اینکہ آہ من چنان تاثیری دارد کہ آفتاب ماہم بیتاب
میکند و در تب تاب می اندازد"

بیخود:۔ خبر نہین کہ فرو مُردن قندیل کے معنے یا مفہوم در تب و تاب انداختن
بتانا کس تحقیق پر مبنی ہے۔

شاہ آن نے وہی پرانا ڈھر"امروہی لذت مراقبہ کا" دیا ہے "باد سرو" کے
معنی آہ بے تاثیر لکھے ہین۔ علامہ لکھنوی نے اسپر اعتراض کیا ہے جو اُٹھائے نہین
اُٹھ سکتا، قرینہ کلام سے ایسی بے ادائی اللہ اللہ۔

علامہ لکھنوی:۔ دیر چرخ مین اضافت تشبیہی ہے۔ چرخ کو دیر
اسوجہ سے کہا ہے کہ اس مین اشکال جنوبی و شمالی اور ستارے سیارے
موجود ہین جو بمنزلہ بت ہین۔
قندیل دیر چرخ آفتاب ہے۔

مطلب:۔ حکیم کہتا ہے کہ مین باغ عشق مین تو آہی گیا اور میرے
اندر عشق کی آگ تو بھڑک ہی رہی ہے اگر مین اس بھڑکی آگ سے

ٹھنڈی سانسین نکالون تو یقین جانو کہ دنیا کے بتخانون کی قندیلون کا تو
کیا ذکر، اتنے بڑے دیر چرخ کی اتنی بڑی قندیل اُسیوقت بجھ جائیگی
خاقانی اِس قصیدے بھر مین نہ بطریقِ اشارہ نہ بطریقِ تصریح کہتا ہے
کہ مین صبح کے وقت عشق و مراقبہ سے علیحدہ ہو گیا۔

نہ نحوہ۔ مین یہان قندیل و دیر چرخ سے آفتاب مراد لیتے ہوئے گھبراتا ہون اسلیے کہ قندیل سادو سامان بتخانہ اور بتان و کربلا کے حُسن کو جگمگا دینے کے لیے روشن کیجاتی ہے نہ کہ نظر سے اوجھل کر دینے کے لیے، یہ اچھی قندیل ہے کہ روشن کیجائے تو بت اور آرائش بتکدہ سب کے سب غائب ہو جائین۔ یہان قندیل دیر چرخ سے ماہتاب مراد ہے اور بتون سے ستارے سیارے۔

مطلب۔ جب مین جوشِ عشق مین آہ سرد کھینچونگا تو ماہتاب کی قندیل گل ہو جائیگی اور بتخانہ آسمانی کے بُت یعنی ستارے سیارے یون چھپ جائینگے جس طرح چراغ گل ہوتے ہی ہر شے پر ظلمت کا پردہ پڑ جاتا ہے۔

اِس شعر مین حُسنِ تعلیل ہے آفتاب نکلنے سے تارے بے نور ہو جاتے ہین مگر خاقانی اس کی شاعرانہ وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ مہتاب اور ستارون کے غروب ہونے کا سبب طلوعِ صبح نہوگا بلکہ میری آہ سحری سے قندیلِ ماہ گل ہو جائے گی اور جب قندیل گل ہو جائے گی تو یہ بت نظرون سے پنہان ہو جائین گے، اور جب شاعر آہ سرد کو نسیم سحری کا ہم اثر کہہ چکا تو کہتا ہے کہ یہی آہ سرد جو ماہتاب کی قندیل گل کر دیگی تپ فراقِ معشوق حقیقی (محرومان تجلیات ربانی) مین تڑپ تڑپ کر بسر کرنے والون کے دل مین ٹھنڈک ڈال دیگی یعنی میری آہون کے صدقے مین باب تجلیات مشاہدات

اُن عشاقِ آلہی پر بھی کھل جائے گا جن کا سوز ابھی ناتمام ہے۔

قندیلِ دیرِ چرخ سے آفتاب مراد لیں تو ساری دنیا بتخانہ ٹھہرے، جسکا فرش زمین چھت آسمان اور تمامی موجودات عالم بت اور سازو سامان بتکدہ ہیں قندیل سقف سے آویزان کیجاتی ہے یا محراب سے، اور آسمان میں سقف اور محراب دونوں کی شان نکلتی ہے۔ اگر یہاں بھی آفتاب مراد ہو تو یوں سے تارے سیارے مراد نہیں ہو سکتے، اور مطلب یہ ہوگا کہ جب میں صبح کو آہ سرد کھینچوں گا تو قندیلِ آفتاب بے نور ہو جائے گی اور تمام موجودات پر رات کا سا تاریک پردہ پڑ جائے گا یعنی مراقبہ کی محویت میں ساری دنیا میری نظروں سے اوجھل ہو جائے گی یہاں تک کہ آفتاب سی عالمتاب شے بھی موجود نہ معلوم ہوگی صرف جلوۂ یار پیش نظر ہوگا۔

دلہائے گرم تب دہ را شربتی کنم　　زان خوش شدم کہ صبح دم آسا برآورم

اس شعر میں یہ لطف بھی ہے کہ معنی صبر ورت پیدا ہو گئے ہیں، یعنی وہی آہ سرد جو ہوا تھی رقیق ہو کر شربت بن گئی۔

ہر دم مرا بعیسیٰ تازہ ہست حاملہ

زان مردمے چو مریم عذرا برآورم

علامۂ بلگرامی و لکھنوی نے اس شعر کا مطلب لفظوں کے الٹ پھیر سے ایک ہی لکھا ہے، جس کی صحت میں کلام نہیں، علامۂ ناؔمی نے ہر دمے کو مردمے دال کے پیش سے پڑھا ہے اور اس میں یائے تعظیم تجویز فرمائی ہے اور فرماتے ہیں کہ اس بڑے آدمی سے حضرت عیسیٰ مراد ہیں، میرے نزدیک یہ کوہ کندن و کاہ برآوردن

ہے اور بہر حال بے ضرورت اور بے لطف مُردِمے وال کے زبر سے معنی دیتا ہو
مگر بہر دے کو ترجیح ہے اور اسی کو علامہ لکھنوی نے اختیار فرمایا ہے۔

زین رُوے چون کرامت مریم ببالغ عمر
ز نخل خشک خوشہ خرما بر آورم

شادمان " نخل خشک سے ہر شارح نے قلم مراد لی ہے مین اسکو غلط نہین کہتا۔ مگر میرے نزدیک خود خاقانی کا قد مبارک مراد ہے جو عشق کی تکالیف سے خشک ہوگیا۔
خوشہ خرما مضامین عشقیہ۔ نہ کلام شیرین جسکو قابل نامی و فاضل بلگرامی نے اختیار کیا ہے "

بیخود مجھے اس رائے سے اتفاق ہے، لیکن اگر نخل خشک سے قلب صنوبری مراد ہو تو بھی کوئی قباحت لازم نہین آتی۔

تردامنان کہ سر بگریبان فرو برند
سحر آورند من ید بیضا بر آورم

شادمان " تردامن۔ گنہگار، یہان اُن متصوفین سے مراد ہے جو عشق آلہی کے جھوٹے دعوے کرتے ہین اور اُن مین فی نفسہ عشق نہین ہوتا۔ جناب محشی و نامی و بلگرامی ہمعصر شعرا مراد لیتے ہین "

بیخود ۔ میرے نزدیک علامہ لکھنوی حق پر ہین۔ مطلب بھی انھون نے

صحیح بیان فرمایا ہے۔ یعنی میرا کلام سچے عشق کی وجہ سے ید بیضا یعنی معجزہ اور مدعیان معرفت (ریاکار صوفی) کے اقوال سحر یعنی باطل۔

نامی: "اینکہ من موسیٰ طور کلام و حریفان من (گنہگار شعراء) ہمچو گروہ فرعون مردود اند و کلام شان پیش کلام چون سحر باطل میشود فروغ نمی باید"

بیخود۔ گنہگار سے حریف شعرا مراد لینے میں جناب نامی نے سہو فرمایا، باقی حق یہ ہے کہ گروہ فرعون کی طرف اُنکا خیال بیجا نہیں گیا،

خاقانی پردہ پردہ میں حضرت موسیٰ اور ساحران دربار فرعون کے مقابلہ اور ید بیضا کے نظر خیرہ کر دینے والے معجزہ کی چھوٹ ڈال رہا ہے اور لفظوں میں واقعہ کی تصویر بھی ہے اور تصویر بھی ایسی دلکش جیسے باریک چلمن کے اُدھر پریجاؤں کا جھمکڑا ہو۔

دل در مغاک ظلمت خاکی فسردہ شد
رختش بتاب خانۂ بالا بر آورم
رُستی خورم ز خوانچۂ زرین آسمان
وآوازۂ صلابہ مسیحا بر آورم

شادمان: نامی نے اس شعر کے مرادی معنی بیان فرمائے کہ میں اپنے دل کو تعلقات اہل دنیا سے علحدہ کر کے عالم بالا پر لیجاؤنگا۔

یہاں صرف عالم بالا کہنا کافی نہیں بلکہ شعر میں افسردگی اور

تابخانہ کا ذکر ہے، چاہیے تھا کہ اس تنوری روٹی سے فائدہ اُٹھانیکا خیال ظاہر کیا جاتا۔"

شادان:- "مین اپنے دل افسردہ کو چرخ چہارم پر فیض آفتاب معرفت سے جوش پیدا کرنے کے لیے لیجاؤنگا۔"

اسپر شادمان کا ایراد یہ ہے کہ بھلا چرخ چہارم سے آفتاب معرفت کو کیا خصوصیت ہے۔ اور حق یہ ہے کہ انکا یہ ارشاد بجا ہے۔

خود علامۂ لکھنوی دل کو چرخ چہارم پر لیجانیکی وجہ یہ بتاتے ہین کہ آفتاب کی خوب سرخ سرخ سکی ہوئی تنوری روٹی سے گرمی پہونچاؤنگا۔ مین اتنا اضافہ اور ضروری سمجھتا ہون کہ تنور والامکان گرم ہوگا، اُس سے بھی گرمی پہونچے گی۔

اِس شعر کی شرح سے پہلے اگر یہ کہدیا جاتا تو بہتر ہوتا کہ خاک کا مزاج سرد و خشک ہے، زمین کی تعبیر مغاک ظلمت خاکی سے نہایت لطیف ہے۔ (مغاک۔ گڑھا غار) ظاہر ہے کہ گڑھے اور کنوئین مین سطح خاک سے زیادہ سردی ہوتی ہے اور آسمان پر نظر کرتے ہوئے زمین کا مغاک ہونا تشریح کا محتاج نہین۔ ظلمت مستلزم ہے عدم نور کو، بلکہ ظلمت نام ہے عدم نور کا، جہان روشنی نہ آے گی وہان سردی کا ہونا لازمی ہے۔

رستی خورم زخوانچۂ زرین آسمان آوازۂ صلائے مسیحا بہ آورم

بیخود:- شادمان نے خوانچۂ زرین مین اضافت تشبیہی بتائی اور یہی صحیح ہے نامی نے خوانچۂ زرین سے آفتاب مراد لیا، اور بلگرامی نے فلک البروج سے کنایہ لیا، علامۂ عدم آبادی (محشی) فرماتے ہین:-

"سخن آنجائی گویم. اما ہیچ نگویم کہ عیسیٰ کہ فصیح گو ہست ازین استفادہ برد۔
لے این ہر دو بیت را تقاضائے تمامی ہم است"

علامۂ لکھنوی اس حل کو سخت مضحکہ انگیز فرماتے ہین اور ہے بھی ایسا ہی تقاضائے تمامی والے جملہ کا مطلب مین بیان کردون یعنی اسے قطعہ نہ قرار دین تو بھی ہر شعر اپنے معنی دیتا ہے، نامی خوانچہ زرین سے آفتاب مراد لیتے ہین. رُستی سے غذائے روحانی وکلام لاثانی سمجھتے ہین اور مطلب یہ لکھتے ہین.

"اینکہ من ترک دنیا کردہ ام از عالم بالا چنان فیض یابم کہ حضرت عیسےٰ
راکہ در مہد گویا شدہ بود جہت حصول لذت واستماع کلام خود نی طلبم"

علامۂ بلگرامی فرماتے ہین۔

"فلک چہارم یا ہشتم پر نان فیض روحانی کھاؤنگا" الخ

اسپر علامۂ لکھنوی کا ایراد ہے کہ اگر یوہین ہے تو پھر خاقانی یہ کیا کہتا ہے. ع

زین نان دہان بآب تبرا برآدرم

یہ استدلال نہایت قوی بلکہ لاجواب ہے. حقیقتاً جب فیض روحانی مراد ہو تو اس سے تبرا کرنا کیا معنے۔

علامہ لکھنوی سے اختلاف — علامۂ لکھنوی نے مسیحا کی دعوت کرنیکا سبب یہ بیان کیا کہ چونکہ وہ بہت بڑی روٹی ہے. اسلیے بطور ایثار حضرت عیسٰی کو بھی بلاؤنگا کہ تم بھی کھالو. میرے نزدیک حضرت عیسیٰ کو دعوت دینا بر سبیل تعریض وطنز ہے. یعنی دیکھو تم کو آتنا زمانہ گزرا کہ اس نعمت سے کامیاب ہو تمہارے منہ سے کبھی نہ نکلا کہ آؤ تم بھی شریک ہوجاؤ۔

دوسری صورت   خاقانی ہمیشہ اس نعمت سے محروم رہا تھا، اب جو اُسے عالم خیال
مین یہ دن نصیب ہوا تو اترانے لگا، اگر نہ اترآنا تصنع ہوتا

چون در تنور شرق پزد نان گرم چرخ
آواز روزہ بر ہمہ اعضا بر آورم
نے نے من از خراس فلک در گزشتہ ام
سر زان سو فلک بہ تماشا بر آورم

جناب شادمان   جناب نامی "نان گرم چرخ سے آفتاب مراد لیتے ہین
سے اتفاق   حضرت شادمان فرماتے ہین کہ چرخ پزد کا فاعل ہے
لاریب یہ قول غلط نہین۔

اب رہا شعر کا مطلب اُسکے بارے مین یہ کہنا کہ علامہ الہ آبادی علامہ بلگرامی
نے مقام کی مناسبت سے بحث نہین رکھی روزہ کی فضیلت بیان کردی شرعی
حیثیت سے اِس مین کلام کی گنجائش نہین، مگر خاقانی کو اس محل پر اس بات سے کوئی
سروکار نہین، وہ تو بقول علامہ لکھنوی یہ کہہ رہا ہے کہ مین اب لامکان کی سیر
کرونگا مجھے آسمان کی بڑی چکی یا آفتاب کی روٹی سے کیا تعلق۔

آبستنم کہ چون رسدم بوے نان گرم
از سینہ باد سرد تمنا بر آورم

نامی۔ آفتاب نکلنے پر اگرچہ مجھے دنیوی ضرورتین پیش آتی ہین

لیکن چونکہ مین فیض آلہی روح القدس انوار واسرار معرفت سے حاملہ ہون اسلیے خواہشات دنیوی کیطرف رخ نہین کرتا اسلیے کہ حاملہ کا حمل گرم روٹی کے کھانے سے ساقط ہوجاتا ہے"

بلگرامی "آفتاب کو اعظم آیات آلہی سمجھکر اُسکے حصول کی خواہش کرتا ہون"

علامۂ لکھنوی اس شعر کے دو مطلب تحریر فرماتے ہین:۔

(۱) "گو مین اس سفید روٹی کو استعمال نہین کرونگا بلکہ مین نے تو یہانتک انتظام کرلیا ہے کہ میرے اعضا بھی استعمال نہ کرین اور روزہ رکھین مگر پھر بھی اس مادی عالم کی رغبت کچھ ایسی ہے کہ جس وقت اس گرم گرم روٹی کی خوشبو میرے مشام مین پہونچتی ہے تو اُسکی خواہش مین میرے سینے سے ٹھنڈی سانسین نکلتی ہین کیونکہ مین ابھی دنیوی خیالات سے حاملہ ہون۔

(۲) مین تو عالم لامکان مین آگیا اور خیالات عشقیہ سے حاملہ ہوگیا اب اگر میرے مشام مین اس گرم گرم روٹی کی خوشبو پہونچیگی اور مجھے اس کی تمنا ہوگی تو مین سر سے اس باد سرد تمنا ہی کو سینہ سے باہر نکال پھینکونگا"

(بیخود)

سب سے اختلاف اس شعر کا پہلا مصرع استفہام انکاری ہے، خاقانی کہتا ہے کیا مین حاملہ ہون کہ بوئے نان گرم میرے مشام مین پہونچے تو مین اُسکی حسرت

مین آہ سرد کھینچنے لگون۔

آب سپید نان سفید فلک بہ است
زین نان دہان بآب تبرا بر آورم

محشی:۔"نان دہان اسم فاعل ترکیبی قضا و قدر۔ وہ فرشتے جو دانے پانی کے موکل ہین۔
آب طوفان عشق نان سفید فلک سے بہتر، اندرین صورت مین ان روٹی دینے والون (قضا۔ قدر) یا فرشتون پر لعنت.......
کرتا ہون"

حضرت نامی بھی یہ تغیر قلیل یہی فرماتے ہین۔

شادمان:۔"ان بزرگون کے اقوال حد کفر تک پہونچتے ہین"

نیخود۔ اگر نان دہان اسم فاعل ترکیبی ہے تو پھر آب تبرا بر آوردم کے معنی کیا ہین۔"دہان بہ آب بر آوردن" منہ کو غوطہ کرنا یعنی مین اس روٹی (آفتاب) پر لعنت بھیج دونگا۔

آبائے علویند مرا خصم چون خلیل
باتاب ابا ز نسبت آبا بر آورم
از خاصگان مراست دم سر مہر عشق
ہر جا کہ مہر میست دم آنجا بر آورم

در کوے حیرتے کہ ہمہ عین آگہی است
نادان نمایم ودم دانا برآورم

الحمد للہ کہ ان اشعار مین سب صراط مستقیم کے سالک رہے۔

چون نائے اگر گرفتہ دہان دارد مم جہان
این دم ز راہ چشم ہمانا برآورم

الہ آبادی:۔ جب تک آنکھون مین دم رہے گا، راز معرفت بیان کرنا نہین چھوڑونگا۔

لکھنوی:۔ "رو رو کر اظہار عشق کرونگا"

بلگرامی:۔ "آنکھون کے اشارے سے ادا کرونگا"

جناب محشی:۔ "آنکھون کے اشارے سے ادا کرونگا"

بیخود:۔ علامۂ لکھنوی نے گرفتہ دہان کی معنویت اورصورت ظاہری پر نظر نہین فرمائی۔ جب کوئی کچھ کہنے لگتا ہے اور دوسرا شخص اُسکے منہ پر ہاتھ رکھدیتا ہے تو وہ شخص روتا نہین بلکہ اگر کہنا ضروری ہے تو اشارون مین کہتا ہے میرے خیال مین جناب محشی نے خوب سمجھکر لکھا ہے جس سے یہ مراد ہوسکتی ہے کہ رمز وکنایہ مین ادا کرونگا۔

اب رہی شعر کی لفظی ومعنوی لطافت، یہ خاقانی کا عام انداز ہے کہ ایسے الفاظ وتشبیہات واستعارات مین اداے مطلب کرتا ہے کہ بیانِ واقعہ واقعہ بنجاتا ہے، کہنا صرف یہ تھا کہ زبان سے کہنے نہ دینگے تو اشارون مین کہہ جاؤنگا

اسکے لیے نَے کی تشبیہ سے کام لیا۔ نے بجاتے وقت انگلیاں سوراخہائے نَے پر رہتی ہین اور وہان نے نواز لب شہنا پر گریا منہ بند کر دیا گیا۔ اور آواز نکلتی ہے سوراخون سے، شعر پڑہتے وقت خدا جانے کیا کیا نظر آنے لگتا ہے اور الفاظ شعر مفہوم کے لیے آئینہ جلوہ نما بنجاتے ہین

در ساق من چو چنگ بہ بند بدہ رسن
ہم بسا ق عرش معلّٰی بر آورم

علامۂ لکھنوی والہ آبادی دونون سے اتفاق

علامۂ لکھنوی دہ رسن سے دس دس زنجیرین (جن سے کثرت مراد ہے) سمجھتے ہین اور علامۂ الہ آبادی حواس عشرہ مراد لیتے ہین دونون قول صحیح ہین، اگر کچھ فرق ہے تو اتنا کہ علامۂ لکھنوی کے قول سے کلام کا زور بڑھ جاتا ہے، علامۂ الہ آبادی کے ارشاد سے لطافت اس مین کچھ شک نہین کہ یہی حواس عشرہ روح کو مادیات مین اُلجھائے رہتے ہین

با روزگار ساختہ رنگم بوے آنکہ
امروز کار دولت فردا بر آورم

اس شعر کا مطلب اس خاکسار کی رائے مین سب نے صحیح لکھا ہے۔ یعنے زمانہ کی ہمرنگی اسلیے اختیار کی ہے کہ اپنی عاقبت بناؤن۔

جام بلور در حشم رو یئن بدستم است
دست از دہان حشم بدارا بر آورم

شادمان:۔ "جام بلور۔ آفتاب

مطلب۔ بیشک یہ جام بلورین (آفتاب) کہ جو خم رو یئن مین ہے، میرے قبضۂ تصرف مین ہے اُسکو ترک کرونگا مگر برفق و نرمی"

علامۂ لکھنوی سے اختلاف علامۂ بلگرامی والہ آبادی نے جام بلور کی تعبیر دل یا دجود سے کی ہے یہی ٹھیک ہے، جناب محشی اور جناب نامی نے دوسرا مطلب یہ بیان فرمایا ہے۔

نامی:۔ "این است کہ من بہ تاثیر آفتاب اگرچہ سخنور کامل ہستم لیکن حصول کلام انسان بمدارات می کنم یعنی کلام آسمانی را بہ لغوگوئی صرف نمی کنم بلکہ جز شریعت شریف و مضامین تصوف چیزے نمی گویم"

بیخود:۔ یہ مطلب نہین خواب پریشان ہے، ایک اور مطلب حضرت نامی ومحشی و بلگرامی نے لکھا ہے

"یعنی اینکہ دل صاف مرا با سنگدل آسمان یا اہل زمانہ کار افتادہ، پس با یشان با مدارا بسر می برم و بہ نرمی عرض مدعا میکنم تا دل مرا از ایشان خوف حشر نماند چنانکہ جام بلور را از خم رو یئن"

یہ ارشاد بجا ہے ہان "بہ نرمی عرض مدعا می کنم" کا ٹکڑا کاواک واقع ہوا ہے شاعر کا مقصود یہ ہے کہ اگر زمانہ سے اَن بن ہو گئی تو عاقبت کا بنانا محال ہو جائے گا۔

تاچند بہر صیقلی زنگ چہرہ ہا
خود را بزنگ آئینہ سہ عنا بر آورم

علامۂ شاد مان سے اختلاف ارشاد علامۂ لکھنوی " چہرہ ہا مین یہ (ہا)
علامۂ نامی و بلگرامی سے اتفاق زائد ہے نہ جمع کا۔ مین کہین اور بھی کہہ
آیا ہون کہ خاقانی اکثر زائد لایا ہے"

بیخود۔ اِس شعر مین (ہا) جمع کا ہے زائد نہین، چہرہ منہ اور گال دونون معنون پر اہل زبان کے کلام مین آیا ہے جس طرح دو رُخ دو گالون کے معنون پر، مجھے دو چہر کی مثال اس وقت یاد نہین آتی مگر اِس کی صحت مین شک نہین دو رُخ کی مثال حاضر ہے۔ خدائے سُخن فردوسی داستان رُستم و سہراب مین سُہراب کے زخمی ہونے پر اُس کی زبانی کہتا ہے ؎

چو برخاست آواز کوس از درم بیامد پُر از خون دو رخ مادرم

اِس شعر مین چہر ہا سے اہل دنیا کے چہرے حضرت نامی و شادان نے مراد لیے ہین اور بیخود خاکسار اِسی کو صحیح سمجھتا ہے اسلیے کہ اسکے کچھ معنی نہین ہوتے کہ مین کبتک اپنے چہرے کا زنگ مٹانے کے لیے آپنے آپ کو آئینہ کی طرح خوبصورت (مصفا) یا دو رنگ (باعتبار رو و پشت آئینہ) بنائے رکھون۔ اسلیے کہ خود ہی آئینہ ہین اور خود ہی منہ دیکھنے والے اور خود ہی منہ کے داغ اور دھبے چھڑانے والے" جناب نامی فرماتے ہین:۔

"کہ مین کبتک ریاکاری سے دنیا والون کا ہادی بنا رہون درانحالیکہ خود میرا ظاہر اچھا اور باطن بُرا ہے"

اشعار شمارۂ ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ کا حل علامہ لکھنوی نے نہین لکھا، اور نہ کسی سے اختلاف فرمایا ہے :-

---

خارا چو مار بر کشم و پس بیک عصا
دہ چشمہ چون کلیمؑ ز خارا بر آورم

شادمان :- "اس ریشمی لباس کو سانپ کی کیچلی کی طرح اُتار کر پھینکدونگا اور صاحب کرامت ہوجاؤنگا، پھر مین اگر حضرت موسٰی کی طرح پتھر پر عصا مارونگا تو ایک چھوڑ دس دس چشمے جاری ہوجائینگے یعنی مجھسے ایسے افعال سرزد ہونگے جو مفید خلق اللہ ہونگے"

نامی :- "دہ چشمہ مراد دہ لطیفہ، یا دہ حواس خود را از آلودگیٔ نفس پاک کنم"

بیخود :- میرے خیال مین علامۂ لکھنوی کے ارشاد کا یہ جزو "یعنی مجھسے ایسے افعال سرزد ہونگے جو مفید خلق اللہ ہونگے" اور علامۂ نامی کے ارشاد کا یہ ٹکڑا کہ حواس عشرہ کو آلودگیٔ نفس سے پاک کرونگا" بے محل ہے ہان دہ لطیفہ والا ٹکڑا لطیف ہے اور تصوف سے اُسی کو زیادہ تعلق ہے

دو زردو سُرخ شام و سحر بودہ ام کنون
تن را بجودی شب یلدا بر آورم

شادمان :- "مین اسوقت تک رات دن کی رنگ رلیون مین

پڑا ہا، مگر اب درویشوں کا سیہ جبہ پہنونگا۔

خلاصہ:۔ بہ لباس فقر شب بیداری کردن میخواہم ۔

بیخود:۔ میرے خیال مین علامۂ لکھنوی نے یہان داد سخن فہمی دی ہے اور علامۂ الہ آبادی شرح شعر سے عہدہ برآ نہو سکے، بیشک تن را بعودی شب یلدا برآورم کو شب بیداری کرنیسے کوئی رابطہ نہین۔

داؤد شادی آبادی۔ ترجمہ "اب سے پہلے مین صبح و شام کو جب شفق پھولتی تھی مراقبہ کرتا تھا اب سے شب بیداری کیا کرونگا"

یہ اُسی مطلب کا ایک جزو ہے جو حضرت نامی نے لکھا ہے اسکا سقم ہونا ظاہر ہے اسلیئے کہ اشعار ماسبق و مابعد کا مفہوم یہ ہے کہ اب تک مین آلودۂ دنیا تھا اب تارک الدنیا ہو جاؤنگا۔"

چون شب مرا ز صادق و کاذب گریز نیست
تا آفتابے از دل و روا برآورم

علامۂ الہ آبادی و بلگرامی نے صادق و کاذب سے تجلیات و مغالطات مراد لئے ہین ان کی صحت و لطافت مین محل کا خیال کرتے ہوئے کلام ہے۔

علامۂ لکھنوی نے صادق سے عالم عشق و محبت اور کاذب سے مادی دنیا مراد لی ہے اور آپ اس شعر کو شعر ۲۵ یعنی ؎

بار وزگار ساختہ رنگم بوے آنکہ   امروز کار دولت فردا برآورم

سے مربوط قرار دیتے ہین اور یہی قول قرین صواب ہے۔

جناب مُنشی نے آفتاب سے سخن مطلق سمجھا اور یہ ایسا سمجھنا ہے جسے خود وہی سمجھے علامۂ لکھنوی نے بھی اِسے رد کیا ہے اور یہ ہے بھی رد کرنیکے قابل۔

بر سوگ آفتابِ وفا زین پس ار بوار
پوشم سیاہ و بانگ معزا بر آورم

علامۂ لکھنوی:۔ آفتاب وفا سے خود وفا مراد ہے۔

علامۂ بلگرامی:۔ وفا سے مراد میثاق روزِ الست ہے۔

علامۂ لکھنوی فرماتے ہین:۔

"یہ جو مین نے کہا کہ مجھے دنیا اور اہل دنیا سے کچھ نہ کچھ علاقہ ضرور رکھنا پڑیگا مگر افسوس ان دونون مین وفا نہین بلکہ وفا تو بالکل مردہ ہوگئی اندرین صورت مین اِس مردہ وفا کے سوگ مین لباس تعزیت پہنونگا اور ماتم پُرسی مین آواز نکالونگا۔"

علامۂ بلگرامی نے وفا سے میثاق روزِ الست مراد لی ہے اور یہی صحیح ہے ظاہر ہے کہ جو شخص ترک دنیا کریگا وہ اتنے زمانہ تک پیمان الست کے فراموش کردینے پر افسوس کئے بغیر نہ رہے گا۔

چند از نعیم سبعۂ الوان چو کافران
کارِ جحیم سبعہ زمعا بر آورم

علامۂ لکھنوی والہ آبادی نے "کار جحیم سبعہ زامعا" پڑھا اِسکی صحت مین کلام نہین

لیکن علامۂ بلگرامی نے جحیم سبعہ امعا پڑھا اور از کو حذف فرمادیا جس سے مفہوم شعر مین ایک نازک فرق پیدا ہو گیا۔ اوّل الذکر حضرات نے فرمایا کہ " انتڑیون سے دوزخ کے سات طبقون کا کام لیتا رہونگا" آخر الذکر بزرگ نے خود امعائے سبعہ کو ہفت دوزخ کہدیا اور ظاہر ہے کہ اس سے معنی کا زور کتنا بڑھ گیا۔ میرے خیال مین اسی کو ترجیح ہے۔ اوّل تو اس سے شعر کا ترنم بڑھ جاتا ہے، پہلے مصرع مین نعیم سبعہ الوان کہا تھا دوسرے مین جحیم سبعۂ امعا فرمایا۔ سبعۂ الوان کے استعمال سے اپنے کو دوزخ کے عذاب کا سزاوار بنانا اور ہے اور پیٹ کے دوزخ کا بھرنا اور۔

شویم دہان حرص بہفتاد آب و خاک
و آتش ز باد خانۂ احشا بر آورم

علامۂ لکھنوی:۔ " مین دہن حرص کو ستر آب و خاک سے پاک کر کے اسکی انتہائی طہارت کرونگا، اور بالکل بھوکا رہ کر اپنے معدہ اور آنتون کے باد خانہ سے آگ نکالونگا"

نیخود:۔ حل لغات کے سلسلہ مین فرمایا ہے بھوک مین معدہ کی حرارت بڑھ جاتی ہے۔ اِس کلیہ سے اختلاف نہین مگر علامہ موصوف کا صرف یہ کہدینا کافی نہین کہ آگ نکالونگا۔ علامۂ الہ آبادی فرماتے ہین:۔

" مین آنتون کے بادخانون سے حرص کی آگ نکال دون"

یہ شرح سقیم ہے اور عقیم، وجہ یہ ہے کہ جب شاعر نے حرص کو ذی روح تصور کر کے اسکے لیے دہن تجویز کردیا تو پھر اس قول کے کچھ معنی نہین رہتے کہ مین حرص کا منہ

دہو کر اسکے پیٹ سے حرص کی آگ نکالونگا۔

علامۂ بلگرامی فرماتے ہین، کہ بادخانۂ احشا سے آگ نکالونگا یعنی انکو جلاکر خاک کر دونگا۔ مطلب یہ ہے کہ مین حرص کو ترک کر دونگا"

" اُن کو جلاکر خاک کر دونگا" یہ تعبیر معنی بھی حسن و صحت سے بیگانہ ہے میرا خیال یہ ہے کہ خاقانی اِس شعر مین معنی صیرورت پیدا کر رہا ہے، اور کہتا ہے کہ بادخانہ احشا کی مستحیل ہوکر آگ بن جائے گی اور آگ سے مراد آتش عشق و معرفت ہے۔

بلبل شیراز کہتا ہے ؎

اندرون از طعام خالی دار   تا درو نور معرفت بینی

قرص جوین وخوش نمکے از سرشک غم

بہ زانکہ دم زمیدۂ دارا برآورم

یعنی خود اِس شعر مین مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہو کہ نمک اور آنسو کی تشبیہ نہایت بدیع واقع ہوئی ہے، آنسوؤن کا رنگ نمک کی طرح سفید اور مزہ نمکین ہوتا ہے اسیلیے اُسے شور آبہ شور یا کہنا نہایت پُرلطف ہے، اگر اِس شعر مین خوش نمک سے مزہ دار نمک ہی مرادلین تو بہتر ہے اسیلیے کہ جو کی روٹی کا نمک سے کھانا انتہائے زہد ہے نمک اور جو کی روٹی سے انتہائے قناعت اور مائدۂ دارا سے انتہائے نعمت کا اظہار ہوتا ہے اور دونون کا تقابل بھی پر لطف ہے۔

ہم شور بائے اشک نہ سکبائے چہرہا
کین شور بہ قیمت سکبا برآورم

علامۂ الہ آبادی نے سکبائے چہرہ سے اُمرا کی ترشروئی مراد لی ہے یہ صحیح ہے
مگر علامۂ لکھنوی اس سے اپنی بے چینی مراد لیتے ہین اور ایمان کی یہ ہے کہ یہ نہایت
لطیف ہے یعنی خوشی خوشی کھاؤنگا اور میرے چہرے پر ناگواری کے آثار تک نہونگے۔

مولو مثال دم چو برآرد بلال صبح
من نیز سر ز چوخۂ خارا برآورم

علامۂ لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ شعر یہان بے ربط ہے اور اسے اِس شعر کے
بعد ہونا چاہیے ؎

خارا چو مار برکشم وآنگہ از عصا
دہ چشمہ چون کلیمؑ ز خارا برآورم

اور حقیقت بھی یہی ہے۔ میرے خیال مین یہان خارا کے معنی سنگ سخت لینا
چاہیے یعنی راہبون کی طرح ترک لباس کرونگا اور تہہ کرکے غار سے بقصد عبادت
نکلونگا گویا جبتک غار کوہ مین تھا لباس خارا پہنے تھا۔

چون عیش تلخ من بقناعت نیو و خوش
زان حنظل شکر شدہ جلوا برآورم

علامۂ لکھنوی کا خیال ہے کہ خاقانی کے الفاظ کچھ اور ہونگے اور اگر یہی ہین
تو وہ جناب نامی کے حل پر اکتفا فرماتے ہین اور حضرت نامی کا ارشاد یہ ہے۔

"اینکہ زندگی من ہمچو حنظل، تلخ شدہ مگر قناعت دران مثل شکر
بیامیخت کہ بباعث آن مرالذت خلوت بیامد یعنی اکنون مرا
قناعت بسیار لذت بخش و مسرت انگیز معلوم میشود"

جناب بلگرامی نے عیش تلخ کو حنظل سے تعبیر کیا ہے اور یہ مطلب بیان فرمایا ہے جبکہ میری زندگی تلخ قناعت محض پر راضی نہ تھی تو مین نے اُس مین قناعت کی شیرینی ملاکر اُسے حلوائے لذیذ بنا دیا یعنی باوجود عیش تلخ قانع ہون۔

بیخود:۔ مجھے علامہ لکھنوی کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ اس شعر مین تصرف کاتب ہے، انھون نے حضرت نامی کے حل پر قناعت فرمائی مگر مجھے نہین ہو سکتی اسلیے کہ وہ جناب فرماتے ہین چونکہ میری زندگی قناعت پر خوش نہ تھی اسلیے مین اس شکر ملے ہوئے حنظل سے حلوا تیار کرتا ہون۔ مطلب اینکہ، زندگی من ہمچو حنظل تلخ شدہ مگر قناعت دران مثل شکر بیامیخت کہ بباعث آن مرالذت حلوا بیامد، جب زندگی قناعت پر خوش نہ تھی تو قناعت اُس مین شکر کیطرح ملی کیونکر اور یہ حلوا تیار کیونکر ہوا۔ اسلیے کہ خاقانی حنظل ہی کا شکر بنجانا بیان کرتا ہے علامہ بلگرامی کی عبارت اس سے زیادہ اُلجھی ہوئی ہے، وہ فرماتے ہین:۔

"جبکہ میری زندگی تلخ قناعت محض پر راضی نہ تھی تو اُس مین مین نے
قناعت کی شیرینی ملاکر حلوائے لذیذ بنا دیا"

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زندگی قناعت محض پر راضی نہ تھی تو اُس مین قناعت کی شکر ملائی کیونکر گئی مین تو اس معجزہ کی شان رکھنے والی عبارت کے سمجھنے کی طاقت نہین رکھتا۔ اور یہی حال علامہ نامی کی عبارت کا ہے، میرے نزدیک عیش تلخ

ہم شوربائے اشک نہ سکبائے چہرہا
کین شور بہ قیمت سکبا برآورم

علامۂ الہ آبادی نے سکبائے چہرہ سے اُمراکی ترشروئی مراد لی ہے یہ صحیح ہے مگر علامۂ لکھنوی اس سے اپنی بے چینی مراد لیتے ہین اور ایمان کی یہ ہے کہ یہ نہایت لطیف ہے یعنی خوشی خوشی کھاؤنگا اور میرے چہرے پر ناگواری کے آثار تک نہونگے۔

مولو مثال دم چو برآرد بلال صبح
من نیز سر ز چو خہ خارا برآورم

علامۂ لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ شعر یہان بے ربط ہے اور اسے اِس شعر کے بعد ہونا چاہیے ؎

خارا چو ماربرکشم و آنگہ از عصا   دہ چشمہ چون کلیم ز خارا برآورم

اور حقیقت بھی یہی ہے۔ میرے خیال مین یہان خارا کے معنی سنگ سخت لینا چاہیے یعنی راہبون کی طرح ترک لباس کرونگا اور تپھ کے غار سے بقصد عبادت نکلونگا گویا جبتک غار کوہ مین تھا لباسِ خارا پہنے تھا۔

چون عیش تلخ من بقناعت نیوہ خوش
زان حنظل شکر شدہ جلوا برآورم

علامۂ لکھنوی کا خیال ہے کہ خاقانی کے الفاظ کچھ اور ہونگے اور اگر یہی ہین تو وہ جناب ناجی کے حل پر اکتفا فرماتے ہین اور حضرت ناجی کا ارشاد یہ ہے۔

"اینکہ زندگی من ہچو حنظل، تلخ شدہ مگر قناعت دران مثل شکر بیامیخت کہ بباعث آن مرالذت خلوت بیامدیعنی اکنون مرا قناعت بسیار لذت بخش و مسرت انگیز معلوم میشود"

جناب بلگرامی نے عیش تلخ کو حنظل سے تعبیر کیا ہے اور یہ مطلب بیان فرمایا ہے جبکہ میری زندگی تلخ قناعت محض پر راضی نہ تھی تو مین نے اُس مین قناعت کی شیرینی ملاکر اُسے حلوائے لذیذ بنادیا یعنی باوجود عیش تلخ قانع ہون۔

بیخود:۔ مجھے علامۂ لکھنوی کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ اس شعر مین تصرف کاتب ہے، انھون نے حضرت نامی کے حل پر قناعت فرمائی مگر مجھسے نہین ہوسکتی اسلیے کہ وہ جناب فرماتے ہین چونکہ میری زندگی قناعت پر خوش نہ تھی اسلیے مین اس شکر ملے ہوئے حنظل سے حلوا تیار کرتا ہون۔ مطلب اینکہ، زندگی من ہچو حنظل تلخ شدہ مگر قناعت دران مثل شکر بیامیخت کہ بباعث آن مرالذت حلوا بیامد، جب زندگی قناعت پر خوش نہ تھی تو قناعت اُس مین شکر کیطرح ملی کیونکر اور یہ حلوا تیار کیونکر ہوا۔ اسلیے کہ خاقانی حنظل ہی کا شکر بجانا بیان کرتا ہے علامہ بلگرامی کی عبارت اس سے زیادہ اُلجھی ہوئی ہے، وہ فرماتے ہین:۔

"جبکہ میری زندگی تلخ قناعت محض پر راضی نہ تھی تو اُس مین مین نے قناعت کی شیرینی ملاکر حلوائے لذیذ بنا دیا"

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زندگی قناعت محض پر راضی نہ تھی تو اُس مین قناعت کی شکر ملائی کیونکر گئی مین تو اس معجزہ کی شان رکھنے والی عبارت کے سمجھنے کی قابلیت نہین رکھتا۔ اور یہی حال علامہ نامی کی عبارت کا ہے، میرے نزدیک عیش تلخ

مصائب و آلام، شکر، قناعت، اور نبود کی جگہ نمود ہے اور نمایہ کے معنی دیتا ہے، اگر کوئی کہے کہ یہ کیونکر تو مین کہدونگا کہ اُسی طرح جس طرح شارحین کرام نے برآورم کے معنی برآوردم کے لیے اسلیے کہ سب یہی کہتے ہین کہ حلوائے لذیذ بنا دیا، حلوا تیار کر دیا۔

مطلب۔ جب میرے مصائب و آلام (جو تلخی مین حنظل تھے) اور قناعت مین پٹنے لگے اور حنظل مصائب شکر بنجائے، تو مین اسی سے حلوائے لذیذ تیار کرون یعنی جب مصائب و آلام پر قانع ہوجاؤنگا، تو پہلے جو تکلیف اُن سے ہوتی تھی اب نہوگی، صاف لفظون مین یون کہہ سکتے ہین کہ جب انسان مصیبتون پر قانع ہوجاتا ہے تو اُسے اُن مین تکلیف کی جگہ مزہ ملنے لگتا ہے۔

شعر شمارہ ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ کا مطلب سب نے بہ تغیر الفاظ ایک ہی بیان کیا ہے اور مجھے کوئی اختلاف نہین۔

چون آئینہ نفاق نیارم کہ ہر نفس
از سینہ زنگ کینہ بہ سیما برآورم

علامہ لکھنوی۔ حضرت شادمان فرماتے ہین کہ مین ہرگز آئینہ کی طرح منافق نہین ہونا چاہتا کہ اندر کچھ اور باہر کچھ یعنی مین ایسا نہین کرنا چاہتا کہ نفاق ظاہر کرون اور اپنے صاف سینے سے کینہ کا زنگ نکال نکالکر چہرہ پر لاؤن، مین تو اپنے دل کو حسد و بغض و کینہ و ریا سے بالکل پاک صاف رکھنا چاہتا ہون اور باہر یکسان ہ

علامہ الہ آبادی۔ "این کہ من ہچو آئینہ صاحب نفاق نیم کہ بظاہر

صاف وشفاف معلوم شود وچون کسے با او ہم نفس شود ودم ہمدے
در دم مکدر شود بلکہ من ظاہر وباطن خود را از نفاق بالکل
پاک وصاف می دارم"

علامۂ لکھنوی اِس پر ارشاد فرماتے ہین:۔

" آئینہ پر سانس مارنے سے آئینہ میلا ہوتا ہے۔ آپ کسیقدر مطلب سے
ہٹ گئے ہین پھونک مارنے کا یہان کوئی ذکر نہین"

نیخود:۔ میرے نزدیک علامۂ شادمان کا ارشاد صحیح نہین۔ خاصکر اُسکا
یہ ٹکڑا " اپنے صاف سینے سے کینہ کا زنگ نکال کر چہرہ پر لاؤن" تو بالکل
اُن کے ارشاد کے خلاف پڑتا ہے اسلیے کہ جب سینہ صاف ہے تو اُس مین زنگ کینہ
آئیگا کہان سے اور نکلیگا کیا جناب شادمان نے اِس مصرع پر "از سینہ زنگ کینہ
بیسا بر آورم" پر نظر نہ فرمائی اور نہ آئینہ کی تشبیہ پر زیادہ غور فرمایا۔ رہا مطلب
اُسے نہ جناب نامی نے سلجھا کر بیان فرمایا نہ علامۂ لکھنوی نے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کیسا ہی عیار کیون نہو، لیکن یہ ممکن نہین کہ دل
کے خیالات کے مطابق اُسکے چہرے کا رنگ نہ بدلے۔ خاقانی یہی کہتا ہے کہ مین
آئینہ کی طرح منافق نہین کہ ظاہر کچھ باطن کچھ جب کسی سے ہمکلامی ہوئی تو مین نے زبان
سے کچھ کہا اور چہرے کی حالت نے کچھ اور کہا، اور اہل نظر تاڑ گئے کہ ہے کچھ اور
اور ظاہر کیا جا رہا ہے کچھ اور۔ آئینہ پر پھونک مارنے کی ضرورت نہین جب
آئینہ کے سامنے کوئی سانس لیگا۔ آئینہ دُھندلا ہو جائے گا۔

آن رہ روم کہ گوشۂ وحدت طلب کنم
زال زرم کہ نام بہ عنقا بر آورم

اس شعر مین گوشۂ وحدت کی جگہ توشۂ وحدت تھا۔ مگر علامہ لکھنوی نے توشہ کو گوشہ سے بدل لیا ہے اور حق یہ ہے کہ جو کچھ اُنھون نے سمجھا ہے وہی صحیح اور بہتر ہے، پہلے تو عنقا اور زال زر کا نام گوشہ گیری سے مشہور ہوا ہے۔

شہبازم ار چہ بستہ دہانم بگاہ صید
گرد از ہزار بلبل گویا بر آورم

علامۂ بلگرامی نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"مین شہباز فضائے معرفت ہون اگرچہ وقت شکار منہ بند ہون (موانع مجھے لاحق ہین) مگر پھر بھی وقت شکار ہزارون بلبل گویا کو گرد برد کر سکتا ہون"

علامہ الہ آبادی:۔ "اگرچہ اہل دنیا مرا مجبور و مقید میدارند لاکن من شہباز ہوائے عشق ہستم پس بوسیلہ این چنین مضامین اسرار معرفت شعرائے نوگو را پامال می کنم"

علامۂ لکھنوی نے علامہ بلگرامی کے اس ٹکڑے پر "اگرچہ وقت شکار منہ بند ہون" اعتراض کیا اور فرمایا کہ شکار کے وقت باز کی ٹوپی اُتار دیجاتی ہے اور یہ ارشاد بالکل بجا ہے، علامۂ بلگرامی آگے بڑھ کر فرماتے ہین "مگر پھر بھی وقت شکار ہزارون بلبل گویا کو گرد برد کر سکتا ہون" اس سے مجھے ایسا گمان ہوتا ہے کہ یہ تصرف کاتب ہے۔

علامۂ الہ آبادی سے صرف اتنا اختلاف ہے کہ بلبل گویا سے شعرائے لغوگو مراد نہین ہو سکتے، متصوفین ریاکار مطلوب ہین، طامات جنکا شیوہ، خرافات جنکا شعار ہے اور یہان بھی سخن فہمی کا سہرا علامہ لکھنوی کے سر ہے۔

سر زان فرو برم کہ برآرم دمار نفس
نفس اژدہاست ہیچ مگو تا برآورم

علامہ الہ آبادی نے دمار کے معنی مغز لکھے ہین اور علامۂ لکھنوی نے ہلاک، حق علامۂ لکھنوی کیطرف ہے، علامۂ بلگرامی نے ہیچ مگو بناکر مطلب یہ لکھا کہ اے مخاطب مجھے مشورہ دے کہ اسے نکال ڈالون علامۂ نامی فرماتے ہین کہ نفس اژدہا ہے اُسکا محبوس و مقید رہنا اچھا ہے۔ علامۂ لکھنوی انکا تخطیہ فرماتے ہین کہ برآورم کا تعلق دمار سے ہی نفس سے نہین اور یہی قول درست ہے۔

صہبا کشادہ آب و در زبستہ آتشی است
من آب و آتش از رز و صہبا برآورم

علامۂ الہ آبادی آب و آتش سے جوش و روانی طبیعت اور علامۂ بلگرامی شراب مراد سمجھے، علامۂ لکھنوی "آب آتش از چیزے برآوردن" کا مفہوم اسکا تباہ و برباد کر دینا سمجھے میری رائے ہین حضرت نامی و بلگرامی جادۂ مستقیم سے دور جا پڑے، اور علامۂ لکھنوی صراط مستقیم کے سالک ہین، معلوم ہوتا ہے کہ اشعار شمارہ ۵۰، ۵۱، ۵۲ کا مطلب سب نے صحیح سمجھا ہے

با این نفس چنان ہمہ ہشیار نیستم
مستم نہان و عربدہ پیدا برآورم

علامۂ بلگرامی نے مصرع اوّل کو یون پڑھا ہے ع "با این چنین نفس ہمہ ہشیار نیستم" علامۂ لکھنوی نے اِسے پسند فرمایا ہے مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے مگر علامۂ لکھنوی نے یہ لکھا ہے کہ باوجود اس کلام کے جو مین اوپر کہہ آیا ہون کہ مین نفس کشی کرون اور شراب و کباب اور گل و زیرہ گل سے علیحدگی، غرضکہ جو کچھ مین ترک لذات کے متعلق بیان کر آیا ہون پھر بھی میرے اندر طلبِ دنیا کا نقشہ موجود ہے یہ جنگ جو مین نے کی ہے ظاہر بظاہر ہے' مجھے صرف "مستم نہان" کے مفہوم اور "یہ جنگ جو مین نے کی ہے" سے اختلاف ہے میرے نزدیک حکیم خاقانی کا مطلب یہ ہے کر کہہ تو دیا مین نے سب کچھ پھر بھی ایمان کی یہ ہے کہ ابھی تک میری حالت ایسی نہین کہ دل مین مطمئن ہوکر علانیہ جنگ چھیڑ دون۔ "مستم نہان" یعنی خوفِ شکست کی طرف سے بے پروا ہوکر۔

اب مین اپنی ہرزہ سرائی ختم کرتا ہون، علامۂ لکھنوی نے شارحین کرام کے حل پر تنقید فرمائی تھی اسلیے میرے یہان بھی محاکمہ کی صورت قائم ہوگئی مجھے یہ خیال نہین کہ جو کچھ مین نے لکھدیا ہو وحیٔ آسمانی ہے اسمین بھی لغزشین ہون گی اب کوئی اہل نظر ایسا لکھدیگا جیسا لکھنا چاہیے، جہان تک مین نے نظر کی ہے (۵۳) اشعار کی شرح مین علامۂ الہ آبادی نے ۲۸، علامۂ بلگرامی نے ۲۰، علامۂ لکھنوی نے ۹ مقامون پر سہو فرمایا ہے اور مجھے یہ کہنے مین ذرا پس و پیش نہین کہ علامۂ لکھنوی کی شرح امتیازِ خاص رکھتی ہے' چلتے چلتے یہ بھی کہدون کہ داؤد شادی آبادی کی شرح سے کوئی شارح زیادہ فائدہ نہین اٹھا سکتا اسلیے کہ اُسنے قصیدہ بھر مین دو دو چار چار اشعار کی شرح کردی ہے اور آگے بڑھ گیا ہے۔

ناچیز محمد احمد بیخود موہانی
(ایم۔اے)
شیعہ کالج "لکھنو"

آئینۂ تحقیق

یعنی

حضرت ناطق لکھنوی کے تبصرۂ اصلاح سخن کی حقیقت

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

اِدھر پنجۂ خواب نے مژگان کی چلمن کو گرایا، اُدھر دستِ اختلاج نے منظرِ پریشانی سے پردہ اُٹھایا، دنیا خواب پریشان کی دنیا، خاک آرمیدہ زلزلوں کا گہوارہ نظر آئی، اہرام مصری کی بنیادین بازیچۂ جنبش، ابوالہول کے پائے ثبات وقفِ لغزش، گنبد افراسیاب گنبدِ حباب، طاق کسریٰ دار الخراب، قصر شیرین طلسمِ خواب، جوئے فرہاد نقش برآب، آسمان محو رکوع، سر بفلک ایوان وقفِ خشوع، اب کنگرے زمین پر آرہے ہے، اب غبار کے تتق آسمان پر چھا رہے ہے، غبار ز مین انداز سما، آسمان جوشِ غبار سے خاک کا پتلا، نگاہ پریشان چلا اُٹھی کہ آسمان کا خیمہ لہراتا ہے، قلبِ مضطر پکار اُٹھا، کوئی زمین کو آسمان پر اُٹھائے لئے جاتا ہے، آندھی سیاہ چل رہی ہو، فطرت اپنی بربادی پر ہاتھ مل رہی ہو، سمندر طوفان گاہ، وہ تلاطم کہ خدا کی پناہ، زمین سے آسمان تک موجوں کی زنجیر، کرۂ نار کرۂ زمہریر، بادِ عقیم نے قوم ثمود کو برباد کر کے دنیا کو چھوڑ دیا تھا، سیل عرم نے قوم عاد کو قعر دریا مین دفن کر کے عہد انتقام توڑ دیا تھا، مگر یہ آندھیان یہ زلزلے دنیا کو تلپٹ کر کے رہینگے، اجل گرفتہ اپنی ہستی کسی سے کہہ نہ سکینگے، جبال آتشبار کے دھوئین سے تیرہ و تار بادل چھائے ہوے، دنیا کے مناظر سیاہ چادر مین کفنائے ہوے، تاجدار کرّنا بد حواس، موت کی اُمید زندگی سے یاس، آنکھ نظر سے بیزار، لب خشک

زبان خارزار، درخت گلدستۂ فضائی انسان بگولون مین چھٹتی ہوئی ہوائی، اتنے مین سُرش پکارا صیحۂ صور نہین صریرِ خامہ ہی، بیاض وشت قیامت نہین، گنہگاران ادب کا سیاہ نامہ ہے، موکلان فتنہ بلائین لے رہی ہین مبصر نے انکھین کھولی ہین، حضرت ناطق اُسکے کان مین اذان دے رہے ہین۔

تعبیر خواب

ابھی جناب نیاز فتحپوری مدیر نگار اور جناب آگس کی اُڑائی ہوئی خاک بیٹھنے نہ پائی تھی کہ جنوری ۱۹۲۹ء مین "مبصر" نے جنم لیا، اور قرعۂ ادارت جناب ابو العلا حکیم سید احمد صاحب ناطق لکھنوی (انجمن معیار و معین الادب و معراج الادب کے سرمایۂ ناز نقاد) کے نام نکلا، آپنے جہان اور ادب نوازیان فرمائین وہان جناب مولوی عبد العلی صاحب شوق سندیلوی کی ترتیب دی ہوئی کتاب اصلاح سخن (جسمین حضرت شوق نے اپنی پندرہ سولہ غزلون پر قریب قریب کل مشاہیر شعرائے ہند کی اصلاحین جمع کردی ہین) تبصرہ بھی فرمایا اور ناسندہ کی اصلاحون کے انتقادی نظر سے، زندان تمنا، بیابان تمنا، والی غزل کا انتخاب کیا یہ سلسلہ جنوری سے اپریل تک جاری رہا مین نے اُسپر نظر انتقاد ڈالی، قصد تھا کہ یہ تبصرہ نیرنگ رامپور مین شائع ہو مگر یہ آرزو پوری نہوئی بالآخر یہ مضمون میری کتاب کا آخری مضمون قرار پایا، مین نے حضرت ناطق کی عبارت حرف بحرف نقل کردی ہے، تاکہ مبصر کی ورق گردانی ضروری نٹھہرے، حضرت ناطق نے بصائر کے تحت مین اپنے معاصرین کے الفاظ و عبارات و مفاہیم وغیرہ کی غلطیان ظاہر فرمائی ہین، مین نے بھی یہی التزام کیا تھا، مگر کتاب کا حجم بڑھ جانے کے خوف سے صرف ایک مقام پر عبارات و معانی نقاد کی دلربائی دکھادی ہے، اگر ضرورت ہوئی تو کل مضمون جو فلسکیپ کے ۱۱۶ صفحون پر ختم ہوا ہے شائع کردیا جائیگا، اب مجھے حضرت ناطق کی نکتہ سنجیون پر نظر کرنی چاہیے، اسلیے کہ مین برابر یہ آواز سُن رہا ہون ع

بادہ در جوش ست و رندان منتظر

بندۂ ناچیز

بیخود موہانی

ارشاد ناطق:-

تبصرۂ اصلاح سخن

مولفہ

منشی عبد العلی صاحب شوق سندیلوی

مبصر جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۳۳ کالم - ۱ سطر ۱-۱۰

دنیا مین اپنی نوعیت کی یہ پہلی تالیف ہے جس پر مین نقد و تبصرہ کا وہ اخلاقی فرض ادا کرتا ہون جو کہ مجھ پر مکرر سکرر فرمائشون سے عائد کیا گیا ہے اور جس نے میرے مضبوط ارادہ کو متزلزل کر دیا ہے کہ مین اردو شعر و شاعری پر نقد و تبصرہ نہ کرونگا. کیونکہ ہمارا ملک ابھی وہ علمی مراتب طے نہین کر سکا ہے کہ نقادان فن خلوص کے ساتھ شعرا کے حسن و قبح خدمت فن کیلیے پیش کرین اور اہل فن غمگین و آزردہ نہون، مگر مین شعرا کی طرف سے بھی اتنی وکالت ضرور کرونگا کہ اوسط درجہ کے علمی لوگون نے محض اس زعم پر کہ وہ نقد کا پورا حق ادا کر دینگے شعرا کے کلام پر قلم اُٹھایا ہے اور کسی کو ذلت دی ہے کسی کو عزت، اِس نفسانیت سے اُنھون نے اہل فن کو صدمات اور فن کو نقصانات پہونچائے ہین۔

مبصر جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۳۳ کالم - ۱ سطر ۱۰-۱۳

نقاد کو منصف اور خالص ہونے کے علاوہ فاضل متبحر اور خود صاحب فن ہونا ضرور ہے۔ افسوس ہے کہ مین قابلیت کا ثبوت تو دے نہین سکتا مگر صداقت کا ثبوت یہ پیش کر سکتا ہون کہ جہان مین نے اور شعرا پر نکتہ چینی کی ہے اپنے عیوب بھی نظر انداز نہین کیے ہین۔

بصر جنوری ۱۹۲۹ء
صفحہ ۳۳
کالم - ۱
سطر ۱۴-۲۰
کالم - ۲
سطر ۱-۲۰

جناب شوق سندیلوی نے کتاب اصلاح سخن مین جسکو معرکۃ الآرا کہنا چاہیے تمام اساتذہ شعرائے اردو سے اپنے کلام پر اصلاحین حاصل کرکے جمع اور شائع کی ہین، درحقیقت ایک ہی چیز پر سب کی اصلاحین حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ سوائے اسکے ممکن ہی نہ تھا کہ شوق نے اپنی شاگردی کا باریک جال سب استادون کے لیے بچھادیا اور ہر شاعر کو یقین دلادیا کہ وہ صرف اُسی کے شاگرد ہین، لیکن جب پندرہ بیس غزلون کے بعد یہ خبرین پھیلنے لگین تو اُنھون نے ایکدم سے اُس جال کو گھسیٹ لیا، اِس صیادی مین فکر اصلاح کے جسقدر طیور آسکے دنیائے ادب کے عجائب خانہ مین پیش کردیے گئے۔

بصر جنوری ۱۹۲۹ء
کالم - ۲
سطر ۴-۲۰
صفحہ ۳۴
کالم - ۱
سطر ۱-۱۰

اس عجیب و غریب تالیف کے متعلق جسقدر ادنیٰ و اعلیٰ خیالات اِس تبصرہ کے ختم ہونے تک میرے ذہن مین آئینگے اور اُنسے کسی کو فائدہ پہونچ سکے گا یا کوئی غلط فہمی رفع ہوسکے گی مین ہدیہ ناظرین کرونگا صلاحون کو مؤلف نے جس طریقہ سے جمع کیا ہے وہ ایک اخلاقی جرم اور ادبی احسان ہے اور صلاحون کو جس طریقہ سے شائع کیا گیا ہے وہ سلیقہ مندی کا بہترین نمونہ ہے، تغزل مین جتنے عناصر ظاہری و باطنی ہوسکتے ہین اور جن مین سے بعض ادبی نکات ایسے ہین کہ کبھی زبان و قلم سے ظاہر نہو سکے وہ سب اِس تالیف مین قدرتاً جمع ہوگئے ہین، مثلاً زبان کے متعلق فصاحت و بلاغت کے جتنے اقسام اور ہر قسم کے جتنے مراتب ہوسکتے ہین وہ تو ان چند غزلون

کی صلاحون مین مجتمع ہین تخیل کے جتنے پہلو ردیف وقافیہ سے مہیا ہو سکتے ہین وہ تو اِس کتاب مین جمع نہوے کیونکہ اُسکے لیے اِس امر کی ضرورت تھی کہ ایک ہی قافیہ مین ہر شاعر کے اشعار ہوتے مگر ایک تخیل کی محاکات جتنی صورتون مین ہو سکتی ہے اُنکا مجموعہ اس مین موجود ہے۔ اور اجتماع تخیل سے اجتماع محاکات زیادہ پُرلطف ہے شعر کے انداز بیان مین جتنے رنگ ہو سکتے ہین، اُن سب کی نیرنگیان اور بوقلمونیان اس کتاب کے علاوہ کسی گلدستہ مین کیا بلکہ بہارستان مین بھی جمع ہوتے نہین دیکھین، شعر کے اغلاط، عیوب، نکات، لطائف اور بیشمار تنوعات نظم و اسلوب بیان اس تالیف سے اخذ ہو سکتے ہین۔ تمام دنیا کی شاعری کو اردو شاعری نے اپنے جن قیود و شرائط سے گویا بے اصول ٹہرادیا ہے اور اپنے آپ کو جن امور مین ممتاز کرلیا ہے وہ نہایت باریک اور لطیف مگر بیش قیمت دقائق اس کتاب مین شعرا کی اصلاحون سے مدون ہو گئے ہین، یہ اور ایسی تمام باتین مین آئندہ مثال مین پیش کرونگا جن سے تنوعات شعری واضح ہو جائینگے۔

بصیر جنوری ۱۹۱۲ع صفحہ ۳۴ کالم سطر ۱۱تا ۲۵۔ اہل فن کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ اکثر شعرا کو جناب شوق کی اِس حرکت[۲] جامع الشرو الخیر سے صدمہ پہونچا[۲] ہوگا۔ اسکے چند وجوہ ہین۔ جس شاعر[۵] کو یہ ذوق ہے کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو (گو یہ اجتہادی غلطی ہو) اُسکے اِن جذبات[۹] کو اس کتاب کے دیکھتے ہی صدمہ پہونچا

ہوگا کہ شوق صاحب ایک عجیب الخلقت[10] شاگرد کثیر الاستاد نکلے۔ مگر
ایک دوسرا رنج جو اس[11] سے کہین زائد ہے وہ اسلیے انہین[12] پہونچا کہ
کہین کہین وہ اصلاح دینے مین ناکام رہے[13] ہین تاہم[14] اس صدمہ کی تلافی
تو یون ہوگئی[15] ہوگی کہ بعض جگہ وہ خاص طور پر کامیاب ہوئے ہین لیکن
نفسیات[16] کے اس اصول پر مجھے افسوس اور شعرا سے ہمدردی ہے کہ
رنج و خوشی ہونے کے بعد رنج کی حرارت غالب رہتی ہے، ان دونون
صدمات سے کہین زائد اثر[17] بعض[18] شعرا[19] پر اُن کے خطوط[20] شائع ہونیکا ہوا ہوگا
جس کی مختصر[21] شرح نظم سے فراغت حاصل کرنیکے بعد ہوسکے گی، یہان
اتنا ضرور کہونگا، کہ مؤلف نے خطوط شعرا[22] اور خصوصاً[23] وہ عبارتین[24] جو فن
سے متعلق نہ تھین بلکہ پرائیوٹ[25] اور ذاتی ضروریات سے البتہ تھین،
شائع کرکے علمی فوائد مین کوئی اضافہ نہین کیا بلکہ اپنی[26] بداخلاقی تستم ظریفی
کے لباس مین[27] پیش کی ہے۔

التماس بیخود (۱) حرکت جامع الشر و الخیر، ایسی ترکیبین مزاج اُردو کو سازگار نہین اسلیے
کہ اول و آخر کی عبارت یہ ہے" اہل فن کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ
اکثر شعرا کو جناب شوق کی اس حرکت جامع الشر و الخیر سے صدمہ پہونچا ہوگا" پھر شر مین
(ر) کی تشدید بھی فصاحت کے کانون کو ناگوار ہے، حضرت شوق کا یہ فعل خیر ہی خیر
ہے، اس مین شر کا کہین نام نہین ، میرے نزدیک اخلاق شعرا کا درست ہونا
نہایت ضروری ہے اسلیے کہ وہ معلم اخلاق ہین۔ صرف اُن شاعرون کے متعلق تو ایسی
عبارتون کا شائع کرنا بداخلاقی ہے جنکی معاش کا ذریعہ شاعری ہے، باقی حضرات کے

متعلق اگر کوئی ایسی صورت ہو تو اُسکا اظہار صرف جائز ہی نہین واجب ہے۔

(۲) جناب ناطق پہلوے ذم اور الفاظ مکروہ کو خوب پہچانتے ہین ذرا ملاحظہ فرمائین کہ "اس حرکت سے" یہ ٹکڑا "صدمہ پہونچا ہوگا" ملکر کہین ذم تو نہین پیدا کرتا

(۳) "اسکے چند وجوہ ہین" یہان زیادہ فصیح معلوم ہوتا ہے "یا اس کی کئی وجہین ہین"

(۴) چند وجوہ لکھنے کے بعد اول، دوم، سوم یا ۱، ۲، ۳ لکھنا چاہیے تھا۔

(۵) اکثر شعرا کو صدمہ پہونچا ہوگا" لکھ چکنے کے بعد جس شاعر کو یہ ذوق ہے کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو لکھنا مناسب ہے کہ "جن شاعرون کو الخ"

(۶) کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو" اس عبارت مین اُسکے زیادہ ہے۔

(۷) جس شاعر کو یہ ذوق ہے کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو، اُس مین" اُسکے تلامذہ" کی جگہ "میرے تلامذہ" لکھنا چاہیے۔

(۸) خطاے اجتہادی مشہور عام ہے، اسے چھوڑ کر اجتہادی غلطی لکھنا پھر وہ بھی نثر عاری مین کہان تک قابل داد ہے۔

(۹) "اُسکے اِن جذبات کو صدمہ پہونچا ہوگا" اس مین جذبات سے پہلے "اِن" بالکل بیکار ہے بلکہ صاف کیون نہ کہدون غلط ہے۔

(۱۰) "ایک عجیب الخلقت شاگرد کثیر الاستاد نکلے" یہان عجیب الخلقت لکھنا کہان تک بامعنی و برمحل ہے۔

(۱۱) "رنج جو اس سے کہین زائد ہے" دوجیم، دوسین تکرار ہے ہین (تنافر)

(۱۲) "صدمہ پہونچا ہوگا" لکھنے کے بعد ایک دوسرا رنج جو اس سے زائد ہے

وہ اسلیے اُنھین پہونچا" یہان "پہونچا ہوگا" لکھنا چاہیئے۔

(۱۳) اگر پہونچا، لکھا تھا تو " ناکام رہے" کافی تھا " ناکام رہے ہین" لکھنا غلط ہے

(۱۴) تاہم کی جگہ لیکن چاہیے۔

تاہم = پھر بھی۔ باوجود اسکے۔ اسکے ہوتے ہوئے۔

(۱۵) اگر " رنج پہونچا" لکھا تھا تو اس ٹکڑے مین ہوگئی ہوگی" لکھنا بے محل ہے صرف ہوگئی کافی تھا۔

(۱۶) "لیکن نفسیات کے اس اصول پر مجھے افسوس اور شعرائسے ہمدردی ہے" سبحان اللہ عبارت اسکا نام ہے، انشا اِسے کہتے ہین، واقعاً نفسیات کا یہ اصول ایسا ہی سقیم ہے کہ اُسپر جہان تک افسوس کیا جائے بجا ہے اِس عبارت کو یون ہونا چاہیئے تھا۔

لیکن نفسیات کے اِس اُصول پر کہ رنج اور خوشی ہونے کے بعد رنج کی حرارت غالب رہتی ہے۔ مجھے شعرا کی حالت پر افسوس اور اُنسے ہمدردی ہے۔

(۱۷) "اِن دونون صدمات سے کہین زائد اثر شعرا پر اُن کے خطوط شائع ہونے کا ہوا ہوگا"

"اِن دونون" ادھر " اور کہین زائد اثر" اِدھر، بیچ مین "صدمات" کتنا بُرا معلوم ہوتا ہے اگر یہان صدمون لکھا جاتا تو مناسب تھا۔

(۱۸) "صدمات سے کہین زائد اثر" اثر کی جگہ صدمہ لکھنا چاہیے۔

(۱۹) "اثر ہوا ہوگا" اگر صدمہ کی جگہ اثر لکھ گئے تھے تو ہوا ہوگا کے مقام پر" پڑا ہوگا" کہنا چاہیے تھا۔

(۲۱) "کہین زمانہ اثر بعض شعرا پر اُن کے خطوط شائع ہونے کا ہوا ہوگا۔"

یہ زبان اہل زبان کی ہے یا فرنگیون کی (جیسے حضرت نیاز فرنگی لکھکر بہت خوش ہوتے ہین) یا نئے تعلیم یافتہ لوگون کی جن کو اُردو یا ہندی نہین آتی، یا انگریزی اسکول کے بچون کی جو انگریزی عبارت کا ترجمہ یون کیا کرتے ہین " اُسنے کہا کہ اُسکے چار بچے ہین" ہم غریب اگلے زمانے والون سے تو آج تک اُردو کے معلّے کا یہی فرمان ہو کہ یون لکھو:-

اُسنے کہا کہ میرے چار بچے ہین،

(۲۲) "یہان اتنا ضرور کہونگا کہ مولف نے خطوط شعرا اور خصوصاً وہ عبارتین جو فن سے متعلق نہ تھین بلکہ پرائیوٹ اور ذاتی ضروریات سے وابستہ تھین شائع کرکے علمی فوائد مین کوئی اضافہ نہین کیا، بلکہ اپنی بداخلاقی ستم ظریفی کے لباس مین پیش کی"
سوال یہ ہے کہ جملہ کی یہ ترتیب انگریزی کی تقلید سمجھی جائے یا کچھ اور۔ اُردو کے ادیب تو اسے یون لکھتے:-

مولف نے خطوط شعرا اور خصوصاً وہ عبارتین شائع کرکے جو فن سے متعلق نہ تھین علمی فوائد مین کوئی اضافہ نہین کیا الخ۔

(۲۳) "خطوط شعرا اور خصوصاً وہ عبارتین"۔ جب عبارتین (اردو کی جمع) لکھنا تھا تو خطوط شعرا کے محل پر شاعرون کے خط اور خصوصاً وہ عبارتین الخ لکھنا چاہیئے تھا کہ فصاحت کم ہوتی۔

(۲۴) یہان خصوصاً کو خاصکر سے بدل دیتے تو اور بھی اچھا ہوتا اسلیے کہ ٹاٹ کی

انگیا موج کی بخیہ مشہور مثل ہے۔

(۲۵) خطوط شعرا کے شائع ہونے کو اس تعمیم کے ساتھ ممنوع قرار دینا لایعنی ہے، شاعرون کے خط شائع کرنا ضروری تھا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس شاعر کا انداز تحریر کیا ہے کس کی تحقیق کس پایہ کی ہے، نثر مین اُسکا پایہ پست ہے یا بلند، اور کون شاعر اُردو کی کونسی خدمت انجام دینے کا اہل ہے اور دنیا اُس سے کونسا کام لے سکتی ہے اور خود شعر کو خوش اخلاقی اور فضائل انسانی کی طرف مائل ہونے کا موقع ملے۔

(۲۶) "پرائیویٹ اور ذاتی ضروریات" پرائیویٹ (انگریزی لفظ) لکھنا اور پھر جناب نقاد ایسے علمبردار اُردو کا نہایت عبرت انگیز ہے۔ میرے نزدیک صرف ایسے محل پر انگریزی الفاظ کا صرف جائز ہے جہان اُردو کے الفاظ ادائے مطلب مین قاصر ہون۔

(۲۷) "بلکہ اپنی بداخلاقی ستم ظریفی کے لباس مین پیش کی ہے" مین لکھ آیا ہون کہ حضرت شوق کا یہ فعل بداخلاقی نہین عین اخلاق ہے۔ کیا طبقۂ شعرا مین کچھ ایسے افراد نہین ہین جو شعر وسخن کی اس بے قدری اور ملک وقوم کی اس بے مائگی کی حالتمین کچھ ایسے مطالبہ کرتے ہین جو اُن پر کسی طرح زیبا نہین مثلاً سفرخرچ وغیرہ کے معاملہ مین کوئی فرسٹ کلاس کا ٹکٹ چاہتا ہے کوئی سکنڈ کا، کوئی ایسا کھانا مانگتا ہے جیسا محمد شاہ رنگیلے نے نادر شاہ کیلیے ترتیب دیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

(۲۸) "بد اخلاقی ستم ظریفی کے لباس مین پیش کی ہے" یہان ظاہر کی ہے لکھنا چاہیے تھا داد۔ جناب ناطق کا یہ فقرہ مجھے بہت پسند آیا۔ "رنج از خوشی ہونے کے بعد رنج کی حرارت غالب رہتی ہے۔

ارشاد ناطق۔ قبل اسکے کہ اصلاحون پر نکتہ چینی ہو شعرا کی طرف سے

جنوری ۱۹۲۱ء

صفحہ ۳۳ کالم ۲ سطر ۱۰-۱۹

نے مجھے ایک خاص عذر پیش کرنا ہے، مذاق محاکات اور ذوق تخیل یا انداز اصلاح ہر شاعر کا جُدا گانہ ہے، یہ تو معلومات علمیہ اور خصائص طبعیہ کا ایک عام مسئلہ ہے۔ مگر ذاتی حالات شعرا کے یہ ہین کہ دماغی محنت وقیع کی کثرت سے ادھر تو افکار معاش مین روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے ادھر بالخصوص قلبی و دماغی صحت خراب ہوجاتی ہے اسلیے اُن کی فکر شعری ہر وقت یکسان نہین ہوسکتی کبھی اتنا موقع نہین ملتا کہ شاگرد کی غزل پر مکمل فکر کرسکین کبھی طبیعت کسی کمزوری اور خرابی صحت کیوجہ سے مانع ہوتی ہے۔ کبھی کاہلی یا عدیم الفرصتی کسی طرح اجازت نہین دیتی کہ اصلاح پر دماغ اور وقت کافی صرف کیا جائے بعض پر یہ نفسانیت غالب ہوجاتی ہے کہ جو شاگرد ایک مرتبہ بھی اپنے نام کے ساتھ اُنکا اُستاد ہونا ظاہر نہ کرے اُسکو وہ اپنا شاگرد ہی نہین سمجھتے اور اسلیے اکثر معمولی اصلاح دیدیا کرتے ہین، اس قسم کے اسباب کی بنا پر مین یہ ضرور کہہ سکتا ہون کہ تمام شعرا مجموعی حیثیت سے اپنی اصلاحون کے ذمہ دار نہین ہوسکتے لیکن اُس وقت البتہ قابل معافی نہ سمجھے جاتے جب اُنسے یہ کہدیا جاتا کہ اور اساتذہ سے بھی اس غزل پر اصلاح لیجائے گی پھر اگر وہ اصلاح دیتے تو اُسکے پورے ذمہ دار تھے۔ سُنا گیا ہے کہ ایک صاحب کو عبد الغنی شوق کے اس علمی فریب کی اطلاع تھی۔ اسلیے اُنھون نے اصلاح پر پوری قوت اور توجہ صرف کی ہے

اور اصل یہ ہے کہ اس کتاب کا یہ موضوع بھی نہ تھا کہ اساتذہ کی

اصلاحون پر نکتہ چینی کی جائے، بلکہ اُسکا اگر کوئی موضوع ہوسکتا ہے تو یہی کہ اردو تغزل کے تنوعات کا ایک شگفتہ باغ جس کی ہر روش کا ایک جُداگانہ رنگ ہے منظر مین لایا جائے۔ مگر اس باغبان نے بہت یون کی راہ مین کانٹے بو دیئے ہین کہ اب اگر کوئی شخص خط وکتابت کے ذریعہ سے شاگرد ہونا چاہے گا تو اکثر اساتذہ کانون پر ہاتھ دھرینگے ممکن ہے کہ رسل ورسائل سے تعلیم وتعلم بند یا کم ہوجائے۔

یہ فہرست جو مین نے اس کتاب کے نتائج کی مجملاً لکھی ہے اب اُسکی تشریح وتمثیل "اصلاح سخن" کی اصلاحون سے قلمبند کرتا ہون۔ ممکن ہے کہ اہل فن کے لیے مفید ودلچسپ ہو۔

کتاب مین سولہ غزلین ہین۔ ہر غزل پر تیس پینتیس شعرا کی اصلاحین ہین ہر اصلاح پر نقد وتبصرہ کیا جائے تو اصل کتاب سے بیس گُنا ہوگا۔ یہان نہ اسقدر طاقت ہے نہ فرصت بطور تمثیل اُس غزل پر تبصرہ کرتا ہون جو کتاب بھر مین ہر حیثیت سے بہترین غزل ہے۔ ارمان تمنا، بیابان تمنا!

التماس بیخود:۔ اہل فن کا اس طرح ذکر کرنا بے ادبی وگستاخی ہے یہان طالبان فن لکھنا چاہیے تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد ناطق:-

مُبصر جنوری [illegible]ء صفحہ ۲۵ کالم ۱۰ سطر ۱۱-۲۵

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
(مطلع شوق) اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

اس مطلع کی تخییل شعری یہ ہے کہ تمناؤن مین اسقدر جوش ہوا کہ دل سی وسیع شئے تنگ ہوکر اُن تمناؤن کے لیے زندان بن گئی، شعر مین تین باتین اہم ہین۔ تنگی دل۔ اور اُسکا زندان بنجانا، اور تمناؤن کا جوش وخروش۔

توجیہات لفظی:- "اب" اسلیے ہے کہ پہلے دل زندان نہ تھا تمناؤن نے اسقدر پاؤن پھیلاے کہ دل تنگ ہوکر زندان ہوگیا

عیوب و شبہات:- دل تنگ فارسی ترکیب ہے، اور اہل فارس تنگدل بخیل کو کہتے ہین (محاورۃً) مگر لغتہً حقیقی معنی پر بھی شعراے عجم نے دل عاشق کے لیے استعمال کیا ہے، خصوصاً حسرت و آرزو کے معاملات مین۔ ترکیب شعری ایسی واقع ہوئی ہے کہ دل تنگ کے زندان بنجانے کی علت جوش فراوان ٹھہرتی ہے اور یہ علت لازمی نہین ہے۔ "اب" بادی النظر مین برلے بیت معلوم ہوتا ہے اور اِسی طرح دوسرے مصرع مین "یہ"۔

التماس بیخود۔ بیخود ناچیز تخییل شعر کے عیب و صواب کے متعلق اپنی راے اپنی

اصلاح کے موقع پر ظاہر کرے گا۔ ابھی جناب نقاد کے زاویہ نظر سے شعر کے محاسن ومعائب پر نظر کرنا مناسب نظر آتا ہے۔

نقد عیوب و شبہات۔ جب اساتذۂ عجم "دل تنگ" حقیقی معنی پر بھی استعمال کرتے ہین۔ جناب نقاد بھی اُسے تسلیم کرتے ہین۔ اُسکا استعمال اُردو مین بھی عام ہے اور اتنا عام کہ اُن کے شاگرد (شوق سندیلوی) بھی اُس سے واقف ہین تو کاغذ کو میرے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

اب رہا شعر کی تخئیل کا عیب وہ مدیر مبصر کی غلط نگاہی پر دلالت کرتا ہے اسلیے کہ اُن کی تبصرہ مین یہ مفہوم بہ تغیر الفاظ کئی جگہ نظر آتا ہے اسکا حاصل یہ ہوا کہ جوش تمنا کے سبب دل تنگ زندان بنگیا ہے۔ اگر یہ امر لازمی ہوتا کہ جب کسی مکان کے مکین کو جوش فراوان ہو تو وہ مکان زندان بنجائے تو اصلاح کی بالکل ضرورت نہوتی۔

فارسی اور اُردو پر حضرت نقاد کا عبور

عبارت مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب ناطق نے جوش کی تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھا ہے، بار بار لکھتے ہین کہ مکین کے جوش فراوان سے مکان کا زندان بنجانا سمجھ مین نہین آتا، اور سچ تو ہے سمجھ مین آئے کیون کر آپ جوش کے معنی صرف اُبلنا۔ جوش مارنا اور پھیلنا سمجھتے ہین۔ حالانکہ یہ لفظ اُردو اور فارسی مین کثرت اور ہجوم کے معنون پر بھی آتا ہے۔ مین نکتہ سنجان ایران و ہند کے کچھ اشعار لکھتا ہون ؎

فصیح الملک مرزا داغ دہلوی

پھرتے ہین بیقرار بہت تیری راہ مین کہتا ہو صاف صاف یہی جوش نقش پا

آسودگان خاک کی ٹھوکرونکے ہین نشان تیری گلی مین اور ہوئیون جوش نقش پا

روندی نہین ہے آپنے کیا قبر داغ کی پھولون کی چادر وسے چھپا جوش نقش پا

ملک الشعرا مفتی امیر احمد مینائی لکھنوی

نسبت ہے راہ عشق سے راہ حرم کو کیا یان کثرت سجود ہی وان جوش نقش پا

فخر المتاخرین مرزا غالب

مدت ہوئی ہی یار کو مہمان کئے ہوئے جوش قدح سے بزم چراغان کئے ہوئے

ہی جوش گل بہار مین یانتک کہ ہر طرف اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہین مرغ چمن کے پانو

جان معنی وجہان معنی ملا نور الدین ظہوری

از جوش مشتری شدہ بازار رشک گرم صد جنس شکوہ ریختہ پیش دکان من

شاید یہ کہا جائے کہ "فراوان" مقدار کے لیے مستعمل ہے نہ کہ تعداد کے لیے، اسلیے بلبل شیراز (سعدی علیہ الرحمہ) کے نغمہ کا اعادہ بے محل نہوگا۔

چہ سالہائے فراوان چہ عمرہائے دراز کہ خلق بر سر ما بر زمین بخواہد رفت

چنانکہ دست بدست آمدہ ست ملک بما ق بدستہائے دگر ہمچنین بخواہد رفت

اب یہ امر پایہ تحقیق کو پہونچ گیا کہ تخئیل شعر مین جو عیب نقاد لاثانی نے نکالا تھا اُسکا کہین وہم وگمان بھی نہین، اور بآسانی سمجھ مین آتا ہے کہ دل یون جوش تمنا (ہجوم تمنا) سے زندان بن سکتا ہے اور یہ علت علت لازمی ہے یعنی جب کسی مکان مین اُسکی وسعت سے زیادہ مجمع ہوگا وہ مکان تکلیف کے اعتبار سے زندان بنجائیگا۔

مبصر جنوری
سنہ ۲۹ء
صفحہ ۳۰
سطر ۱-۱۱

ارشاد حضرت ناطق: "صلاح کے اصول یہ ہین کہ مبتدیون کو صرف لفظی صلاح دیجاتی ہے، یعنی لفظی غلطی درست کی جاتی ہے، اور

تخیل و مضمون کو ہاتھ نہین لگاتے تاکہ کئی فکرین جمع ہو کر مبتدی کو مشق نظم سے بھی محروم نہ کر دین لفظی غلطی نکلجانے کے بعد جب شاگرد کسی قابل ہوجاتا ہے تو بعض عیوب درست کر دیئے جاتے ہین اور مضامین اُسوقت بھی بدستور چھوڑ دیئے جاتے ہین، تاکہ وہ اپنے کثرت اغلاط سے گھبرائے نہین اور اُستاد کی افراط صلاح سے مایوس نہو، معمولی اور عیب دار شعر پر اکثر دل بڑھا دینے کے لیے صاد بنا دیا جاتا ہے مبتدی جسقدر ترقی کرتا ہے اُسیقدر اُستاد کی صلاح وسیع اور دقیق ہوتی جاتی ہے یہان تک کہ منتہی کی تخیل پر بھی صلاح دیجاتی ہے، کیونکہ جب یہ معلوم ہوجاتا کہ شاگرد بندش و نظم پر حادی ہوگیا تو ضرور ہے کہ جدت تخیل کی طرف توجہ دلائی جائے اور صحیح اور بے عیب الفاظ بھی اُس صورت مین بدل دیے جاتے ہین کہ جب وہ بے اثر ہون ایک اُستاد جب چند الفاظ منتہی کے یہان بدل دیتا ہے تو ایک عجیب تاثیر پیدا ہوجاتی ہے، ایسے تلامذہ کے یہان سے وہ اشعار قلم زد کر دیئے جاتے ہین جو پامال مضامین کے ہون اور کوئی خاص بات اُن مین نہو لیکن یہی شعر مبتدی کے یہان خلعت صاد سے مخلع ہوتے ہین، آخر مین پھر شعر کا بنانا مشکل ہوتا ہو اور صرف انتخاب کر دیا جاتا ہے اس قسم کے اصُول اصلاح پر نظر کرنے کے بعد اصلاحین دیکھنا اور اُنپر نقد و تبصرہ کرنا ایک نقاد کے لیے ضروری ہے۔

نتیجہ :- اصُول اصلاح کے متعلق صحیفہ ناطق کے آیات پر نظر کرنے کے بعد کہنا پڑتا ہی

کہ ان کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی، پست سے پست مرتبہ کا اُستاد بھی اِن سے واقف ہے اگر یہ گفتگو سے بے ہنگام چھیڑی تھی تو یہ ضرور بتا دینا تھا کہ خود جناب ناطق اپنے شاگرد (شوق مؤلف کتاب) کو مبتدی جانتے ہین یا کچھ اور، تو معلوم ہو سکتا کہ خود جناب نے یا شعرا نے دل بڑھانے کے لئے ۲ بنائے ہین یا اُس کی بلند آہنگیون سے مرعوب ہو کر۔ اکثر اساتذۂ کرام کے والانامے تو یہی بتاتے ہین کہ وہ حضرت شوق کو فخرِ اُستاد شاگرد سمجھتے ہین اور بار بار مشورہ دیتے ہین کہ آپ کو کسی سے اصلاح لینے کی ضرورت ہی نہین اسپر خود "صلاح سخن" شاہد ہے۔

صلاح سخن صفحہ ۱۶۳ سطر ۵-۹

(۱) لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم اکبر الہ آبادی لکھتے ہین

"یہ غزل (مطلع) ؎

یہ نشان پائے گئے گم شدہ دیوانون کے ۔۔۔ ٹکڑے کچھ آئے ہین صحرا سے گریبانون کے

نہایت عمدہ ہے، داد دیتا ہون، الفاظ سبک، بندش چُست، قوافی مین احتیاط، خدا ایسی طبیعت مبارک کرے" (بقدر حاجت)

صلاح سخن صفحہ ۱۶۱ سطر ۱۰-۱۳

(۲) سرمایۂ نازِ شعرائے لکھنؤ میرزا ثاقب قزلباش تحریر فرماتے ہین ؎

"ماشاء اللہ دونون غزلین نہایت قابل تعریف ہین، میرا دل اُن کو دیکھکر نہایت خوش ہوا، یہ آپ کا واہمہ ہے کہ آپ محتاج صلاح ہین، مین سچ کہتا ہون کہ ہرگز ایسا نہین ہے اید آپ نہایت خوب فرماتے ہین" (بقدر حاجت)

صلاح سخن صفحہ ۱۰۶ سطر ۱۰۴ آخر و اول بترتیب

(۳) محسنی ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی فرماتے ہین غزل ملفوفہ مین نے دیکھی آپکے معاملہ مین سخت متحیر ہون آپ جیسا

خوش فکر ہوس صلاح کیون کرتا ہے ، مجھے معاف کیجئے گا، مین تو بار با
یہ خیال کرتا ہون کہ آپ کہین مجکو بناتے نہ ہون آپ کو ہرگز صلاح
کی ضرورت نہین "

اتنی مثالین مین نے لکھ دی ہین " صلاح سخن " ابھی اور بہت سی مثالون کی گنجینہ دار ہے
مگر ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ خود حضرت ناطق جناب شوق کو مبتدی سمجھتے ہین
یا منتہی ، اور اگر یہ بات خود اُن کے تبصرہ سے دکھائی جائے تو زیادہ مناسب ہے
اسلیے کہ جو عبارتین صلاح سخن مین درج ہین اُن کے متعلق وثوق کے ساتھ نہین
کہا جا سکتا کہ ہر مقام پر دل کی ترجمانی کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہین دل بڑھایا گیا ہو
کہین طنز کیا گیا ہو کہین کچھ ہو کہین کچھ ، لیکن جناب نقاد نے جو کچھ اپنے تبصرہ مین تحریر
فرمایا ہے اُس مین ان احتمالات کی گنجائش نہین بلکہ وہ اُن کی بے لاگ اور سچی رائے ہے

مبصر کے چار ابتدائی پرچون مین یہ عبارتین نظر آتی ہین :۔

(شعر اوّل) ارشاد ناطق :۔

" واقعہ یہ ہے کہ مطلع مین کوئی ایسی غلطی نہین ہے کہ تمام شعراء
صلاح دینے پر مجبور ہوتے مگر بالکل بے عیب اور نا قابل ترقی
بھی نہین ہے (بقدر ضرورت)

شعر دوم :۔ تمنا کی تشبیہ ایوان سے دی گئی ہے اور یہی انتظام
مصرعہ اولی مین رکھا گیا ہے ، اس سلسلہ بیان سے شعر مین محاکات
پیدا ہو گئی ہے ۔ (بقدر ضرورت) ۔

شعر سوم (ہچکی کی صدا سنتے ہی سمجھے دم آخر ٭ ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا)

مبصر جوری ۱۹۲۰ء صفحہ ۲۹ کالم ۱ سطر ۱۱-۱۲
مبصر فروری صفحہ ۹ کالم ۱ سطر ...

ہچکی کی قفل سے بہترین تشبیہ ہے"

حضرت ناطق کی ان عبارتون سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حضرت شوق کو نہ مبتدی سمجھتے ہین نہ سمجھ سکتے ہین اسلیے کہ لفظی صلاح الگ فرمائی ہے، معنوی عیوب الگ نکالے ہین، کہین تخئیل کی تعریف کی ہے، کہین تشبیہ کی اور (وہ) اور (یہ) کی بحث توفیصلہ کن ہے، اِسے دیکھ کر معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت شوق (یہ) کے صحیح محل صرف سے صرف واقف ہی نہین بلکہ اُسکے استعمال پر بھی قادر ہین جس سے اُن کے بارہ اُستاد بقول نقاد بیخبر ہین۔ تیسرے شعر (ہچکی کی صدا الخ) مین اصلاح کے وقت قلم تک نہین لگایا۔ تنقید کے محل پر بھی صرف تحسین وداد پر اکتفا فرمائی ہے۔

مطلع مذکورہ

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنّا الله رے یہ جوش فراوان تمنّا

مبصر جنوری صفحہ ۵ کالم ۱ سطر ۱۴-۲۵ ارشاد حضرت ناطق:۔ اس مطلع پر تیرہ شاعرون نے کوئی اصلاح نہین دی جیسا تھا ویسا ہی رہنے دیا ہے، آرزو لکھنوی۔ بیخود دہلوی

مبصر جنوری صفحہ ۲ کالم ۱ سطر ۱-۲۵ جگر۔ جلیل۔ دل شاہجہانپوری۔ زہری۔ شہرت۔ صفی۔ عزیز۔

مبصر جنوری صفحہ ۳۶ کالم ۲ سطر ۱-۱۲ مضطر۔ مومن۔ یکتا نے ۳ بنادیا ہے اور مصرعۂ اولی کو تین شاعرون نے برقرار رکھا ہے۔ سائل۔ نظم۔ وحشت ان حضرات نے مصرعۂ ثانی صلاح دی ہے۔ پانچ شاعرون نے صرف مصرعۂ اولی پر صلاح دی ہے اور مصرعۂ ثانی بدستور رکھا، اطہر، بیباک۔ ناطق، نوح، نیاز فتحپوری۔ چار شاعرون نے دونون مصرعون پر اصلاح دی ہے۔ احسن مارہروی، ریاض، فضل، باقی، شوق مرحوم

یون سمجھنا چاہیے کہ سولہ شاعرون نے کہین نہ کہین اصلاح دی ہے اور تیرہ نے بالکل اصلاح نہین دی۔

توجیہات اصلاح :۔ واقعہ یہ ہے کہ مطلع مین کوئی ایسی غلطی نہین ہے کہ تمام شعرا اصلاح دینے پر مجبور ہوتے، مگر بالکل بے عیب اور ناقابل ترقی بھی نہین ہے۔ مذکورہ بالا سطور مین عرض کر چکا ہون۔ مصرع اولیٰ مین "اب" اور ثانی مین "یہ" حشو معلوم ہوتا ہے اگرچہ کچھ نہ کچھ معنی رکھتا ہے، مگر اہل فن چاہتے ہین کہ سامع کے خیال کو کسی عیب شعر کی طرف منتقل ہونے سے بچائین موجودہ زمانہ کی ترقی فن کی ایک منزل ہے۔ احسن نے اس شعر کی کمزوری کو احسن طریقہ سے رفع کیا ہے۔

احسن :۔ الفت مین دل تنگ ہے زندان تمنا ؛ اللہ رے مرا جوش فراوان تمنا۔

اسی اصول پر ریاض نے بھی اصلاح دی ہے، پہلے مصرع مین "اب" کو نکالا ہے اور دوسرے مصرع مین "یہ" کو رہنے دیا۔ مگر ایسی بہتر تبدیلی کی ہے کہ "یہ" بجاے حشو معلوم ہونے کے بہترین لفظ بنگیا

ریاض :۔ اپنا ہی دل تنگ ہے زندان تمنا
اللہ یہ ہے جوش فراوان تمنا

نوح اور وحشت نے بھی اس عیب کو نظر انداز نہین کیا۔

اصلاح نوح :۔ پہلو مین دل اپنا ہے کہ زندان تمنا

وحشت نے مصرعہ ثانی سے "یہ" کو نکال دیا اور ایسی خوبصورت تبدیلی کی کہ مصرعہ اولی کا "اب" اپنی روشنی دینے لگا۔

صلاح مصرعہ ثانی وحشت :۔ دیکھئے تو کوئی جوش فراوان تمنا

بیخود :۔ مطلع مین غلطی ہے اور ایسی کہ بیان کئے جانے کے بعد حضرت نقاد بھی انگشت بدندان اور سر بگریبان نظر آئینگے ، اگر مصنف کے اصل شعر پر غور کرین تو کھل جائے کہ پہلے مصرعہ " اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا" مین "اب" مقتضائے بلاغت کو پورا کر رہا ہے اسلیے کہ شاعر نے دل کو اول ہی سے تنگ مانا ہے اور اسلیے تنگ مانا ہے کہ ابتدائے محبت مین جب تمناؤن نے ہجوم کیا ہے تو اُسکو خیال گزرا تھا کہ دل کی وسعت اس ہجوم کے لیے کافی نہوگی ، جب عشق معراج کمال کو پہونچا تو پہلے جس مکان پر ہجوم تمنا کے لیے تنگ ہونے کا خیال تھا وہ زندان نظر آنے لگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسی "اب" اور "دل تنگ" سے ابتدائے عشق اور انتہائے عشق کے ہجوم تمنا کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور یہی وہ الفاظ ہین جنسے تخیل کی محاکات وابستہ ہے یعنی بیان واقعہ، واقعہ نظر آنے لگتا ہے۔

عیوب لفظی و معنوی کے متعلق بیخود خاکسار کی رائے

میرے نزدیک شعر زیر بحث کے بعض عیب یہ ہین :۔

مصرعہ اول " اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا" روانی کے ساتھ پڑھا جائے تو " اب اپنا" مین " اب اَپ" کا ٹکرانا مخل فصاحت ہے۔

(۲) اب اپنا مین الف کا گرنا اگرچہ غلط نہین مگر خانہ برانداز فصاحت ضرور ہے اپنا سے اپن رہجاتا ہے

(۲) " اپنا " بھی حشو ہے کیونکہ قرینہ مقام حصر کرتا ہے کہ یہ حال اپنا ہی ہے۔
دوسرے مصرعہ مین " یہ " اشارہ قریب ہے جسکا اثر یہ ہے کہ سامع زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے مگر " اللہ رے " کے بعد اسکا آنا چستی کی جگہ جھول پیدا کرتا ہے، بلکہ مجھے تو اسی مین تامل ہے کہ " اللہ رے " کے بعد ایسے محل پر " یہ " کا استعمال فصحا نے روا رکھا ہے۔

رہا " دل تنگ " اس مین نہ کوئی غلطی ہے نہ عیب، وجواب سے پہلے ظاہر کیجا چکی حضرت نقاد کی تسکین کے لیے مین انھین کا ایک قول پیش کردون جسے وہ جناب نیاز فتحپوری مدیر نگار پر ایراد کرتے ہوئے لکھ آئے ہین۔

ایراد نیاز :۔ مصرعہ اول مین فراوانی تمنا کا کوئی ثبوت نہین ہے، اگر دل تنگ زندان تمنا ہو گیا تو اس سے جوش فراوان تمنا کیونکر ثابت ہوا"

ردِ ایراد از ناطق :۔ حضرت نیاز کی عبارت سے دو نتیجہ نکلتے ہین۔ یا تو سمجھنے مین اُن کو غلط فہمی ہوئی، یا اپنے مافی الضمیر کو ضروری الفاظ مین ادا نہ کر سکے، اُن کے پہلے فقرہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عاشق سے فراوانی تمنا کا ثبوت مانگتے ہین گویا ایک عجیب بات ہے — بصر جنوری صفحہ ۳۹ کالم ۲ سطر ۱۰

(۲) جوش فراوان تمنا اگر دعوی ہوتا تو ثبوت کا محتاج نہ تھا، کیونکہ تمناؤن کی فراوانی اور اُن کے لوازم کا عاشق کے دل مین موجود ہونا بدیہی ہے " — بصر جنوری صفحہ ۳۹ کالم ۲ سطر ۱-۲۰

اِس ایراد سے ظاہر کہ حضرت ناطق عاشق کے دل مین فراوانی تمنا کو مسلم سمجھتے ہین۔ جب یون ہے تو ابتدائے محبت ہی مین کیسکو ہجوم تمنا پر نظر کرکے اپنا

دل تنگ نظر آئے تو کوئی استبعاد لازم نہین آتا۔

اب مین حضرت احسن و ریاض و نوح و وحشت کی اصلاحون پر نظر کرتا ہون۔

احسن :۔ الفت مین دل تنگ ہے زندان تمنا۔

یہان "الفت مین" کا ٹکڑا بے کار ہے۔ اسلیے کہ غزل کے شعر مین اسکا اضافہ خاصکر ایسی حالت مین کوئی معنی نہین رکھتا، جب اُس کی صورت حال خود پکار رہی ہو کہ واردات عشق کی مرقع کشی کیجا رہی ہے، علاوہ اسکے "دل تنگ" اس مین بقول ناطق بے کار ہے۔ وہ ابھی تک نقادون کا قافیہ تنگ کرنے کے لیے موجود ہے۔ ضرور ہے کہ یہ "کو نکالکر" اللہ رے مرا جوش فراوان تمنا" کہنے سے مصرعہ کا جھول نکل گیا۔

رہی جناب نوح کی اصلاح "پہلو مین دل اپنا ہے کہ زندان تمنا" اس مین "پہلو مین" اور "اپنا" زائد ہین

اسکے سوا یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان بزرگون نے "اب" کو نکالا ہے یا "آپ" کو، مزے کی بات یہ ہے کہ لفظ تنگ کو حضرت ناطق بیکار اور عیب دار بتا آئے ہین، مگر حضرت احسن کی اصلاح مین اُن کو صرف یہ نظر آیا کہ "اب" کو احسن طریقہ سے نکالا ہے، باقی تنگ کا عیب حضرت نقاد کے انتقاد کے اعجاز سے خود بخود نکل گیا۔

حضرت ریاض کی اصلاح بھی دل کو نہین لگتی، کہنا تو یہ تھا کہ اللہ اکبر یہ جوش فراوان تمنا کہ دل اُن کے لیے تنگ ہو کر زندان بن گیا، اور کہا یہ کہ "اپنا ہی دل تنگ ہے زندان تمنا" اس مین ہی کی لطافت میری سمجھ مین نہین آتی۔

حضرت وحشت کی اصلاح

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
دیکھے تو کوئی جوشش فراوان تمنا

اس مین دوسرے مصرعہ کا ٹکڑا " دیکھے تو کوئی " موتیون مین تلنے کے قابل ہے، مگر پہلا مصرعہ شرمندہ احسان فصاحت نہوا۔

ارشاد ناطق۔ " تقریباً تمام اصلاحین کسی نہ کسی خوبی کا اضافہ ضرور کرتی ہین۔ اور اس شعر مین دو ہی قسم کے عیب ہین۔ مبصر جنوری صفحہ ۳۶ کالم ۲ سطر ۱۳-۱۸

لفظی عیب:۔ اب اور یہ کا بیکار ہونا

معنوی عیب:۔ مصرعہ اولی مین لفظ تنگ کوئی خاص معنی نہین دیتا۔ اور دل تنگ کے زندان بنجانے کی علت لازمی اور دلیل مسلم جوش فراوان نہین ہوسکتی "

التماس بیخود:۔ اس قول مین تین باتین غلط ہین اور ایک صحیح۔ " اب " اور " دل تنگ " شعر کے ضروری اجزا ثابت کیے جا چکے۔ جوش تمنا سے دل تنگ کا زندان بنجانا اب محتاج ثبوت نہین رہا۔ ہان " یہ " ضرور بیکار ہے۔

ارشاد ناطق:۔ حشو و زوائد سے بچانے کے اصول پر اصلاح دینے والون کی تفصیل علاوہ احسن و ریاض و نوح جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے حسب ذیل ہے مبصر جنوری صفحہ ۳۶ کالم ۲ سطر ۱۹-۲۲

اطہر مصرعہ اولی:۔ اپنا ہے دل تنگ کہ زندان تمنا

مصرعہ اولی سے اب نکل گیا

التماس بیخود:۔ " اب " تو ضرور نکل گیا، مگر مصرعہ مین کوئی لطافت نہ پیدا ہوئی

اپنا حشو تھا حشو ہی رہا۔

بیباک مصرعہ اوّل

مصر جنوری ۲۹ء صفحہ ۳۶ کالم ۲ سطر ۱۴-۱۵ صفحہ ۳۰ کالم سطر ۱

دل رہ نہ سکا ضبط مین زندان تمنا

ناطق۔ "اب" اور "تنگ" دونون نکل گیا (گئے)

بیخود۔ اب شعر کا مفہوم یہ ہوگیا کہ باوجود ضبط آرزوئین زندان دل کو توڑ کر نکل گئین۔

مصر جنوری ۲۹ء صفحہ ۳۷ کالم ۱ سطر ۲-۳

شوق قدوائی۔ پھر میرا دل تنگ ہے زندان تمنا
قربان ترے جوش فراوان تمنا

ناطق۔ "اب" اور "یہ" دونون نکل گئے۔

بیخود۔ پھر کی لفظ بتاتی ہے کہ ایسا پہلے بھی ہوچکا ہے، دوسرے مصرعہ کی اصلاح لاجواب ہے۔ اگر "اللہ رے" سے تعجب کی شان نکلتی ہے تو "قربان ترے" سے عاشقانہ آن نکلتی ہے

مصر جنوری صفحہ ۳۰ کالم ۱ سطر ۸-۱۱

ناطق۔ "ان اصلاحون مین اور خوبیان بھی پیدا ہوگئین، مگر مین اصول اصلاح کی صرف ایک ہی چیز مثالاً پیش کر رہا ہون تاکہ لوگون کو معلوم ہوجائے کہ بالعموم تمام شعرا کی اصلاح کسی نہ کسی اصول کے ماتحت ہوتی ہے"

بیخود۔ خدا جانے یہ کونسا راز سربستہ تھا۔ جاہل سا جاہل شخص بھی اگر دیوانہ نہین ہے تو جانتا ہے کہ اصلاح شعر کیا دنیا کا ہر کام کسی نہ کسی اصول کے ماتحت ہوا کرتا ہے۔

مصر جنوری ۲۹ء

ارشاد ناطق۔ دوسرا عیب جو اس شعر مین معنوی ہے وہ یہ ہے

صفحہ - ۳۰ کالم - ۱ سطر ۱۲ تا ۲۱

کہ مصرعہ اولی مین یہ دعوی ہے کہ دل تنگ زندان تمنا ہے، اور دوسرے مصرعہ کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ اکبر یہ جوش فراوان تمنا، مطلب یہ ہوا کہ اسقدر جوش تمنا ہے کہ دل تنگ زندان بن گیا ہے، اگر یہ امر لازمی ہوتا کہ جب کسی مکان کے مکین کو جوش فراوان ہو تو وہ مکان زندان بنجاے تو اسپر اصلاح کی بالکل ضرورت نہوتی۔ اور اگر تمنا کے جوش فراوان سے یہ مفہوم تسلیم کرلیا جاے کہ تمنائین اسقدر وسیع ہوگئین کہ دل سی وسیع شے تنگ ہوکر زندان بن گئی تو شعر صحیح ہوسکتا ہے، مگر کلام کا حسن نہین ہے کہ ایک پہلو سقیم ہو اور دوسرا صحیح۔"

التماس بیخود۔ یہ عیب معنوی جناب نقاد کے واہمہ کی خلاقی کا آئینہ دار ہے مین لکھ آیا ہون کہ یہان جوش کے معنی ہجوم کے ہین

معیار خودی ۱۹۲۰ء
صفحہ - ۳۰ کالم - ۱ سطر ۲۱-۲۵ کالم - ۲ سطر ۱-۲۵ صفحہ ۳۰ کالم - ۱ سطر ۱-۲

ارشاد ناطق:۔ کلام صحیح یعنی معنی دار بلحاظ تخیل و محاکات دو بڑی قسمون مین منقسم ہے (۱) سادہ (۲) پر معنی۔

سادگی یہ ہے کہ مفہوم صاف ہو اور الفاظ مطبوع، ترکیب کلام و ترتیب بیان دلکش و پرتاثیر۔

پرمعنی یہ ہے کہ الفاظ کم ہون معنی زیادہ۔ محذوفات و مقدرات جسقدر ہون سب لازمی ہون۔

معنی خیز اشعار مین اور بہت شرائط ہین سب کے سب لکھنے کی ضرورت نہین، مین صرف اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہون کہ یہ مطلع نہ تو یقینی طور پر غلط ہے نہ بے عیب ہے، اگر غلط ہوتا سب اصلاح دیتے،

بے عیب ہوتا تو کوئی اصلاح نہ دیتا، یا بہت کم دیتے۔ ایک بات یہان اور ظاہر کرنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ جو شعر سہل ممتنع ہو اُسکے علاوہ کوئی شعر ایسا نہین ہو سکتا کہ اُس مین تبدیلی اور ترقی کی گنجائش نہو کیونکہ قدرت نے شعر کی خوبیون کی کوئی انتہا نہین رکھی، جس طرح شطرنج مین فکر کی کوئی حد مقرر نہین ہے اور صدہا چیزین دنیا مین ایسی ہی ہین، بلکہ کسی فن کے کمال کی کوئی حد مقرر نہین کی گئی۔ اصلاح اگر بہتر ہو اظہار کمال ہے اور اگر نہو بشرطیکہ شعر صرف عیب دار ہو غلطی کی حد تک نہ پہونچے تو اصلاح دینے والے پر کوئی جرم نہین۔

شاعر قدرتاً آزاد طبع اور نازک مزاج ہوتا ہے، تنخواہ پانے کے بعد بھی ملازم نہین ہوتا جب چاہتا ہے کاہلی اور بے پروائی کرتا ہے جب دل مین آجاتا ہے شاگرد کے ایک شعر پر اتنی فکر کرتا ہے کہ اپنی ایک غزل پر اتنی محنت نہین کرتا، پھر اسکے علاوہ اور بہت وجوہ ہین بعض کو مین اوپر لکھ چکا ہون۔ مثلاً یہ کہ شاگرد کو مبتدی سمجھکر بہت سی اصلاحین ایسی چھوڑ دی جاتی ہین اور عمداً چشم پوشی کی جاتی ہے بلکہ دل بڑھانے کے لیے صؔ بنا دیا جاتا ہے، جیساکہ مشاعرہ مین اخلاقاً واہ واہ کردی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اس رواج سے باوجود سخت نقصان ہونیکے کوئی صورت اسکے مٹانے کی نہین نکل سکتی، ایک ادنیٰ نقصان اسکا یہ ہے کہ بہت سے جاہل اور ناواقف بعض ایسے اشعار پر مشاعرہ مین چھتین اُڑاتے ہین جو بالکل بے معنی اور مہمل ہوتے ہین اگر اُن سے

پوچھا جائے کہ مطلب کیا سمجھے تو کچھ ہرگز نہین بتا سکتے، مگر شعر کی شوکت و شان اور لفاظی کا وقار اُنھین مغالطہ دیتا ہے اور اساتذہ تہذیباً تعریف کر دیتے ہین، محض اس خیال سے کہ دلشکنی نہو، مگر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک مین بے معنی اور سراپا غلط اشعار کا مذاق پھیلتا جاتا ہے۔ کاش شعرا کی ایک کانفرنس ہوتی اور وہ اسکی اصلاح کرتی۔

اِس تبصرہ سے میرا مقصد صرف یہی نہین کہ شوق کے اشعار اور اُن کی اصلاح تک محدود رکھون بلکہ فن اور اہل فن سے جو عام اُمور متعلق ہین اُن پر بھی اساتذۂ فن کو توجہ دلانا چاہتا ہون، جناب شوق بعض اساتذہ کے ۲ بنا دینے اور شعر کے اصلاح سے محفوظ رہنے پر اپنے دیباچہ مین شاید فخریہ ظاہر کر رہے ہین کہ اُن کا کوئی شعر غلط ہی نہ نکلے گا، کیونکہ ہر شعر پر کسی نہ کسی نے ۲ ضرور بنایا ہے۔

اصلاح نہ دینے کے وجوہ اگر وہ غور سے پڑھینگے جو کہ مین نے عرض کئے ہین تو غالباً اُس تفاخر مین تذبذب ضرور (پیدا) ہوجائے گا۔"

التماس بیخود:۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ جناب نقاد شعر تو شعر نثر کے سمجھنے کی بھی کوشش نہین فرماتے۔ آپ شوق کی عبارت پر تفاخر کا گمان کرتے ہین حالانکہ یہ اُن کی ستم ظریفی ہے اور دل کو لہو کر دینے والی شماتت، اسکا مطلب یہ ہوا کہ شعر غلط ہو یا صحیح ۲ بنا دینے والون کی کمی نہین ہے۔

بصیر جنوری ۱۹۲۹ء
صفحہ ۳۸
کالم - ۱
سطر ۱۱-۲۵
کالم - ۲
سطر - ۱

ارشاد ناطق: ۔ اِن وجوہ کے علاوہ ایک اور بھی گزارش کرنا پڑی، وہ یہ کہ سب شعرا قابلیت، علم وتحقیق اور واقفیت فن مین برابر نہین پھر اصلاح دینے کا سلیقہ ایک جُداگانہ چیز ہے، یہ ضرور نہین کہ ہر عمدہ شعر کہنے والا اصلاح دینے مین بھی کامل ہو۔ مین یہ اسلیے یاد دلا رہا ہون کہ اگر اپنے تبصرہ مین کسی شاعر کی اصلاح پر سختی سے نکتہ چینی کرون، (جس سے میر نصب العین لطائف ونکات فن کا اظہار ہوگا) اُس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ شاعر بحیثیت شاعر کمزور ہے، غرضکہ شوق کا مطلع تخیل کے لحاظ سے بے عیب نہین ہے اور جو عیب ہے وہ قریب قریب تمام شعرانے اُسی نقطہ نظر سے اصلاح دی ہے اصل شعر نظر مین رکھئے۔

شوق اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

اصلاح باقی مدت سے دل تنگ ہے زندان تمنا
پھر بھی نہین کم جوشِ فراوان تمنا

"اب" اور "یہ" بھی نکل گیا، اور وہ بھی عیب نہ رہا کہ جوش فراوان زندان ہونے کی علت لازمی نہ تھی"۔

بیخود: ۔ اب شعر کا مطلب یہ ہوگیا کہ اگرچہ تمنا ایک مدت سے دل تنگ مین قید ہے، مگر اُسکا جوش وخروش ہے کہ کسی طرح کم ہونے کا نام ہی نہین لیتا یعنی یہ وہ قیدی ہے کہ زندان بھی اُس کی وحشت کا علاج نہو سکا، حالانکہ مصنف یہ کہتا تھا کہ

تمناؤں نے اسقدر ہجوم کیا کہ دل تنگ اُن کے لیے زندان بن گیا۔ صورت موجودہ مین "اب" نکل گیا تو کیا اور "یہ" نہ رہا تو کیا، اِس طرف بھی نگاہ التفات نفرمائی گئی کہ حضرت باقیؔ نے "دل تنگ" کو شعر سے نہین نکالا بلکہ اُس کو بنائے تخیل قرار دیا۔

مین نے حضرت باقی کی اصلاح کے متعلق پہلے اظہار خیال کیا، اسلیے کہ پھر یہ مرحلہ دور جا پڑتا۔

آپ شعر زیر بحث مین "اب" کو کسیقدر بیکار بتاتے ہین، حالانکہ اُسکا برمحل ہونا، دکھایا جاچکا۔ آپ لفظ "تنگ" کو برائے بیت سمجھتے ہین، مگر جس طرح دل تنگ تکمیل محاکات کی ابتدا کرتا ہے اُسی طرح "اب" درمیانی اور "زندان" آخری مرحلہ کو طے کرتا ہے یعنی دل جو پہلے سے تنگ تھا اب افزائش تنگی کے سبب سے زندان بن گیا ہے۔

اصلاح نظم طباطبائی

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
اور جوش جنون سلسلہ جنبان تمنا

ارشاد ناطق:- تخیل کا عیب نکل گیا۔

التماس بیخود:- جناب نظم نے اُس عیب کو نکالا جو حقیقت مین تھا، اسلیے کہ اب یہ ایسے شخص کی حالت ہے جسپر اکثر جوش جنون طاری رہتا ہو، اور کبھی کبھی ہوش مین آئے، جب کچھ حواس درست ہوئے ہین تو کہتا ہے ؎

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا — اور جوش جنون سلسلہ جنبان تمنا

اس اجمال کی تفصیل آگے آئے گی۔

معیار جنوری ۲۰ صفحہ ۲۰ کالم ۲ سطر ۱-۴

جناب طباطبائی نے جوش جنون کا ٹکڑا ایسا رکھدیا ہے کہ اُس کی داد نہ دینا ظلم ہے، شاگرد (شوق) کی تخئیل صرف اتنی تھی کہ اللہ اکبر یہ جوش فراوان تمنا کہ دل تنگ اُسکے لیے زندان بن گیا ہے، لیکن جوش جنون کا تقاضا اور کوشش یہ ہے کہ گھر میں جگہ ہو یا نہ ہو، ازدحام تمنا بڑھتا ہی جائے۔ جناب نظم نے دوسرے مصرعہ مین جنون کے تقاضائے صحیح کو نظم کیا ہے یعنی جنون کو احکام عقل سے کوئی سروکار نہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اپنے مفہوم کے ادا کرنے کے لیے نہایت مناسب الفاظ جمع کیے ہین مثلاً :۔ دل تنگ، زندان، جنون، سلسلہ۔

مگر یہ ضرور ہوا کہ شاگرد کے خیال کی رو بدل گئی۔ وہ تمناؤن کی کثرت پر اپنا تحیر ظاہر کر رہا تھا اور جناب نظم تقاضائے جنون کی مرقع کشی فرما رہے ہین۔

بصر جنوری صفحہ ۳۰ کالم ۲ سطر ۵۰

اصلاح نیاز　　دل شق ہوا وا ہو گیا زندان تمنا

اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

ارشاد ناطق :۔ "مصرعہ اولی بدل دیا اور جوش کا صحیح معلول و نتیجہ اُس مین نظم کر دیا، اب وہ عیب نہ رہا"

التماس بیخود :۔ حضرت نیاز نے مصنف کی مراد کے خلاف پہلا مصرع بدل دیا، اور اب شعر کے یہ معنی ہوئے کہ دل مین تمنا دیوانہ کی طرح قید تھی آخر اُسنے وہ جوش و خروش دکھایا کہ خانہ دل شق ہو گیا اور وہ آزاد ہو گئی یعنی اللہ رے جوش کہ دیوار کو در بنا دیا۔

"شق ہو گیا" مین شق کی لفظ سے جوش و خروش کی ترجمانی ضرور ہوتی ہے مگر مصنف کی تخئیل بدل گئی اسکے ماورا "یہ" کا پیدا کیا ہوا جھول بھی نہ نکلا" اور شق ہوا

مین شق کی ہیبت ناک اور وا ہوگیا مین "وا" کی نرم آواز نے توازن صحیح قائم نہ رہنے دیا، اور اس بے ہنگام زیر و بم سے ترنم کو جان دیتے بن پڑی۔ شق ہوا" اور" وا ہوگیا" مین الف کا دبنا بھی ایسا ہے کہ فصاحت کا نون پر ہاتھ رکھتی ہے۔

صلاح ناطق :۔ اب دل نظر آتا ہے بیابان تمنا
اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

ارشاد ناطق :۔ اس مین بھی جوش فراوان کا اقتضا صحیح نظم کیا گیا ہے؟

مصر جنوری ۲۹ء صفحہ ۳۸ - کالم ۲ - سطر ۹ - ۱۱

التماس بیخود :۔ حضرت ناطق کی یہ اصلاح اگر اصلاح کہی جاسکے تو یہ ماننا پڑیگا کہ جناب موصوف نے پہلے مصرع کو فصاحت و روانی کے قالب مین ڈھال دیا ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ شعر مین الفاظ کی فصاحت و سلاست کے ساتھ ساتھ بلاغت معنوی کی بھی ضرورت ہے، اب دیکھنا چاہیے کہ صلاح سے شعر پری بن گیا ہے یا کچھ اور۔

مین تین صورتون سے شعر کا مطلب کہنے کی کوشش کرتا ہون، اہل نظر ملاحظہ فرمائین کہ کسی طرح معنی کی کل بیٹھتی ہے یا نہین

شعر کی موجودہ صورت :۔

اب دل نظر آتا ہے بیابان تمنا   اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

پہلی صورت :۔ اللہ اکبر یہ جوش فراوان کہ دل اب تمناؤن کا جنگل نظر آتا ہے، اس طرح معانی کی چول بیٹھ سکتی ہے۔

جناب مرزا اوج مرحوم جانشین حضرت دبیر اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہین

اِس اُجڑے چمن میں بھی لے لکھنو کیا بات ہے تیری
سب اُردو معنے کلکتے جنگل سمجھتے ہیں

مگر جناب ناطق کی صلاح میں اس مطلب کو دو امر مانع ہیں:۔

اول حضرت ناطق کو جوش و ہجوم کے مترادف ہونے کا علم ہی نہیں اسلیئے اُن کی صلاح میں یہ معنی لینا غلطی ہے۔

دوم۔ بیابان وشتِ بے آب وگیاہ کو کہتے ہیں اسلیئے یہ لفظ نہ جنگل کا بدل ہو سکتا ہے نہ کثرت کے معنی دے سکتا ہے۔

دوسری صورت۔ لفظ جوش کے سہارے پر یوں معنی کیے جا سکتے ہیں کہ اللہ اکبر یہ جوش تمنا کہ بیابان دل کی وہ حالت ہو رہی ہے جو ایسے بیابان کی جو جس میں سیل آئی بلکہ چھائی ہو یعنی جس طرح سیلاب آنے پر تمام بیابان عالم آب نظر آتا ہو اُسی طرح دل بھی عالم تمنا نظر آتا ہے۔ مگر صرف لفظ بیابان یہ معنی نہیں دیتا اور شعر ادائے مطلب میں قاصر ہے۔

تیسری صورت۔ شاعر نے تمنا کو ایسا تودہ خاک (ریگ) فرض کیا ہے جو زمین دل کے کسی گوشہ میں تھا، اور جوش فراوان کو طوفان باد مانا ہے۔ اس آندھی نے تمنا کے تودہ کو یوں منتشر کیا کہ ریگ تمنا بیابان دل کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی، یعنی اب دل میں جدھر نظر جاتی ہے تمنا ہی تمنا نظر آتی ہے، لیکن یہ معنی اسلیے نہیں کیے جا سکتے کہ شعر میں کوئی اشارہ ایسا نہیں جس سے معلوم ہو کہ شاعر نے تمنا کو تودہ ریگ بیابان اور جوش فراوان کو طوفان باد فرض کیا ہے، صرف جوش اور بیابان کا رابطہ ضعیف اتنے معانی کا لنگر نہیں اُٹھا سکتا۔

قصہ مختصر یہ کہ شاگرد کا شعر اگرچہ فصاحت سے شرمندہ تھا مگر بلاغت کے منہ سے سرخرو تھا۔ اُستاد (حضرت ناطق) کی اصلاح لفظی حیثیت سے دیکھی جائے تو معلوم ہو کہ دوسرے مصرعہ میں "یہ" کا جھول جیسا تھا ابتک باقی ہے اور شعر معنی کی طرف سے بالکل بے نیاز ہوکر رہ گیا ہے، یہاں مجھے حضرت ناطق کا یہ قول بے اختیار یاد آتا ہے۔

> قول ناطق:- "یہی اصُول تمام معنی بند اشعار کا ہے کہ دونوں مصرعوں کے درمیان کچھ الفاظ محذوف ہوتے ہیں جو کہ الفاظ سے لزوماً پیدا ہوتے ہیں اور وہی باعث ربط ہوتے ہیں جو اس فلسفہ سے واقف نہیں ہیں اور اس رنگ کو (کیا خوبصورت اُردو ہے) کہتے ہیں اُن کے کلام کا اکثر حصہ مہمل ہوتا ہے"

بصر فروری ۲۹ء صفحہ ۱۲ کالم ۲ سطر ۲۲ تا ۲۵

میں دکھا چکا کہ شعر ادائے مطلب میں قاصر ہے لیکن تھوڑی دیر کے لیے مانے لیتا ہوں کہ شعر کا وہی مطلب ہے جو میں نے تیسری صورت میں بیان کیا ہے پھر بھی اُس میں اتنے عیب موجود ہیں۔

(۱) حضرت ناطق نے شاگرد کی تخئیل بدل دی اور اگرچہ شعر کی بنیاد جوش فراوان ہی پر رکھی، لیکن مدعائے شاگرد کو نہ سمجھکر۔ اُسکے شعر میں جوش ہجوم کے معنوں پر تھا اور ہجوم سے وہ ذی روحوں بلکہ انسانوں کی تصویر دکھا رہا تھا۔ جناب ناطق نے زندوں کے بکھر جانے کی کیفیت دکھائی۔ سامع کے لیے جتنا اثر شاگرد کے مرقع میں تھا وہ اس میں باقی نہ رہا۔ اور قابل افسوس ہے یہ امر کہ تخئیل کا بدلنا بر بنائے علم و تحقیق عمل میں نہیں آیا۔

(۲) "یہ" کا جھول بحالہ قائم ہے۔

(۳) اب۔ دل تنگ۔ زندان جو تخئیل مصنف کے ضروری اجزا ہی نہ تھے بلکہ

تکمیل محاکات بھی اُنھین کے دم قدم سے وابستہ تھی، اصلاح کی آندھی مین اُڑ گئے۔

(۴) یہ شاگرد کے شعر کی اصلاح نہین اپنی طرف سے ایک شعر فرمادیا ہے۔

(۵) "اب دل نظر آتا ہے بیابان تمنا" اس مین "نظر آتا ہے" کے ٹکڑے سے مصرع مین روانی تو ضرور پیدا ہوگئی، مگر تمناؤن کے جوش مین کمی نظر آنے لگی۔ اسلیے کہ نظر آنے اور درحقیقت موجود ہونے مین بڑا فرق ہے۔

(۶) آندھی کی پیدا کی ہوئی صورت کا ہمیشہ قائم رہنا بھی غیر ممکن ہے اسلیے جوش تمنا مین دوام کی صورت نہین نکلتی۔

مبصر جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۰ کالم ۲ سطر ۱۲ تا ۱۴

ارشاد ناطق:۔ دو شاعرون نے تخیل بدل دی ہے، بیخود موہانی اور شوق قدوائی"

صلاح بیخود:۔ اک قطرہ مین یہ جوش فراوان تمنا
یارب ہے دل تنگ کہ طوفان تمنا

قریب قریب اہم الفاظ وہی ہین۔ دل تنگ اور جوش فراوان تمنا مگر قافیہ بدلا ہوا ہے اور لفظ قطرہ کا اضافہ ہوا ہے، جس سے تنگیٔ دل خوب ثابت ہوئی، مگر دل تنگ جو ایک ظرف ہے اُسکی تشبیہ طوفان سے غیر مناسب ہے۔

بیخود کی صلاحون مین جو کہ (کہ زائد ہے) اس کتاب مین اکثر جگہ ہے یہی بات ہے کہ خود ایک شعر کہدیا ہے اور صلاح نہین دی ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تخیل وہ ہو اور ایسی ہو جو اُن کے دماغ کو پسند آے (یہی حال غالب کا تھا) شوق کی بھی اکثر صلاحین

اِسی قسم کی ہین"

الماس بیخود:۔ مین جناب نقاد کا منت گزار ہون کہ مجھے ایک بات مین تو غالب کا ہمرنگ فرمایا، اگرچہ وہ عیب ہی سہی ؎

کم نہین نازشِ ہمنامیِ چشمِ خوبان (غالب)
تیرا بیمار بُرا کیا ہے گر اچھا نہوا

اب وقت آگیا ہے کہ حضرت شوق کے مطلع کی تخئیل مین جو غلطی ہے ظاہر کردی جائے۔ میرے نزدیک یہ تخئیل دو طرح غلط ہے۔

تخئیل کی پہلی غلطی:۔ پہلے مصرع (اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا) مین جو خیال ادا کیا گیا ہے وہ قطعاً غلط ہے اسلیے کہ خوف وغم وغیرہ کے موقع پر دل مین انقباض پیدا ہوتا ہے اور خوشی کے محل پر انبساط۔ محبت کی تمنائین دل مین انشراح پیدا کرتی ہین اور اہل نظر جانتے ہین کہ محبت کی تمناؤن کے لیے دل مین اتنی وسعت نکلتی ہے کہ غیر تو غیر خود عاشق حیران رہ جاتا ہے ؎

آگاہ نبودم کہ جہانے زتمناست | بکشود من از دلم این راز نگاہے
ارض و سما کہان تری وسعت کو پاسکے | میرا ہی دل ہے وہ کہ جہان تو سما سکے

پھر یہ کہنا کہ خانۂ دل مین تمناؤن کا اتنا ہجوم ہوا کہ یہ گھر اُن کے لئے زندان بن گیا اور وہ اُس مین گھُٹ کر رہ گئین غلط اور کسقدر غلط ہے۔

تخئیل کی دوسری غلطی:۔ ادھر سے قطع نظر کرلین تو بھی یہ تخئیل نہایت مکروہ ٹھرتی ہے اور اِسکا ماخذ غالباً بلیک ہول کلکتہ (کلکتہ کی کال کوٹھری) کا فرضی مگر تاریخی واقعہ ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہو کہ سراج الدولہ نے ۱۴۶ انگریزون کو کلکتہ کی کال کوٹھری

مین قید کر دیا جن مین صرف (۲۳) آدمی داستان مصیبت کے بیان کرنے کیلیے زندہ نکلے باقی جگہ کی تنگی کے سبب گھُٹ گھُٹ کے مر گئے۔ یہ واقعہ یا ایسا ہی کوئی تصور اس تخئیل کی بنیاد ٹھہرتا ہے جسکے مکروہ اور ہولناک ہونے مین شک نہین اسلیے صاف ظاہر ہے کہ یہ شعر زیر بحث مین کسی طرح آنے کی صلاحیت نہین رکھتا تھا اور اسکا سبب یہ ہے کہ اس مین ذکر ہے محبت کی دلآویز تمناؤن کا، اس مین بیان ہے عشق کی دل آرا آرزوٗن کا، کہان ان تمناؤن کی دل آرائی، اور کہان زندان کی ہولناکی اور مکروہ صورت، یہان عاشق ہجوم تمنا سے دلتنگ نہین بلکہ محو حیرت ہے ع

اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

حضرت شوق قدوائی کے مصرع سے پتہ چلتا ہے کہ اُنھون نے شاعر کے مفہوم ذہنی کو خوب سمجھا ہے اسلیے کہ اُن کی اصلاح یہ ہے ؎

پھر میرا دل تنگ ہے زندان تمنا
قربان ترے جوش فراوان تمنا

اس مین "قربان ترے" کا ٹکڑا میرے مطلب پر شاہد عادل ہے۔

حد نگاہ ناطق بہر حال یہ تخئیل اس محل پر صرف مکروہ نہین غلط بھی ہے۔ اور یہین سے حد نگاہ ناطق اور **مد نگاہ بیخود** کا فرق آئینہ ہو جاتا ہے، کوئی ان اشعار کو دیکھکر دھوکا نہ کھائے اسلیئے کہ وہان شاعر نے اس طرح کہا ہے کہ اُسپر کوئی ایراد وارد نہین ہوتا ؎

(غالب) گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا
گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

(غالب) شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
اسقدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا

پہلے شعر مین جہان وسعت وکثرت شوق دکھائی وہان دل کو زندان نہین کہا دوسرے شعر مین جہان دل کو زندان کہا وہان ہجوم شوق وتمنا کا ذکر نہین کیا، اور یہی وہ نازک امتیازات ہین جو نظر بازون کے لیے مخصوص کردیے گئے ہین۔

اب حضرت ناطق کی نکتہ نوازیون کا جائزہ لینا چاہیئے۔

آپ فرماتے ہین کہ تخیل بدل گئی۔ اسکا مفصل جواب ابھی ابھی دیا جاچکا ہی آگے بڑھکر ارشاد ہوا ہے:۔

"لفظ قطرہ کا اضافہ ہوا ہے، جس سے تنگیٔ دل خوب ثابت ہوئی"

اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے:۔

"دل تنگ، جو ایک ظرف ہے اُسکی تشبیہ طوفان سے غیر مناسب ہے"

کوئی اس اللہ کے بندے سے پوچھے کہ دل جب قطرہ کہا گیا، اور تنگیٔ دل خوب ثابت ہوئی تو دل تنگ ظرف رہا یا نہ رہا۔ خود حضرت ناطق کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ظرف رہا جبھی تو تنگی ثابت ہوئی اسلیے کہ تنگی وفراخی لوازم ظرف سے ہین، پھر اگر اسی قطرہ کو طوفان کہا تو جس طرح قطرہ کہنے سے تنگیٔ دل خوب ثابت ہوئی تھی اوسی طرح طوفان کہنے سے جوش تمنا بھی خوب ثابت ہوا، اگر دل کو باعتبار تنگی قطرہ کہنا روا تھا تو باعتبار جوش طوفان کہنے مین کونسی قباحت لازم آتی ہے، اس کی صحت مین قدح کرنا مذاق سلیم سے بیگانگی ظاہر کرنا ہے، اسلیے کہ آب یا خاک بجوش آمدہ کا ایک نام طوفان بھی ہے، اور قطرہ کو طوفان کہنا عام ہے۔ مرزا غالب فرماتے ہین

دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا

میری اصلاح: اک قطرہ میں یہ جوش فراوان تمنا
یارب ہے دل تنگ کہ طوفان تمنا

اصل شعر: اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
اللہ رے یہ جوشش فراوان تمنا

اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ میں اپنی اصلاح کے وجوہ بلاغت بھی بیان دون۔

وجوہ بلاغت:۔ دل کو باعتبار تنگی قطرہ، اور باعتبار جوش فراوان طوفان تمنا کہا، مصنف نے "اللہ رے" یہ کہکر مفہوم استعجاب پیدا کیا تھا، اس سے کہیں زیادہ صرف "یہ" کو جوش فراوان سے پہلے رکھکر پیدا کر دیا دل کو تنگ کہکر لفظون میں تنگی دل کی تصویر کھینچ دی، جس نے محاکات کے اثر کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا، پھر دوسرے مصرع میں یارب کہا، اور اسکے بعد یہ تکرار کہا ہے" ہے دل تنگ کہ طوفان تمنا" جس سے کچھ سمجھ میں نہ آنے کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے قطرہ کا جوش فراوان ظاہر کرنے کے لیے طوفان سے بہتر کیا برابر کا بھی کوئی لفظ نہیں ملتا، پھر جب دل خود ہی طوفان تمنا ہو گیا تو جب تک بھی اسکا (دل کا) وجود تسلیم کیا جائے، جوش فراوان میں کمی متصور نہیں۔

یہان یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مصنف نے جوش کے معنی ہجوم لیے اور بیخودی نے جوش مارنا، اسکا جواب یہ ہے کہ جب مصنف کی تخئیل مکروہ اور غلط ٹھہری

اور پہلا مصرع بیکار ہوگیا، تو اب صرف دوسرا مصرع رہ گیا۔ لفظ جوش کے دو معنون مین سے کوئی ایک معنی مد نظر رکھکر مصرع لگا دیا، جوش فراوان مصنف دکھانا چاہتا تھا دکھا دیا۔ شاید یہ کہا جائے کہ حضرت ناطق نے بھی تو تخیئل ہی بدل دی، اُسپر اعتراض کیون ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ دو شخصون نے تخیئل بدلی ایک نے بر بنا رتحقیق ایک نے اسکے برعکس حضرت ناطق کی اصلاح کا سبب معنی جوش سے بے خبری، اور میری اصلاح کا باعث تخیئل کی غلطی اور کراہت، ان دو باتون مین مشرق و مغرب کا فرق ہے۔

اصلاح شوق :- نکلا نہ کبھی عشق مین ارمان تمنا
آخر مرا دل ہوگیا زندان تمنا

ارشاد ناطق :" شوق کی صلاحین بھی بیخود کی سی اصلاحین ہین (یعنی وہ بھی تخیئل بدل دیتے ہین)

التماس بیخود :- حضرت ناطق نے فرمایا ہے کہ حضرت شوق بھی اپنی طرف سے ایک شعر کہہ دیتے ہین اصلاح نہین فرماتے، اس مطلع کے متعلق حضرت شوق نے توجیہہ اصلاح کے موقع پر ارشاد فرمایا ہے :-

در حقیقت جوش فراوان کے لیے لازم نہین ہے کہ وہ دل تنگ کو زندان بنا دے۔ یہی راز اسکا ہے کہ دونون مصرعون مین تعلق و ربط نہین معلوم ہوتا" بصر جنوری صفحہ ۲۹ کالم ۱ سطر ۱۳ تا ۱۶

اس توجیہہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شوق بھی جناب ناطق کی طرح بلاغہی مین گرفتار اور کوتاہی نظر کے آزار مین مبتلا ہین، جب مصنف کی تخیئل جوش کے

دوسرے معنی (ہجوم) یاد نہونے کے سبب سمجھ مین نہ آئی تو زندان کو عمود قرار دیکر ایک نسخہ لکھ دیا اور اب شعر بالکل سادہ رہ گیا، اللہ بس باقی ہوس۔

لیکن حضرتِ شوق نے شعر کو بامعنی رکھا اور حضرت ناطق نے اس کی بھی پروانہ کی، رہی تخئیل مصنف اُسے جناب شوق نے بھی بدل دیا اور جناب نقاد نے بھی۔

معر جدید
سنہ [illegible]
صفحہ ۳۹
کالم ۲
سطر ۲۵
صفحہ ۳۹
کالم ۱
سطر ۳ تا ۱۲

ارشاد ناطق:- "اب اس شعر کے متعلق دو باتین اور ہین،

(۱) بہترین و بدترین صلاحین کون کون سی ہین۔

(۲) صلاح دینے والون نے توجیہین کیسی اور کیا لکھی ہین۔"

توجیہات صلاحی

باقی :- "جوش فراوان تمنا کے سبب سے دل تنگ کا زندان تمنا ہوجانا سمجھ مین نہ آیا، تمنا کا دل تنگ سے نہ نکلنا ہی اُسکے زندان تمنا ہونے کے لیے کافی ہے۔"

ارشاد ناطق:- اس عبارت کے پہلے فقرہ سے مجھے ذرہ برابر اختلاف نہین ہے مگر دوسرا جملہ یہ ہے کہ تمنا کا دل سے نہ نکلنا ہی دل تنگ کے زندان ہونے کیلیے کافی ہے، بقول جناب باقی ایک یہ کلیہ ٹھہرتا ہے کہ اگر کوئی کہین سے نہ نکلے تو وہ اُسکے لیے زندان ہوگا، مگر میرا خیال مثالین ڈھونڈھتا ہوا دونون عالم سے واپس ہو کر یہ کہتا ہے کہ مثلاً حضرت الیاسؑ جنت سے اور کاظم حسین محشر لکھنوی سے کسی طرح نہ نکلے، مگر زندانی کہلائینگے

مستحق نہ ہوے۔"

التماس بیخود:۔ حضرت باقی کے پہلے فقرہ سے مجھے ذرہ برابر اتفاق نہین، اگرچہ جناب ناطق کو اُس سے ذرہ برابر اختلاف نہین، حقیقت یہ ہے کہ حضرت باقی کو بھی جوش کے معنی ہجوم معلوم نہین ہین۔ اب رہا دوسرا جملہ اُسکے لیے نہ عالم علوی کی طرف جایئے نہ عالم سفلی کی طرف آیئے صرف یہ چاہیے کہ اِسے جس طرح اُنھون نے لکھا ہے اُسی طرح رہنے دیجیے کسی کی عبارت مین تحریف کرنا اخلاقی جرم ہے۔

حضرت باقی تحریر فرماتے ہین:۔

مبصر جنوری
صفحہ ۳۹
کالم - ۱
سطر - ۴

"تمنا کا دل تنگ سے نہ نکلنا ہی اُسکے زندان تمنا ہونے کیلیے کافی ہے، جب تک دل کے ساتھ لفظ "تنگ" موجود ہے اُنکا مفہوم قابل اعتراض نہین ہو سکتا، اسکے سوا جب کوئی کسی گھر سے کبھی نہ نکلے تو اُس گھر کو اُسکے لیے زندان تو زندان بر کہدینا بھی غلط نہین۔"

مبصر جنوری
سنہ ۱۹ء
صفحہ ۳۹
کالم - ۱
سطر ۱۲ تا ۱۶

توجیہہ شوق:۔ "دونون مصرعون مین ربط مطلق نہ تھا درحقیقت۔ جوش فراوان کیلیے لازم نہین ہے کہ وہ دل تنگ کو زندان بنادے۔ یہی راز اِسکا ہے کہ دونون مصرعون مین تعلق و ربط نہین معلوم ہوتا۔"

التماس بیخود:۔ یہ بزرگ بھی حضرت باقی و ناطق کی طرح جوش کے دوسرے معنون سے بیخبر ہین۔

مہر نیمروز
صفحہ ۲۹
کالم - ۱
سطر ۱۱ تا
۲۵
کالم - ۲
سطر - ۱

توجیہ ناطق :۔ جوشش کا مقتضا وسعت ہے نہ کہ تنگی۔

ارشاد ناطق :۔ توجیہ اصلاح کے ضوابط یہ ہو سکتے ہیں کہ یا تو وجوہ اصلاح ظاہر ہی نہ کرے، خواہ شعر پر اصلاح دے یا کاٹ دے، اور اگر توجیہات ظاہر کرے تو جسقدر عیوب شعر میں ہوں سب بتا دے پھر اگر اصلاح میں وہ سب عیوب نکل سکیں فبہا، ورنہ یہ کہدے کہ بقیہ عیوب جو اصلاح میں رہ گئے ہیں ان کا نکالنا ضروری نہیں ہے یا نکل نہیں سکتے۔

ناطق کے اس نوٹ سے شبہ ہوتا ہے کہ شعر میں اسکے علاوہ اور کوئی عیب ہی نہ تھا کہ جوشش کا مقتضا وسعت ہے نہ کہ تنگی، حالانکہ شعر میں کئی عیب ہیں، سب سے بڑی وجہیں اس کی دو ہو سکتی ہیں، یا تو بے پروائی وکاہلی، یا یہ کہ قابلیت ہی نہیں کہ جملہ اقسام سمجھ سکیں، واللہ اعلم۔"

الماکس بیخود :۔ اس فاضلانہ اور مفتیانہ تحریر کا جواب دیا جا چکا، توجیہ کے ضوابط سے اتفاق و اختلاف مفت کا دردسر ہے، ممکن ہے کہ اصلاح دیتے وقت کاہلی و بے پروائی کی ہو، مگر تبصرہ کرتے وقت تو ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے مگر مآل ایک ہی ٹھہرا، رہا قابلیت کا راز اُسے بھی آپ کی حق کوشی اور حقیقت نگاری نے طشت از بام کر دیا۔

مہر نیمروز
۶ - ۲۹
صفحہ ۲۹
کالم - ۲
سطر ۲ - ۳

توجیہ نوح :۔ دل تنگ سے کوئی خوبی نہ پیدا ہوئی۔

ارشاد ناطق :۔ "ایسا ہی اجمال اس نوٹ میں بھی ہے"

التماس بیخود :۔ دل تنگ سے جو خوبی پیدا ہوئی ہے وہ اپنے محل پر ظاہر کی جا چکی۔

توجیہ نیاز :۔ "مصرعۂ اول مین فراوانی تمنا کا کوئی ثبوت نہین ہے۔ اگر دل تنگ زندان ہوگیا تو اس سے جوش فراوان کیونکر ثابت ہوا" مبصر جنوری صفحہ ۳۹ کالم ۲ سطر ۳ تا ۲۵

ارشاد ناطق :۔ حضرت نیاز کی اس عبارت سے دو نتیجے نکلتے ہین، یا تو سمجھنے مین اُن کو غلط فہمی ہوئی (آب حیات کا پانی) یا اپنے مافی الضمیر کو ضروری الفاظ مین ادا نہ کر سکے، اُن کے پہلے فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عاشق سے فراوانی تمنا کا ثبوت مانگتے ہین گویا ایک عجیب بات ہے، دوسرا فقرہ پڑھ لینے کے بعد یہ راز کھلتا ہے کہ اُنھون نے فراوانی تمنا کو دعویٰ اور دل تنگ کے زندان ہونے کو اُس کا ثبوت سمجھا ہے، میرا خیال ہے کہ اُن کے ذہن مین اسکے متعلق جو مضمون پیدا ہوا کاغذ پر براہ راست منطبع ہوگیا، کیونکہ جس کو اُنھون نے علت لکھا ہے وہ فی الحقیقت معلول ہے، اور وہ معلول علت ہے، جوش فراوان تمنا اگر دعویٰ ہوتا، تو ثبوت کا محتاج نہ تھا، کیونکہ تمناؤن کی فراوانی اور اُن کے لوازم کا عاشق کے دل مین موجود ہونا بدیہی ہے، البتہ دل تنگ کا زندان ہونا دعویٰ ہے، اور اُس کی دلیل جوش فراوان تمنا،

گر چونکہ جوشش فراوان تمنا کے لیے یہ لازم نہین کہ وہ دل تنگ کو زندان بنا دے۔ اسلئے سب نے اصلاح دی، اور خود جناب نیاز نے بھی جس کی مین تعریف کر چکا۔

التماس بیخود:۔ حضرت نیاز کی عبارت کے متعلق جناب نقاد کی رائے غلط نہین ہے۔ ذرا کی پلیٹ والی تمثیل خوبصورت ہے خدا کرے کہ اُنھین کی نکتہ آفرینیون کا نتیجہ ہو۔

ارشاد ناطق:۔ اب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اصلاحین کسکی کیسی ہین۔

مہنو جنوری
صفحہ ۲۹
کالم ۲
سطر ۲۵
صفحہ ۳۰
کالم ۱
سطر ۲

جناب فضل کی اصلاح میری ذاتی رائے مین نہایت کمزور ہے، کیونکہ اول تو اصلاح کے اصول سے اصلاح نہین دی، بلکہ خود اپنی طرف سے ایک شعر کہ دیا ہے۔

اصلاح فضل:۔ تو جب سے ہوا قابل احسان تمنا
کرتا ہے ہر اک خلق مین ارمان تمنا

ارشاد ناطق:۔ معشوق پر تمنا کا احسان ہونا، اس مین بجائے عیب اگر کوئی خوبی ہے تو اُسکے لطف سے مین محروم ہون۔

التماس بیخود:۔ حضرت نقاد کی یہ رائے ٹھیک ہے۔

ارشاد ناطق:۔ جناب نظم نے دو طرح اصلاح دی ہے، ایک کا تذکرہ اور اعتراضات مین کر چکا ہون، دوسری اصلاح مین اُنھون نے مصرع اولی کو دیگر اپنا مصرع چسپان کیا ہے۔

بموجبی
سنہ ۲۹ء
صفو ۴۰
کالم - ۱
سطر ۳ تا
۱۲
صفو ۴۰
کالم - ۲

اصلاح نظم — ہے سیل عرم دست بداماں تمنّا
اللہ رے یہ جوش فراواں تمنّا

سیل عرم کا قصّہ پارینہ " ومن یقینت " کی مفصل تفسیرون مین پڑھنے کے بعد قوم عاد کی خوشحالی، اور اُن کے رشک جنّت باغون کی بہار، اور کوہ ابلق کی وادی مین آبشار کے ذخیرہ کا بند باندھنا، جس کو مآرب کہتے ہین، کیونکہ مآرب سلاطین عاد کا دارالسلطنت تھا اور وہین یہ بند باندھا گیا تھا، پھر اُن کا خدا سے منحرف ہونا، اور بند کا ٹوٹجانا اور سیلاب سے سبکا غرق و فنا ہوجانا، یہ سب تو معلوم ہوگیا، مگر شعر کا مطلب معلوم نہوا۔ " ہے سیل عرم دست بداماں تمنّا "

بہترین اصلاحین اوپر گزرین جن کی مین تعریف کرچکا ہون اور یہ سب میری ذاتی رائین ہین "

بیخود :- اللہ اکبر اِس حسن پر یہ بے نیازیان، اس تجمہر پر خود نمائی کا اتنا شوق، خود فروشی کا یہ سودا، حضرت ناطق نے ومن یقینت کی مفصل تفسیرون کا ذکر دنیا کے مرعوب کرنے کیلیے فرمایا تھا، مگر یہ قلعی تیزاب نکلی اور تبحر کا ملع اُڑگیا، وہ یون کہ نہ جناب طباطبائی یہ مصرع لگاتے نہ اِس وسیع النظر نقاد کو سیل عرم کا قصہ معلوم ہوتا، مگر مجکو نہایت افسوس ہے کہ اتنی دردسری پر بھی اُن کو شعر کا مطلب نہ معلوم ہوا، جہان اتنی زحمت اُٹھائی تھی لگے ہاتھون بہار عجم پر نظر کرلی ہوتی، تو معلوم ہوجاتا کہ " دست بداماں " مرید کو کہتے ہین، اور شعر پانی ہوجاتا، یعنی تمناؤن کا سیلاب اللہ اکبر سیل عرم بھی اُسکے سامنے پانی بھرتی ہے۔ (نہ مجھے یہان سیل کو

مذکر لکھتے اچھا معلوم ہوتا ہے) اور اگر یہ سمجھنا تھا کہ شاعر نے سیل عرم کا ذکر کیا کیون، تو ذرا سے غور مین سمجھ لیتے کہ جس طرح سیل عرم نے قوم عاد کو غرق و فنا کر دیا، اُسی طرح سیل تمنائے عشق نے رذائل نفسانی اور ہوا و ہوس انسانی، بلکہ دنیائے فانی کو دل عاشق سے محو و فنا کر دیا۔

جناب ناطق نے سیل عرم کے ساتھ "قصہ پارینہ" لکھکر یہ دکھانا چاہا ہے کہ جہان جناب طباطبائی کا مصرع بے معنی ہے، وہین سیل عرم کے ذکر سے غرابت کا عیب بھی اس مین پیدا ہوگیا ہے،

میرے نزدیک جناب نظم نے اس تلمیح کو نظم کر کے زبان اردو پر احسان کیا ہے، اور ہماری زبان مین ایک نہایت مہتم بالشان لفظ کا اضافہ فرمایا ہے، اور مصرع ایسا شاندار لگا دیا ہے جو اُن کے مرتبہ کے شایان ہے اور یہی سبب ہے کہ یہ شعر حضرت ناطق کے بس کا نہین رہا۔

ایک مقلد مجتہد کے لباس مین

حقیقت یہ ہے کہ جناب نقاد یہان مقلد مجتہد نما نظر آتے ہین، جناب باقی وشوق (قدوائی) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اس شعر مین جوش فراوان دل کے زندان بنا دینے کی علت ہے، یہ سمجھ مین نہین آتی جناب ناطق نے اسی بنا پر سر بفلک کشیدہ عمارت بنا دی، اور بنار فاسد علی الفاسد کا خیال نہ فرمایا۔

(بصر فروری سنہ ۲۹ء صفحہ ۹ کالم ا سطر ۱-۶)

شعر دوم:۔

کیا ڈالیں کسی آرزوئے تازہ کی بنیاد
نظروں میں ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

ارشادِ ناطق:۔

دل میں کسی نئی آرزو کے جگہ دینے مین یہ امر مانع ہے کہ بہت سی تمنائین خاک مین مل چکی ہین اور اُن کی بربادی کا منظر آنکھون مین پھرا کرتا ہے۔ مصرع ثانی ایک دوسرا پہلو بھی رکھتا ہے وہ یہ کہ جو آرزوئین موجود ہین اُن ہی کی بربادی کا سامان نظر آرہا ہے، اب کسی نئی آرزو کے اضافہ کرنے کا کیا موقع ہے دونون معنی مفید مطلب ہین۔

التماس بیخود (۱) جناب نقاد کا یہ ارشاد فطرت انسانی اور سنت عاشقی دونوں کے خلاف ہے اسلئے کہ یہ کہنا کہ بہت سی تمنائین خاک میں مل چکی ہین اور اُن کی بربادی کا منظر آنکھون مین پھرا کرتا ہے۔ اس لئے دوسری آرزو نہ کرنی چاہیئے بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ بربادی ایوان تمنا کا واقعہ ابھی تازہ تازہ ہے اس لئے داغ تازہ اور زخم گہرا ہے یہی وجہ ہے کہ نئی تمنا کرنے کو دل نہیں اُٹھتا اور صرف یہی ایک صورت ایسی ہے جسمین مصنف کی تخئیل صحیح قرار پاتی ہے

(۲) مصرع ثانی کوئی دوسرا پہلو نہین رکھتا، اس لئے کہ شعر دو مصرعون کا ہوتا ہے۔ دونوں مصرعون پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نقاد کی موشگافیان نقش برآب ہین۔ کیونکہ جب اُن کی اس عبارت سے مصرع ثانی ایک دوسرا پہلو بھی رکھتا ہے وہ یہ کہ جو آرزوئیں موجود ہین اُنھی کی بربادی کا سامان نظر آرہا ہے

اب کسی نئی آرزو کے اضافہ کرنے کا کیا موقع ہے' صفحہ ۱ سطر ۹ - ۱۱ کی یہ عبارت
ملا دی جاتی ہے یعنی یہ کہ بربادی ابھی ہوئی نہین ہے اب ہوئی اور اب ہوئی
تو اُنکا باندھا ہوا طلسم تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ جب تمنا کی صبح و شام
ہو رہی ہے بلکہ یہ حالت ہے کہ اب ہوئی اور اب ہوئی تو ایسی حالت مین فطرت انسانی
بھی تمنا آفرینی نہین کر سکتی جسکا چنچل ہونا مشہور خاص و عام ہے چہ جائیکہ عاشق
یہ سوچنے بیٹھے کہ نئی تمنا کرون یا نہ کرون اور پھر یہ فیصلہ بھی کر سکے کہ
ایک تمنا کی تھی اُسکا حشر یہ ہوا اب ایسا نہ کرنا چاہیئے اللہ اکبر انسانی فطرت اور
انسانی احساسات سے اتنی بیگانگی ایک صورت اِس مفہوم کے خلاف واقع ہونیکی یہ ہی
دوسری مصیبت فن ادب کی ڈالی ہوئی ہے جسکی صورت یہ ہے :-

نکتہ - اہل خبر جانتے ہین کہ ادائے مطلب کے لئے تلازمہ ضروری نہین ہے
مگر جب شاعر یا نثار نے اُسے اپنے اوپر لازم کر لیا تو حد واجب تک نکا نباہ واجب ہے
مصنف نے شعر مابہ البحث مین تمنا کو ایوان سے تشبیہ دی ہے اور کہتا ہے
کہ نظرون مین ہے بربادی ایوان تمنا، اور جناب ناطق اسکا دوسرا پہلو یون
دکھاتے ہین کہ ایوان تمنا کی بربادی ابھی ہوئی نہین ہے، نظرون مین ہے
اب ہوئی اور اب ہوئی' تو مین یہ عرض کرنا چاہتا ہون کہ جس کو یہ نظر آرہا ہو کہ
اُسکے بنائے ہوئے ایوان (جھونپڑی نہین) کی دیوار گرا چاہتی ہے چھت آرہنے کو
ہے، سارا محل اڑا اڑا کر بیٹھ جانے کو ہے، کیا وہ ایسے ہولناک اور آفت خیز
وقت مین دوسرا مکان بنانے نہ بنانے کے متعلق غور کرنے اور کوئی فیصلہ کر لینے کی
فرصت پا سکتا ہے اِسلئے کہ اُسے اپنے وابستگان دامن کے دب کر مر جانے کا خوف

الگ گھر کے ساز وسامان کے خاک مین مل جانے کا خطرہ جدا خود اپنے بنائے ہوئے مکان کے ڈھہ پڑنے کا صدمہ ایک طرف ۔ ایسی صورت مین اُسے پریشانی کچھ سوچنے کی اجازت دینے سے رہی شاید اسپر یہ کہا جائے کہ ایوان کہہ دینے سے تمنا کوئی بیچ پچ کا محل تو ہو نہین گئی تو مین کہونگا کہ پھر اس تشبیہ اور تلازمہ کا کیا ہوا اسکے علاوہ جس طرح مکان ہکے ڈھہ جانے سے مذکورہ بالا نقصانات یقینی ہین ۔ اسی طرح بربادئی تمنا سے بھی دلشکستگی کا پیدا ہونا افسردگی کا چھا جانا کبھی کبھی جان کا نہ رہنا وغیرہ سب سمجھ مین آنے کی باتین ہین، غالباً حضرت ناطق کو سنہ ۱۹۱۵ء کی طوفان خیز بارش یاد نہین جسمین آسمان سے باتین کرنے والی عمارتین خاک ہو کر رہ گئین پھنسے تو اُسوقت، لوگون کو ایسا پریشان دیکھا کہ طوفان نوح اور سیل عرم کی پیدا کی ہوئی ہیبت کا تصور ہونے لگا ۔

اب یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ شعر زیر بحث مین آپکے بتائے ہوئے دوسرے پہلو کی گنجائش نہین ۔

معزوری ۲۹ ۶ ... نمبر ۹ کالم ا ... سطر ۲۰۰ ... کالم ۲ سطر ا-۲

ارشاد حضرت ناطق :-

تمنا کی تشبیہ ایوان سے دی گئی ہے اور یہی انتظام مصرع اولی مین بھی رکھا گیا ہے اسی سلسلۂ بیان سے شعر مین محاکات پیدا ہو گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر چند تخیل معمولی ہے مگر شعر اچھا معلوم ہوتا ہے اور سامع کے دل مین ایک کیفیت پیدا کرتا ہے تشبیہ و استعارہ کی مناسبت محاکات و تاثیر پیدا کرنے مین ایک خاص چیز ہے ۔ اہل فن ان اصول کو خوب سمجھتے ہین ایک چیز مین کئی صفات

ہوتے ہین ہر صفت کو وجہ شبہ بنا کر اس چیز سے تشبیہ دے سکتے ہین، جو اس صفت مین مشترک ہو اور جس مشبہ بہ مین مشبہ کے زیادہ اوصاف موجود ہین اسکو تشبیہ کامل کہتے ہین، تمام اہل معانی وبیان اس مسئلہ کو جانتے ہین مگر اس راز کو صرف شاعر ہی جانتا ہے کہ بعض موقع پر ادنی سے ادنی وجہ شبہ تشبیہ کامل سے بہتر ہوتی ہے اور بمقابلہ تشبیہ کامل تشبیہ ناقص تاثیر و کیفیت اور بلاغت و فصاحت پیدا کر دیتی ہے عشق ومحبت کی تشبیہ کامل اگر ہوسکتی ہے تو شراب سے کیونکہ حرارت، مستی۔ کیف اور اکثر اوصاف شراب و عشق مین مشترک ہین مگر ایک شاعر نے محبت کو چشمہ سے تشبیہ دی ہے جو کہ ناقص ہے، مگر دیکھئے شعر کس مرتبہ کا ہو گیا

یا رب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازو یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

شوق کے اس شعر مین اسی قسم کا استعارہ (ایوان تمنا) ہے

التماس بیجود۔ یہی انتظام مصرع اولی مین رکھا گیا ہے، کیا انتظام کی جگہ التزام محاورے کا لفظ نہ تھا۔

۲۔ اس سلسلہ بیان سے شعر مین محاکات پیدا ہو گئی، یہ سلسلہ بیان سے کہنے کا محل ہے یا التزام سے کہنے کا موقع، بلکہ اگر اسکے مقام پر صرف، جس سے کہدیا جاتا تو مطلب ادا ہو جاتا یہ مین جانتا ہون کہ انتظام اور سلسلہ الفاظ متناسبہ ہین۔ مگر اصطلاحات مقررہ کے ترک کا فتویٰ خدا جانے کہان سے حاصل کیا گیا ہے۔

۳۔ محاکات پیدا ہو گئی ہے، یہ بیان عوام کی سمجھ مین آنے سے رہا، اتنا

اور کہنا چاہیئے تھا کہ اس التزام سے مضمون کی تصویر آنکھوں کے سامنے آگئی اور بیان واقعہ عین واقعہ بنگیا جس کی بدولت انسانی حاسے لطف اٹھانے لگے۔

۴ ۔ وجہ شبہ بناکر فصیح ہے یا وجہ شبہہ قرار دیکر

۵ ۔ اس راز کو صرف شاعر ہی جانتا ہے، یہ بیان خلاف واقع ہے شاعر بھی جانتا ہے اور نثار بھی بلکہ ہر نکتہ سنج و باخبر خواہ شاعر و نثار ہو یا نہو۔

۶ ۔ یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازو ۔ یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

اسمین تشبیہ ناقص کی معجزہ آرائی سمجھنا قصور فہم ہے، حقیقت یہ ہے کہ یکقطرہ آب خوردم و دریا گریستم ۔ (ایک قطرہ پیا اور آنسوؤں کا دریا بہادیا) اس مفہوم کی ندرت نے شعر کو اس مرتبہ پر پہونچا دیا جس سے استعجاب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

ارشاد ناطق :۔

مصرع ثانی مین کسی عیب کو جگہ نہین ملی مگر جاے استاد خالی، شاید کسی نے بہتر اصلاح دی ہو (آئندہ معلوم ہوجاے گا) مصرع اولی مین کیا ڈالین، کردہ معلوم ہوتا ہے اسکو بہت سے شعرا نے اصلاح سے مستغنی سمجھا ہے، بالفرض اگر کیا ڈالین، کا نافرمان بھی لیا جاے تو غلطی کی حد تک نہیں پہونچتا، یہی وجہ ہے کہ ۱۳ شاعرون نے کوئی اصلاح نہین دی، یکتا، اطہر۔ افضل۔ بیباک۔ صفی۔ عزیز۔ وحشت۔ بیخود دہلوی جلیل۔ شہرت۔ مومن۔ نوح۔ مگر اکثر شعرا اصلاح دیکر ترقی دینا چاہتے ہین اسلئے پندرہ شاعرون نے اصلاح دی ہے۔

چار شعرا نے دونون مصرعے بنائے ہین۔ بیخود موہانی۔ شوق قدوائی

مبصر فروری ۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۲ سطر (۸-۲۱)

شفق عماد پوری اور نیاز فتحپوری

اصل شعر: کیا ٹالیں کسی آرزوِ تازہ کی بنیاد — نظروں میں ہے بربادیِ ایوانِ تمنا

اصلاح بیخودؔ موہانی:۔

جب پڑنے لگی آرزوِ تازہ کی بنیاد — یاد آگئی بربادیِ ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق:۔

تخیل بدل گئی اور اب یہ مفہوم ہوا کہ جب کسی نئی آرزو کا اضافہ ہونے لگا تو گزشتہ تمناؤں کی بربادی یاد آگئی اس میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ نئی آرزو کا اضافہ ہوا یا نہیں مگر اصل شعر میں یہ واضح ہے کہ آرزوِ تازہ کی بنیاد قائم نہ ہو سکی، اس واقعہ میں اثر زیادہ ہے البتہ اصلاح میں بظاہر خوبی یہ ہے کہ شعر کا مذاق یہ تھا کہ دل میں آرزو ہی نہیں رہی اور یہ عاشق کے لئے تقریباً غیر ممکن ہے گویا اصلاح سے یہ عیب نکل گیا مگر مصرع ثانی کے دوسرے پہلو نے جس کی میں تشریح کر چکا ہوں پہلے ہی سے اس بدمذاقی کی اصلاح کر دی تھی۔ یعنی یہ کہ بربادی تمنا ابھی ہوئی نہیں ہے نظروں میں ہے۔ اب ہوئی اور اب ہوئی، بیخود کی اصلاح میں جب پڑنے لگی بھی اپنے رنگ میں کیا ڈالیں سے کم نہیں ہے، ایک ادبی لفظی تغیر ہوا ہے کہ مصرع اولیٰ کا آخری لفظ بنیاد ہے اور یاد مصرع ثانی کا پہلا لفظ ہے۔

بمعرفوری ۲۹ء صفحہ ۱۰۷ کالم ۱ سطر ۱۱-۱۳

التماس بیخود:۔ خدا جانے حضرت ناطق بھول جاتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں کہ شعر کے دونوں مصرع مکر کوئی مفہوم ادا کرتے ہیں۔ بیشک جناب شوق کا

دوسرا مصرع "نظروں میں ہے بربادی ایوان تمنا" اپنی حد میں بے عیب ہی نہیں بلکہ ڈھلا ہوا مصرع ہے مگر جب تک اسکا پہلا مصرع یہ ہے "کیا ڈالیں کسی آرزو تازہ کی بنیاد" جس کا فطرت کے خلاف ہونا ظاہر ہے اور جسکی طرف خود جناب ناطق نے ان لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے" شعر کا مذاق یہ تھا کہ دل میں آرزو ہی نہیں رہی اور یہ عاشق کے لئے تقریباً غیر ممکن ہے گویا اصلاح سے یہ عیب نکل گیا اگر مصرع ثانی کے دوسرے پہلو نے جسکی تشریح کر چکا ہوں پہلے ہی سے اس بد مذاقی کی اصلاح کردی تھی یعنی یہ کہ بربادی تمنا ابھی ہوئی نہیں ہے نظروں میں ہے اب ہوئی اور اب ہوئی' اسوقت تک اسے ترمیم واصلاح سے بے نیاز سمجھنا غلطی ہے' انسان اور خاصکر عاشق ایک نہیں ہزار ناکامیوں کے بعد پھر کبھی تمنا نہ کرے قطعاً محال ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ تخیل بدل گئی حضرت نقاد نقص تخیل کے دفع ہونے یا تخیل کے پست سے بلند ہوجانے کو بھی تخیل کا بدلنا کہتے ہیں، میں عرض کر چکا اور خود حضرت ناطق بھی توثیق فرما چکے کہ دل عاشق کا تمنا سے خالی رہنا تقریباً غیر ممکن ہے۔ اگرچہ اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس بد مذاقی کی اصلاح خود شاعر نے کردی تھی جسکا غلط ہونا ثابت ہو چکا، اس لئے کہ جب تخیل مکروہ یا غلط ہو تو اسکو صحیح نہ کرنا اپنے فرائض سے چشم پوشی کرنا ہے۔

فرماتے ہیں "اس میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ نئی آرزو کا اضافہ ہوا یا نہیں؟ جب فطرت انسانی یوں ہی واقع ہوئی ہے کہ بے تمنا کئے رہ نہ سکے تو ظاہر ہے کہ جب کبھی ایسا ہوا ہوگا بربادی تمنا ضرور یاد آئی ہوگی فرماتے ہیں کہ

اصل شعر میں یہ واضح ہے کہ آرزوے تازہ کی بنیاد قائم نہ ہوسکی، اِس واقعہ میں اثر زیادہ ہے۔ مجھے اس کے متعلق یہ کہنا ہے۔

جب یہ طے ہوگیا کہ تخیل ہی عقل و فطرت کے خلاف ہے تو اُس کے اثر یا بے اثری سے بحث کرنا مفت کا دردِ سر ہے پھر بھی میں جناب نقاد کی تسکین کیلئے بتا دینا چاہتا ہوں کہ اثر میری اصلاح میں زیادہ ہے۔ اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خوف ناکامی سے تمنا ہی نہ کرنے میں وہ اثر نہیں جو اس میں ہے کہ تمنا بھی بتقاضاے فطرت کی اور گذشتہ تلخ تجربوں کی بنا پر ہمیشہ دل بھی لرزرہا کہ اس تمنا کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے جو اب سے پہلے ہوتا رہا ہے اِس ارشاد میں "البتہ اصلاح میں بظاہر یہ خوبی ہے کہ شعر کا مذاق یہ تھا کہ دل میں آرزو ہی نہیں رہی اور یہ عاشق کے لئے تقریباً غیر ممکن ہے، میرے نزدیک صرف اتنا تغیر ضروری ہے کہ بظاہر کی جگہ "درحقیقت" اور تقریباً کی جگہ "قطعاً" بنا دیا جائے۔

گویا اصلاح سے یہ عیب نکل گیا اس گویا کو دراصل سے بدل دیجئے۔

جب یہ ثابت ہوچکا کہ مصرع ثانی میں کوئی دوسرا پہلو نہیں ہے، تو وہ بد مذاقی جسکا اعتراف خود جناب نقاد کو ہے مٹنے سے رہی یہ کہنا کہ اسکا علاج خود مصنف نے کردیا کوئی معقول بات نہیں جس مرض کا ازالہ نقاد حکیم (ناحق) کے بس کا نہ ہو اُسکا علاج شاگرد بیمار (جس کو اصلاح لینے کی ضرورت ہے) کیا کرسکے گا۔

کیا ڈالیں کسی آرزوِ تازہ کی بنیاد، میں اس مصرع میں ذم کا قائل نہیں اور اگر اسمیں ذم ہے تو زبان کھولنا دشوار ہوجائے گا۔ کیا کیجئے۔ کیا دیجئے، کیا لیجئے

کیا ڈالین۔ کیا نکالین۔ کیا رکھئے۔ کیا تھامئے وغیرہ سبھی مین تو ذم ٹہرے گا۔ حقیقت مین پہلوئے ذم ہونا اور بات ہے اور گندہ خیالی سے ذم پیدا کرنا اور بات ہے۔

ایسے مقامات پر ذم کی بحث کرنے والون مین دو گروہ پیدا ہو گئے ہین ایک تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اب زبان اسقدر لطیف ہو گئی ہے کہ پہلے جن مقامات پر ذم نہین سمجھا جاتا تھا اب وہان بھی سمجھا جانے لگا دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ تہذیب اسقدر اُٹھ گئی اور عامیانہ مذاق اتنا عام ہو گیا کہ موقع بے موقع پہلوے ذم کی طرف خیال جانے لگا۔ میرا خیال یہ ہے کہ علم (خصوصًا علم اخلاق) و تہذیب کی کمی۔ شریف و وضیع کا ایک ہی ساتھ تعلیم پانا (مدرسون مکتبون۔ کالجون اور یونیورسٹیون مین) آزادی بیجا کا بڑھ جانا افعال کا بگڑ جانا وغیرہ وغیرہ اس کے اسباب ہین۔

مین جناب نقاد کی خاطر سے تھوڑی دیر کیلئے یہ مان لینے کو تیار ہون کہ کیا ڈالین اور حبب پڑنے لگی' مین ذم ہے لیکن بکمال ادب اُن سے ایک سوال کرنا چاہتا ہون۔

سوال۔ کیا نقادی کی یہی شان ہوتی ہے کہ حبب پڑنے لگی' اور کیا ڈالین' مین تو آپ کو ذم نظر آتا ہے مگر جناب احسن و جناب آرزو اور خود اپنے یہان نظر نہین آتا۔

ڈالے کوئی کیا آرزوئے تازہ کی بنیاد (احسن ہر دو کا نظر) نہین ہے بربادی ایوانِ تمنا

کیا ڈالین' مین تو 'کیا' کا ایک باریک پردہ بھی تھا یہان ابتدا یہان سے ہوتی ہے 'ڈالے کوئی کیا' خود جناب ناطق صاحب تبصرہ اصلاح سخن کی اصلاح سے

کیا رکھئے کسی آرزو تازہ کی بنیاد   نظروں میں ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

اسے کہنے والے خیانت کہتے ہیں اور میں سہو کہتا ہوں مگر یہ سہو قیامت کا سہو ہے ایک اور لفظی تغیر ہوا ہے کہ مصرع اولیٰ کا آخری لفظ بنیاد ہے اور یاد مصرعِ ثانی کا پہلا لفظ ہے، مجھے اس ارشاد کے متعلق صرف یہ کہنا ہے کہ یہاں جناب نقاد کو یہ بتانا تھا کہ بنیاد اور یاد سے صنعت مرفو پیدا ہو گئی اس کے برخلاف اُسے اسطرح لکھا ہے کہ گویا یہ بھی کوئی عیب ہے۔

اصلاحِ شفق

ہونے لگا جب خانۂ دل ہجر میں ویران
یاد آگئی بربادیٔ ایوانِ تمنا

بصر فروری ۲۹ سنہ ء صفحہ اکالم اسطر (۱۴-۱۹)

ارشاد ناطق:۔ تخئیل کا بدلنا تو خیر۔ عجیب وغریب تغیر یہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ خانۂ دل کا تعلق ایوانِ تمنا سے صرف ہمسائگی کا ہے کہ جب یہ ویران ہونے لگا تو وہ بھی یاد آگیا۔ پرانی تھیوری یہ تھی کہ خانۂ دل اور ایوانِ تمنا ایک ہی مکان کے دو نام ہیں۔

التماس بیخود۔ مجھے حضرتِ ناطق سے اس امر میں اتفاق ہے کہ تخئیل بدل گئی لیکن جسے وہ عجیب وغریب تغیر فرماتے ہیں وہ مجھے عجیب وغریب نہیں معلوم ہوتا جب ہجر میں خانۂ دل ویران ہونے لگا تو مجھے ایوانِ تمنا کی بربادی یاد آگئی جناب نقاد نے لفظ ایوان' پر اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی ہے ورنہ یہ لفظ شہ نشین۔ کوشک دالان۔ قصر۔ کے معنوں پر آتا ہے جب یوں ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خانۂ دل کا تعلق ایوانِ تمنا سے صرف ہمسائگی کا ہے کہ جب یہ ویران ہونے لگا تو وہ بھی یاد آگیا اسلئے کہ جب سارا گھر خاک میں ملنے لگا تو یاد آیا کہ ایوانِ تمنا کی بربادی ———

ویرانیٔ خانۂ دل کی ابتدا ہوئی تھی اور ہم جبھی سمجھ گئے تھے کہ یہ گھر اُجڑے بغیر رہتا نہین ۔
لیکن واقعہ یہ ہے کہ اصلاح نے شعر مصنف کو پست کر دیا۔

یہ قول اس تعمیم کے ساتھ صحیح نہین کہ پرانی تھیوری یہ تھی کہ خانۂ دل اور
ایوانِ تمنا ایک ہی مکان کے دو نام ہین اسلئے کہ قرینہ مقام خود ہی فیصلہ کر دیتا ہے
کہ یہ ایک ہی مکان کے نام ہین یا دو مکانون کے ، جب ایوانِ تمنا مین تشبیہی اضافت
مان لیگئی جسکے معنی یہ ہین تمنا بچو ایوان' اس حالت مین تمنا خود ایوان ٹہری اور
دل وہ سرزمین ٹہرا جس مین یہ گھر بنا ہے جیسا کہ جناب ریاض نے فرمایا ہے ؎

ویرانہ دل مین کوئی گھر خاک بنائے   نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

اور دل خود بھی ایوان تمنا، کہا جا سکتا ہے جسکے معنی یہ ہوئے کہ دل ایک گھر ہے جسمین
تمنائین رہتی ہین ۔ نقادِ بے بدل کے منھ پر تھیوری کا لفظ نہین کھپتا اُردو مین مسلک
مشرب ۔ خیال ۔ قول اور نہین معلوم کتنے الفاظ یہی مفہوم ادا کرنیکے لئے موجود ہین ۔

اصلاح شوق

زلفون کو نہ وہ میری نگاہون سے چھپاتے
سنتے جو کبھی حالِ پریشانِ تمنا ،

ارشاد ناطق :- اب تو یہ ظاہر کرنیکی ضرورت ہی نہین کہ تخیل بدلگئی
بلکہ اب یہ کہنا چاہیئے کہ ایک انقلاب عظیم و افسوسناک ہو قافیہ تک
بدلگیا اور مفہوم یہ رہا کہ زلفون کو چھپا دیا لیکن اگر تمنا کا حال پریشان
سنتے تو نہ چھپاتے ۔

مبصر فروری ۲۹ء
صفحہ ۱۰ کالم ۱
سطر (۱۹-۲۰)

التماس بیخود ۔ نہ اسے انقلاب کیلئے نہ قافیہ کے بدلجانے کا ماتم کیجئے یہ شعر
حضرت شوق (قدوائی) نے اپنی طرف سے کہدیا ہے اور اصل شعر کو قلم زد فرما دیا ہے

اسے اصلاح سے کوئی سروکار نہین۔

اصلاح نیاز

کیا آرزو تازہ ہو پیدا کہ نظر مین
اب تک ہے وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا

(مبصر فروری ۲۹ء صفحہ ۱۰ کالم ۲ سطر ۱-۸)

ارشاد ناطق :- کیا ڈالین' مین جو ذم تھا وہ بھی نہ رہا اور شعر بے عیب ہوگیا مگر اسلوب نظم سے اور لفظ بنیاد کے نکلجانے سے کیفیت شعری اور بیساختگی مین ایک نازک فرق ہوگیا اور لفظ وہ (آیمن اضافت فارسی ہے یا نہین اور ہے تو غلط ہے یا صحیح بجوو) کے اضافے سے مصرع ثانی کا ایک پہلو روشن مگر دوسرا بالکل تاریک ہوگیا تاہم (یہان تاہم اپنے محل پر استعمال ہوا ہے) گذشتہ اصلاحون سے اور اس اصلاح سے مقابلہ کرنیکے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے وہ قابل اعتراف ہے۔

التماس بجوو - کیا ڈالین' مین اگر ذم تھا تو ضرور نکل گیا مگر شعر ہمہ تن عیب ہوگیا اور اسلوب نظم اور لفظ بنیاد کے نکلجانے سے نہ کیفیت شعری بڑھی نہ بیساختگی اس لئے کہ 'بنیاد ڈالنے' کے ٹکڑے پر ایوانِ تمنا کا تلازمہ قائم تھا، یہ ستون گرا اور چھت زمین پر آرہی، پورا شعر تخئیل شاعر کی محاکات کر رہا تھا وہ بات جاتی رہی میرے اس قول کی تائید جناب نقاد کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

تمنا کی تشبیہ ایوان سے دیگئی ہے اور یہی انتظام مصرع اولیٰ مین بھی رکھا گیا ہے اس سلسلۂ بیان سے شعر مین محاکات پیدا ہو گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر چند تخئیل معمولی ہے مگر شعر اچھا معلوم ہوتا ہے اور سامع کے دل مین ایک کیفیت پیدا کرتا ہے،

مصرع ثانی مین تمنا ایوان بنی ہوئی تھی، مصرع اول مین خالی تمنا رہگئی اور مصنف

کا بنایا ہوا ایوان حضرت نیاز کی بے نیازی نے ڈہا دیا۔ اور یہ وہ عیب بلکہ ایسی غلطی ہے جو مشرب ادب مین گناہ کبیرہ ہے، مصنف کا شعر اس سے کہین زیادہ پُر اثر تھا اور اب صاف نظر آنے لگا حضرت شوق سندیلوی کے اُستاد (حضرت نیاز) نہ شاعر ہین نہ ادیب اور جناب ناطق فرماتے ہین کہ یہ اصلاح گذشتہ اصلاحون سے زیادہ لطیف ہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون ۞

اتنا ضرور ہے کہ حضرت نیاز کی اصلاح کا اتنا حصّہ

کیا آرزو تازہ ہو پیدا کہ نظر مین — ابتک ہے وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا

داد کے قابل ہے اس لئے کہ ابتک وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا نظر مین ہے، کہنے سے اگرچہ بربادی ایوانِ تمنا کا واقعہ بہت پُرانا معلوم ہوتا ہے مگر اس سے اُس گہرے نقش کا پتہ چلتا ہے جو اس بربادی نے صاحب مکان کے دل پر چھوڑا ہے اور عیب تضمین کے ہوتے ہوئے بھی یہ ٹکڑا دلکش ہے۔

ارشاد ناطق :۔ صرف مصرع اولے پر پانچ شعرا نے اصلاح دی ہے — مبصر فروری سنہ ۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۲ سطر (۹-۲)

احسن ۔ آرزو ۔ دل ۔ ریاض ۔ ناطق۔

اصلاح احسن و آرزو

ڈالے کوئی کیا آرزو تازہ کی بنیاد
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

التماس بیخود۔ اصلاح مذکورہ کے متعلق مین اپنی رائے ظاہر کر چکا یہ کہنا اور باقی ہے کہ "کیا ڈالین" سے "ڈالے کوئی کیا" ایک اعتبار سے سبک تر ہے۔ اور ایک حیثیت سے سنگین تر۔

اصلاح ریاض

ویرانہ دل مین کوئی گھر خاک بنائے
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

التماس بیخود جناب ریاض کے متعلق جناب ناطق صامت نظر آتے ہین۔ — مبصر فروری سنہ ۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۲ سطر ۱۴

اب شعر کا مفہوم یہ ہو گیا کہ ویرانۂ دل مین تمنا نے گھر بنایا تھا جو برباد ہو کے رہا، اسلئے معلوم ہوا کہ سرزمین دل کو آبادی راس نہین۔ ویرانہ۔ خاک۔ بربادی۔ ایوان۔ ان الفاظ نے شعر کے لطف واثر کو بڑہا دیا ہے کوئی گھر خاک بنائے، اس ٹکڑے مین محاورہ کے صرف برمحل نے اور زیادہ لطف پیدا کر دیا، لفظ ویرانہ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ صرف ایوانِ تمنا ہی خاک مین نہین مل گیا بلکہ سرزمین دل مین کہین آبادی کا نام ونشان نہین ایک ہُو کا میدان ہے جہان ہر طرف خاک اُڑتی ہے۔

مگر یہ سب کچھ سہی اصلاح شعر شوق نہین۔ بیتِ ریاض ہے۔ تخئیل کچھ سے کچھ ہو گئی۔

اصلاحِ دل

اب کیا کسی اُمید کی بنیاد ہو قائم
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

مہر فروری ۲۹ سنہ ۶ صفحہ ۱۰ کالم ۲ سطر ۱۵

التماس بیخود۔ یہان بھی حضرت ناطق کا ناطقہ سربگریبان ہے۔ یہ اصلاح بڑی نہین اس مین وہ عام غلطی نہین جس سے دامن بچانا بہتیرونکو دشوار ہو گیا۔ یہان اب سے مدت مدید کا گذر جانا ظاہر نہین ہوتا اسلئے ممکن ہے کہ نئی نئی ناکامی کے بعد جب جگر کے زخم آئے ہون عاشق نے ایسا کہا ہو یہ مفہوم اعتراض کی زد سے باہر ہے۔ بنیاد قائم، بربادی، ایوان، اتنے الفاظ متناسب شعر مین جمع ہو گئے ہین ہان لفظ قائم، نے شیرینی زبان کو کسی قدر گھٹا دیا۔

ارشاد ناطق۔

کیا رکھئے کسی آرزو تازہ کی بنیاد
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

التماس بیخود۔ اپنی اصلاح کے باب مین بھی حضرت ناطق سرمہ در گلو ہین اور کیون

صرف اسلئے کہ کیا رکھئے، مین بھی کیا ڈالین، والاذم باقی ہے حقیقت یہ ہے کہ اصلاح نے شو مصنف مین کوئی خوبی نہین پیدا کی تخئیل کی وہ عام غلطی اسمین بھی موجود ہے۔

ارشاد ناطق:۔ دوسرے مصرع پر چار صاحبون نے اصلاح دی ہے جگر۔ سائل۔ محشر۔ نظم طباطبائی۔ (معیار فروری صفحہ ۱۰ کالم ۲ سطر ۱۸، ۱۹، ۲۰) (صفحہ ۱۱ کالم ۱ سطر ۱-۲)

اصلاح جگر

کیا ڈالین کسی آرزوِ تازہ کی بنیاد
برباد کیا ہجر نے ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق:۔ اس تبدیلی کے یہ معنے ہوئے کہ نصف مصرع کا مضمون خارج ہو گیا یعنی نظرون مین ہونا اور لفظ باقی رہ گیا۔ بلاغت کا عذاب و ثواب اصلاح کی گردن پر اور ہجر کے اضافہ سے کوئی معنوی بہتر اضافہ نہین ہوا۔

التماس بیخود۔ یہان حضرت ناطق کی رائے معقول ہے۔

اصلاح سائل۔ مسمار ہوا جاتا ہے ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ اسکا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ نئی آرزو کی وجہ سے ایوانِ تمنا مسمار ہوا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شے کسی ایک اُفتاد سے مسمار نہین ہوتی (شے کا مسمار ہونا بھی حضرت ناطق کی محاورہ آفرینی کا ثبوت ہے بیخود) بلکہ متعدد آفتون سے۔ (معیار فروری صفحہ ۱۱ کالم ۲ سطر ۳-۶)

التماس بیخود۔ مین نہ سمجھون تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے۔ اس اعتراض آفرینی کی داد کون دے سکتا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت سائل کی اصلاح خوب ہے اس مین جو زمانہ قائم کیا گیا ہے وہ افزائشِ معنی و افزونیِ اثر کا کفیل ہے اس لئے کہ کسی مکان کے

بر باد ہو جانیکے بعد اُسکی بربادی کا نظر مین ہونا دل پر اُتنا اثر نہین ڈالتا جتنا خود مکان کو گرتے ہوئے دیکھنا۔ اسلئے کہ وہ گذرے ہوئے واقعہ کی یاد ہے جسکے بعض اجزا ر کا فراموش ہو جانا یقینی ہے اسکے سوا عرصہ تک کسی بات کا دل مین برابر رہنا اُسکے دل گداز اور ہیبت انگیز اثر کو کم کر دیا کرتا ہے اسلئے کہ طبیعت اُسکی خوگر ہو جاتی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا ڈھلا ہوا مصرع ہے، مگر جناب سائل کے یہان لفظ مسمار بھی طبع فصاحت پر گران نہین اسلئے کہ گرد و پیش کے الفاظ بھی ایسے ہی لگر دار ہین مثلاً۔ بنیاد۔ آرزو۔ تازہ۔ ایوانِ تمنا۔

اصلاح نظم۔ ہے یاد وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا

معیار فروری صفحہ ۱۱ کالم ۱ سطر (۷–۱۰)

ارشاد ناطق:۔ مفہوم نہین بدلا لفظ بدل گیا۔ اصل مین یون تھا
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا، اصل مصرع مین محاکات ہے
اور اسی کا اثر ہے، اسلئے اصلاح سے اصل مصرع زیادہ فصیح ہے۔

التماس تجوید۔ جناب ناطق کی رائے یہان غلط نہین صرف لفظ فصیح یہان بے محل صرف ہوا ہے اسلئے کہ اس عبارت کے بعد واقع ہوا ہے، اصل مصرع مین محاکات ہے، اور اسی کا اثر ہے، یہان معنی خیز۔ پر معنی بلیغ لکھنا چاہیئے تھا۔ ہان ہے حرف ربط کے شروع مصرع مین ہونے سے تعقیب پیدا ہو گئی ہے مگر نظم مین عام ہے۔

ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دمِ آخر
شعر سوم ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا

معیار فروری ۲۹ سنہ ۶ صفحہ ۱۱ کالم ۱ سطر (۱۱–۲۵) کالم ۲ سطر (۱–۲۲)

ارشاد ناطق:۔ ہچکی کی قفل سے بہترین تشبیہ ہے تخیل ظاہر ہے
بادی النظر مین ایک عیب ہے کہ ٹوٹا تھا ماضی بعید ہے اور یہ حرف

اشارہ بعید نہیں ہے بلکہ قریب ہے اسمین یہ کا مشارٌ الیہ قفل نہیں ہے
نہ کوئی ایک شے بلکہ ایک واقعہ ہے ایسے موقعون پر واقعہ اگرچہ ماضی بعید
ہو، مگر 'یہ' کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے (واقعہ نہ ہوا سفوف بٹرا
جو 'یہ' کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے) مثالون سے واضح ہو گا۔
یہ کیا تھا؟ یہ کون آیا تھا؟ یہ تو ہم جانتے تھے اسکی نحو کا فلسفہ ہے کہ
اگر اشارہ بعید یعنی 'وہ' ایسے موقع پر استعمال کیا جائے تو کہین مفہوم
بدل جائے گا کہین ایسا معلوم ہوگا کہ اس واقعہ کو بہت زیادہ زمانہ گذر گیا
اور کہین کم سے کم اثر اور زور فقرہ کا جاتا رہے گا ان مثالون کو 'وہ' کے
ساتھ دیکھیئے۔
یہ کیا تھا؟ وہ کیا تھا؟ (مفہوم بدلگیا) یہ کون آیا تھا؟ وہ کون آیا تھا؟
(فقرہ مہمل ہو گیا) یہ ہمارا کام تھا، وہ ہمارا کام تھا (زمانہ زیادہ بعید ہو گیا)
یہ تو ہم جانتے تھے۔ وہ تو ہم جانتے تھے (اثر کم ہو گیا)
ان مثالون سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر ماضی بعید کے جملہ مین بعید لازمی
نہین ہے بلکہ بعض موقعون پر غلط اور خلاف مقصود ہوتا ہے یہ مصرع کہ
ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا، اوہنی اقسام مین سے ہے کہ اشارہ بعید
اگر لایا جائے تو اثر اور زور کم ہو جائے گا۔
عام خیال ہے کہ ہر ماضی بعید کو بُعد ہوتا ہے قربت نہین ہوتی، یہ کلیہ
ادنےٰ امثالون سے درہم و برہم ہو جاتا ہے ایک سیلاب ابھی آیا تھا ایک
سیلاب نوح (غالبًا یہ حضرت نیاز کی ہمسایگی کا اثر ہے کہ نوح کے ساتھ حضرت

یا علیہ السلام وغیرہ کہنے کی ضرورت نہین رہی) کے زمانہ مین آیا تھا،
وہ جو نوح کے زمانہ مین آیا تھا ساری دنیا کو محیط تھا اور 'یہ' جو ابھی آیا تھا
صرف ایشیا تک محدود تھا، دیکھئے دونون ماضی بعید ہین لیکن بالنسبۃ
قرب وبُعد ہے اُسی نسبت سے وہ اور یہ کا استعمال ہوتا ہے ہر ماضی بعید
کیلئے وہ لازم نہین اسلئے مصرع مین بسبب قربت اثر زیادہ ہے،

ڈوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا۔

یعنی یہ واقعہ جو ابھی گذرا ہے ہچکی کی صدا نہ تھی بلکہ درِ زندانِ تمنا کا قفل
ٹوٹا تھا مگر کثرت رائے میرے خلاف ہے کیونکہ گیارہ شاعرون نے یہ کو
'وہ' سے بدلا ہے، احسن۔ اطہر۔ افضل۔ باقی۔ بیباک۔ بیخود دہلوی
جگر۔ یکتا۔ دل۔ ریاض۔ وحشت یا اور بقیہ شعرا مین سے بھی تین شاعرون نے
اگرچہ 'یہ' کو وہ نہین بنایا ہے مگر انکی اصلاح سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انکی
رائے بھی یہی ہے کہ 'وہ' ہونا چاہیئے۔

بیخود۔ جناب ناطق نے اگر صرف اتنا کہدینے پر اکتفا فرمائی ہوتی کہ 'یہ' کا مشار الیہ یہ واقعہ ہے تو
بہتر تھا یہان ماضی بعید اور اشارہ بعید وقریب کی بحث کو اتنا طول دینا ضروری نہ تھا۔

اصل شعر۔

ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دمِ آخر ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا

مبصر فروری ۲۹ سنہ ء
صفحہ ۱۱ کالم ۲
سطر ۲۲-۲۴

اصلاح سائل

ہچکی جسے سمجھے ہوئے بیٹھے ہین سب احباب
ٹوٹا نہ ہو قفل درِ زندانِ تمنا،

ارشاد ناطق۔ سمجھے ہوئے بیٹھے ہین، کا لطف اس حادثۂ مرگ پر قابل توجہ ہے۔

التماس تجزیہ۔ اصلاح سائل پر یہ کہنا کہ سمجھے ہوئے بیٹھے ہین کا لُطف اس حادثۂ مرگ پر قابل توجہ ہے، اُردوئے معلیٰ کے محاورات سے بیخبری کی خبر دیتا ہے، جناب نقاد نے 'سمجھے ہوئے بیٹھے ہین، پر تعریض فرمائی ہے، یعنی احباب کیسے نااہل ہین کہ ایک دوست کا تو دم نکل گیا اور یہ ہین کہ ہچکی کو موت کی ہچکی سمجھکر بھی مطمئن بیٹھے ہین نہ رونا ہے نہ تڑپنا حالانکہ زبان اُردو کے سب سے بڑے گنجینہ دار سائل (یہ میری ذاتی رائے ہے) نے یہ کہا ہی نہین بلکہ محاورہ کے معنی لئے ہین یعنی احباب جسکو غلطی سے موت کی ہچکی سمجھے وہ قفل در زندان کے ٹوٹنے کی آواز تھی یہ ضرور ہے کہ محاورہ ایسے محل پر صرف کر دیا ہے کہ محاورہ دانی کا امتحانی سوال بنکر رہگیا ہے یہن صاف سی مثال دیدون اور یہ مرحلہ طے ہوجائے جیسے کوئی کہے کہ آپ جسے اپنی فتح سمجھے بیٹھے ہین، یا سمجھے ہوئے بیٹھے ہین، وہ کہین آپ کی شکست نہ ہو۔

وجوہ بلاغت اصلاح۔ اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ عاشق نے مرتے دم تک راز عشق کو چھپایا اور یون چھپایا کہ احباب تک ناواقف رہے جب موت کی ہچکی زندگی کا خاتمہ کرگئی تو وہ بزبانِ حال اطمینان و تفاخر کی شان سے کہتا ہے کہ اے میرے دوستو جسے تم موت کی ہچکی سمجھے وہ قفل در زندانِ تمنا کے ٹوٹنے کی آواز تھی یعنی ہم دنیا سے ناکام چلے ساری عمر اخفائے راز کی کوشش مین کٹ گئی اور تمنا کی بیڑیان موت نے کاٹین۔

۲۔ سب احباب کہنے سے بھی معنی مین زور پیدا ہوگیا ہے یعنی کوئی دوست بھی تاڑ نہ سکا یہان تک کہ ہمارا خاتمہ ہوگیا۔

۳۔ ہماری موت کوئی معمولی موت نہین بلکہ ایک عاشق ناکام کی موت ہے۔

۴۔ باعتبار الفاظ بھی یہ اصلاح غنیمت ہے ہچکی کے بعد 'کی' آجانے سے 'ہچ کیکی' ہوگیا تھا، سائل نے اس عیب کو بڑے حسن سے نکال دیا اور دوسرے مصرع مین 'ٹوٹا ہو'

کہکر مصرع کو اور لطیف کر دیا ہے، ہان یہ ضرور ہے کہ صرف ہچکی، کہکر دمِ آخر کی ہچکی مُراد لی اور قفل درِ زندان کے ٹوٹنے کے نازک رابطہ کے بل پہ۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ جناب نقاد برابر ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دمِ آخر، پڑہتے چلے آرہے تھے سمجھ گئے اور کوئی اعتراض نہین فرمایا۔

(مبصر فروری ۲۵ سنہ ۶ صفحہ ۱۱ کالم ۲ سطر (۱۴-۱۷))

حضرت ناطق نے اصلاح متذکرہ صدر سے یہ عجیب و غریب نتیجہ نکالا ہے کہ سائل نے بھی ُ وہ، کو صحیح نہین سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنکی اصلاح سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہچکی کی مین جو کراہت اور ٹوٹا نہ ہو مین جو لطافت ہے اُسنے اُنکو اسطرف کھینچا۔

اصلاح شفق

ہچکی کی صدا سُن کے مین سمجھا دمِ آخر
ٹوٹا کوئی قفل درِ زندانِ تمنا،

(مبصر فروری صفحہ ۱۱ کالم ۲ سطر ۲۵ مبصر فروری صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر (۱-۳))

ارشاد ناطق۔ اس اصلاح مین دو نکتے لطیف تر ہین، ہچکی کی صدا سُنکے مین سمجھا دمِ آخر، یعنی مرنے والا کوئی اور شخص ہے اور کوئی قفل جو ٹوٹا تو یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے قفل ہین۔

التماس مجوّد۔ جو لطیف نکتے بیان کئے گئے ہین وہ اعتراض آفرینی کے شوق اور دقتِ نظر کے فقدان کی منادی کرتے ہین انہین کوئی بات قابل اعتراض نہین، مین سمجھا، سے یہ تو نہین نکلتا کہ مرنے والا کوئی اور شخص ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنیوالے کو موت کی ہچکی پر یہ خیال گذرا کہ قفل درِ زندانِ تمنا ٹوٹا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت آخر بھی اُسکو اپنی ناکامی اور اپنی تمناؤن کی اسیری کا خیال ہے موت کو وہ ہادم لذات نہین سمجھتا کوئی بری شے نہین قرار دیتا بلکہ ایسا محسن سمجھتا ہے جس نے اُسکے دل مین قید رہنے والی تمناؤنکو آزاد کیا۔ اس بات کا لطیف ہونا تعریف سے بے نیاز ہے، مثال سے میرا مفہوم زیادہ صاف ہو جائے گا۔

التماس تجوید۔ اصلاح سائل پر یہ کہنا کہ سمجھے ہوئے بیٹھے ہین کا لُطف اس حادثۂ مرگ پر قابل توجہ ہے، اُردوئے معلیٰ کے محاورات سے بیخبری کی خبر دیتا ہے، جناب نقادؔ نے "سمجھے ہوئے بیٹھے ہین" پر تعریض فرمائی ہے، یعنی احباب کیسے نااہل ہین کہ ایک دوست کا تو دم نکل گیا اور یہ ہین کہ ہچکی کو موت کی ہچکی سمجھکر بھی مطمئن بیٹھے ہین نہ رونا ہے نہ تڑپنا حالانکہ زبان اُردو کے سب سے بڑے گنجینہ دار سائل (یہ میری ذاتی رائے ہے) نے یہ کہا ہی نہین بلکہ محاورہ کے معنی لئے ہین یعنی احباب جسکو غلطی سے موت کی ہچکی سمجھے وہ قفل در زندان کے ٹوٹنے کی آواز تھی یہ ضرور ہے کہ محاورہ ایسے محل پر صرف کر دیا ہے کہ محاورہ دانی کا امتحانی سوال بنکر رہگیا ہے یہن صاف سی مثال دیدون اور یہ مرحلہ طے ہو جائے جیسے کوئی کہے کہ آپ جسے اپنی فتح سمجھے بیٹھے ہین، یا سمجھے ہوئے بیٹھے ہین، وہ کہین آپ کی شکست نہو۔

وجوہ بلاغت اصلاح۔ اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ عاشق نے مرتے دم تک رازِ عشق کو چھپایا اور یون چھپایا کہ احباب تک ناواقف رہے جب موت کی ہچکی زندگی کا خاتمہ کر گئی تو وہ بزبانِ حال اطمینان و تفاخر کی شان سے کہتا ہے کہ اے میرے دوستو جسے تم موت کی ہچکی سمجھے وہ قفل درِ زندانِ تمنا کے ٹوٹنے کی آواز تھی یعنی ہم دنیا سے ناکام چلے ساری عمر اخفائے راز کی کوشش مین کٹ گئی اور تمنا کی بیڑیان موت نے کاٹین۔

۲۔ سب احباب کہنے سے بھی معنی مین زور پیدا ہو گیا ہے یعنی کوئی دوست بھی تاڑ نہ سکا یہان تک کہ ہمارا خاتمہ ہو گیا۔

۳۔ ہماری موت کوئی معمولی موت نہین بلکہ ایک عاشق ناکام کی موت ہے۔

۴۔ باعتبار الفاظ بھی یہ اصلاح غنیمت ہے ہچکی کے بعد "کی" آجانے سے "ہچ کیکی" ہو گیا تھا، سائل نے اس عیب کو بڑے حسن سے نکال دیا اور دوسرے مصرع مین "ٹوٹا ہو"

کہکر مصرع کو اور لطیف کر دیا ہے، ہان یہ ضرور ہے کہ صرف ہچکی، کہکر دمِ آخر کی ہچکی مُراد لی اور قفل درِ زندان کے ٹوٹنے کے نازک رابطہ کے بل پر۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ جناب نقاد برابر ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دمِ آخر، پڑہتے چلے آرہے تھے سمجھ گئے اور کوئی اعتراض نہین فرمایا۔

مبصر فروری ۲۵ ۶ صفحہ ۱۱ کالم ۲ سطر (۱۴-۱۷)

حضرت ناطق نے اصلاح متذکرہ صدر سے یہ عجیب و غریب نتیجہ نکالا ہے کہ سائل نے بھی "وہ" کو صحیح نہین سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنکی اصلاح سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہچکی کی مین جو کراہت اور ٹوٹا نہ ہو مین جو لطافت ہے اُنسے اُنکو اسطرف کھینچا۔

اصلاح شفق

ہچکی کی صدا سُن کے مین سمجھا دمِ آخر
ٹوٹا کوئی قفل درِ زندانِ تمنا،

مبصر فروری صفحہ ۱۱ کالم ۲ سطر ۲۵ مبصر فروری صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر (۱-۳)

ارشاد ناطق۔ اس اصلاح مین دو نکتے لطیف تر ہین، ہچکی کی صدا سُنکے مین سمجھا دمِ آخر، یعنی مرنے والا کوئی اور شخص ہے اور کوئی قفل جو ٹوٹا تو یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے قفل ہین۔

التماس بجنود۔ جو لطیف نکتے بیان کئے گئے ہین وہ اعتراض آفرینی کے شوق اور دقتِ نظر کے فقدان کی منادی کرتے ہین انمین کوئی بات قابل اعتراض نہین، مین سمجھا، سے یہ تو نہین نکلتا کہ مرنے والا کوئی اور شخص ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنیوالے کو موت کی ہچکی پر یہ خیال گذرا کہ قفل درِ زندانِ تمنا ٹوٹا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت آخر بھی اُسکو اپنی ناکامی اور اپنی تمناؤن کی اسیری کا خیال ہے موت کو وہ دمِ لذات نہین سمجھتا کوئی بُری شے نہین قرار دیتا بلکہ ایسا محسن سمجھتا ہے جس نے اُسکے دل مین قید رہنے والی تمناؤں کو آزاد کیا۔ اس بات کا لطیف ہونا تعریف سے بے نیاز ہے، مثال سے میرا مفہوم زیادہ صاف ہوجائے گا۔

(قطعہ بیخود موہانی)

ہنگامِ نزع سانسین کھنچ کھنچکے آرہی ہین جھٹکون سے ٹوٹتی ہین قسمین نباہنے کی
دل مجھ سے پوچھتا ہے مین دل سے پوچھتا ہون آواز آرہی ہے کسکے کراہنے کی،

فرق اتنا ہے کہ اس قطعہ مین نفس مطینہ کی حالت دکھائی گئی ہے اور اصلاح شفق مین، اُس محویت کی جو تمنائے یار کے لوازم سے ہے۔

۲۔ رہا دوسرا اعتراض وہ بھی بے بنیاد ہے "دم آخر وقتِ نزع کو بھی کہتے ہین اور دمِ مرگ کو بھی یہ کچھ ضرور نہین کہ مرتے وقت ایک ہی ہچکی آئے اور یہ بھی ضروری نہین کہ درِ زندان مین ایک ہی قفل ہو، چوک اور امین آباد کی دوکانون مین کئی کئی قفل لگائے جاتے ہین پھر یہ تو قید خانہ ہے۔

یہ اصلاح بھی ظاہر نہین کرتی کہ حضرت شفق "یہ" کو نکالنا چاہتے تھے اور نکالنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسے نحوی غلطی سمجھتے تھے بلکہ "مین سمجھا" کے ٹکڑے سے تمنا کی محویت ظاہر ہوتی تھی اسلئے جب یہ ٹکڑا آیا تو دوسرے مصرع مین یہ تصرف ضروری ٹھہرا اسے ناظمی قریب و بعید کی بحث سے کوئی تعلق نہین۔

اصلاحِ مضطر

ہچکی کی صدا اسکو نہ سمجھو دمِ آخر
ٹوٹا ہے یہ قفل درِ زندانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ یہ اصلاح بھی ظاہر کر رہی ہے، کہ "ٹوٹا تھا" کے ساتھ یہ انکو بھی ناگوار تھا یہ رہنے دیا لیکن "ٹوٹا تھا" کو "ٹوٹا ہے" بنا دیا تاکہ زمانہ کا فرق نہ رہے۔ مصر فروری ۱۹۲۸ء، صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر (۲-۸)

التماس بیخود۔ حضرت ناطق کا یہ خیال صحیح نہین کہ جناب مضطر نے یہ سب جھگڑے یہ کے لئے

کئے بلکہ اپنی اصلاح مین جو صورت اُنھون نے رکھی ہے وہ اُن کے رنگ کی ہے (اُن کا خاص رنگ معاملہ بندی ہے) سمجھو، سے معلوم ہوتا ہے کہ معشوق سے خطاب ہے کہتے ہین کہ میری موت کو تم معمولی موت نہ سمجھو تمھارے تغافل تمھارے جور و ستم سے تمنائین دل کی دل مین رہین اور ان اسیران بدنصیب کی رہائی ہوئی تو موت کے صدقہ مین معشوق کا سامنے موجود ہونا اور میت عاشق کا بزبان حال یہ کہنا شعر مین تکمیل محاکات کر رہا ہے لیکن اصل شعر مین بھی ایک مزہ تھا۔

مبصر فروری صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر (۸-۱۲)

ارشاد ناطق :- جملہ ۱۲ شاعرون کی یہی رائے ہے اصلاح دینے والون مین صرف نیاز و محشر کی رائے مجھ سے متفق ہے کیونکہ اُنھون نے زمانہ بعید کے ہوتے ہوئے بھی "یہ" جائز رکھا ہے۔

اصلاح نیاز

ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے تھے دم نزع
ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا

التماس بیخود۔ جناب نیاز کو "یہ" اور "وہ" سے کوئی غرض نہین بلکہ اصلاح کی صورت خود فیصلہ کئے دیتی ہے کہ جناب موصوف پہلے مصرع مین سمجھے ماضی مطلق اور دوسرے مصرع مین ٹوٹا تھا، ماضی بعید کو کچھ بے جوڑ سا سمجھے اس لئے ہر مصرع مین زمانہ بعید رکھا اور بس یعنی سمجھے، کو سمجھے تھے، بنا دیا۔ اور ٹوٹا تھا، کو بحالہ قائم رکھا۔ اِسے اپنی رائے سے اتفاق سمجھنا غلطی ہے یا مغالطہ۔

اصلاح نیاز سے شعر مین کوئی خوبی پیدا نہین ہوئی بلکہ دو خرابیان بڑھ گئین۔

نکتہ ۱: سمجھے، ماضی مطلق تھا اور سمجھے تھے، ماضی بعید۔ سمجھے مین گذرے ہوئے زمانہ کے متعلق اتنا بعد مفہوم نہ ہوتا تھا جتنا سمجھے تھے، مین۔ اسلئے مصنف نے جو صورت اختیار کی تھی کہ یہ معلوم ہو کہ یہ واقعہ جو ابھی ابھی گذرا ہے یہ حالت باقی نہ رہی)۔ اور اصلاح اُستاد تخریب شعر ٹھری۔

نکتہ ۲: فصاحت کے اعتبار سے یہاں دم نزع، اور دم آخر میں بڑا فرق ہے یہ دونوں ٹکڑے وہ ہیں جن پر مصرع اول ختم ہوتا ہے آخر میں صرف ر ساکن ہے اور نزع میں ز اور ع ان دونوں ساکنوں کے آخر مصرع میں واقع ہونے سے زبان غزل کی نرمی نسبتاً گھٹ گئی، اسلئے کہ تلفظ میں نزع کا عین کچھ اُچھل سا جاتا ہے آخر کے تلفظ میں یہ بات نہیں مگر یہ باتیں ہر کس و ناکس کے بس کی نہیں۔ بیشے صرف عوام کی نفع رسانی اور خواص کی دلچسپی کیلئے لکھدیں اس محل پر نہ جناب نقاد میرے مخاطب ہیں نہ اصلاح دینے والے بزرگ۔

اصلاح محشر۔ اے چارہ گرد نزع میں کیا چیز تھی ہچکی، ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا

ارشاد ناطق:۔ اصل مصرع ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دم آخر، فصیح و غیر فصیح کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر۔

بصر فروری ۲۹ سنہ ۶ صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر ۱۳-۱۵

التماس بیخود۔ معلوم نہیں حضرت ناطق کس زبان میں گفتگو فرماتے ہیں اکثر انکے قلم سے وہ الفاظ نکلتے ہیں جو انکی مراد یا مقتضائے مقام کے خلاف ہوتے ہیں یہاں فصیح و غیر فصیح کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑا گیا ہے یہ صرف اسلئے کہ انکے نزدیک حضرت محشر کا مصرع فصیح نہیں اور وہ اسے کھلکر کہنا نہیں چاہتے لیکن واقعہ اسکے خلاف ہے جناب محشر کی اصلاح میں ہچکی کی، سے جو کریہہ آواز پیدا ہوتی تھی باقی نہیں رہی اسلئے اُسے اصل مصرع کے مقابلہ میں غیر فصیح کہنا روا نہیں اور جہاں فصیح و غیر فصیح کا ذکر طاردیا گیا ہے وہاں بلیغ و غیر بلیغ کا فیصلہ کرنا چاہیئے تھا۔

حضرت محشر کی اصلاح سے شعر میں دو معنوی عیب پیدا ہو گئے ہیں۔ یہاں چارہ گر دن سے خطاب لایعنی ہے اگر چارہ گر ہوتا تو معشوق بھی مراد لیا جا سکتا تھا اور مفہوم یہ ہوتا کہ اے معشوق جسکو تو موت کی ہچکی سمجھتا ہے وہ قفل در زندان تمنا کے ٹوٹنے کی آواز ہے یعنی تو نے میری کوئی حسرت نہ نکالی آخر یہ نتیجہ ہوا کہ تیرے اسیروں کو موت نے آزاد کیا۔

۲ پھر پوچھنے کا یہ انداز بھی کچھ اچھا اچھا سا معلوم ہوتا ہے یہ بھی کوئی کہنے کا انداز ہے کہ اے چارہ گرد نزع میں جو ہچکی مجھے آئی تھی وہ کیا چیز تھی اچھا تم نہیں جانتے تو ہم بتائے دیتے ہیں کہ یہ ہچکی نہ تھی بلکہ قفل در زندان تمنا کے ٹوٹنے کی آواز تھی۔ یہ وقت میت کے پہیلیاں بجھوانیکا نہیں ہے

نہ اس نے یہاں وہ کیفیت پیدا کی جو علامہ فیضی کے یہاں نظر آتی ہے۔

نل گفت کہ اے طبیب نادان　　بیکار علاج خود مگردان
نشتر چہ زنی رگِ جنون را　　آگاہ نئی تپ درون را،

مبصر فروری صفحہ ۱۲ کالم سطر (۶-۹)

یہاں اتنا اور بھی کہدینا ہے کہ جب حضرت ناطق یاران سرپل کے متعلق گلفشانی فرماتے ہیں تو کھینچ تان کر کوئی نہ کوئی اعتراض جڑ دیتے ہیں، جیسے یہاں بیخود موہانی بنوق قدوائی۔ اور نیاز فتحپوری کی رائے اصلاح کے بارے میں زیادہ تر قابل سند ہے کیونکہ بیخود اور شوق کو کسی کا شعر ذرا مشکل سے پسند آتا ہے اور اپنے شعر سے بھی زیادہ دوسرے کے شعر کو احتیاط و غور سے دیکھتے ہیں (یہ ظالم ایسا بے دلیل دعوے کرتے ہوئے بھی نہیں جھجکتا) مگر جب یاران طریقت کی باری آتی ہے تو فصیح و غیر فصیح کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو آخر بگانے بیگانے میں کچھ فرق ہے یا نہیں

جناب محشر نے جبتک پہلے مصرع میں بھی تھی (کیا چیز تھی چکی) بڑھا نہ لی اسوقت تک خلی ٹوٹا تھا کا رہنا گوارا نہ کیا اور جناب نقاد ہیں کہ اسے اپنی رائے سے اتفاق ہی سمجھے جاتے ہیں ع ستم گردی الٰہی زندہ باشی! ایسے سوال میں کوئی بھی یہ کو دہ سے بدلنے کی ضرورت نہ سمجھے گا غریب محشر ہی پہ کیا منحصر ہے۔

حضرت ناطق نے اپنا اور ناظرین مبصر کا جتنا وقت یہ اور وہ کی دور از کار اور غلط بحث میں ضائع کیا کاش کسی طرح اسکی تلافی ہو سکتی۔

ارشاد ناطق :۔ ۱۳ شاعروں نے کوئی اصلاح نہیں دی لیکن اگر کوئی غلطی ہوتی تو یہ غیر ممکن تھا کہ کوئی استاد بے پروائی کرتا انکے اسمائے گرامی یہ ہیں :۔

مبصر فروری ۲۹ء صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر ۱۸-۲۵، کالم ۲ سطر ۱

بیخود موہانی جلیل ۔ آرزو ۔ صفی ۔ عزیز ۔ بزم ۔ شہرت ۔ زہری ۔ نظم ۔ ناطق ۔ شوق اور دو شاعر ہیں جو کہ زمانہ بعید میں بھی یہ کو جائز رکھتے ہیں کل پندرہ شاعر ہوئے انکے مقابلہ میں ۱۲ شاعر ہیں جو کہ اس ترکیب کو نحوی غلطی سمجھتے ہیں خیر یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے مگر حیرت اس بات کی ہے کہ اگر میری رائے جسکے ساتھ ۱۴ اشاعر اور بھی ہیں صحیح ہے کہ دہ سے یہ میں اثر زیادہ ہے تو اس نقص میں اسقدر توارد ہونا بہت ہی عجیب ہے ۱۱ شاعروں نے بغیر ..... (یہاں کچھ عبارت رہگئی ہے جو نہ) بعینہ یہی اصلاح دی ہے۔

اصلاح۔ ٹوٹا تھا وہ، قفل درِ زندانِ تمنا

اصل مصرع۔ ٹوٹا تھا یہ، قفل درِ زندانِ تمنا

آخر مین یہ کہنا ہے ہچکی کی صدا، مین، ہچ کیکی، ہو جاتا ہے مجھے اسکے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ مین نے سہل انگاری اور بُرا کیا۔

شعر چہارم۔

جز خواب نہین وعدہ باطل کی حقیقت
جز وہم نہین موجہ طوفانِ تمنا،

ارشاد ناطق:۔

تخیل اس کی یہ ہے کہ اُنکے جھوٹے وعدے سے تھوڑی دیر کیلئے ایک مسرت پیدا ہو جاتی ہے وہ ایک خواب سے زیادہ وقعت نہین رکھتی اور تمناؤن کا طوفان محض ایک خیالی اور موہوم چیز ہے۔ معیار فروری صفحہ ۱۲ کالم ۲ سطر ۱۱-۲۵ معیار مارچ صفحہ ۴۳ کالم ۱ سطر ۱-۹

عیوب۔ اس شعر مین یہ عیب سب سے بڑا ہے کہ دونون مصرعون کا باہمی ربط و تعلق بہت ہی کمزور ہے کیونکہ اُسکے وعدہ سے تمنائین ضرور پیدا ہوتی ہین مگر لازم نہین کہ تمناؤن کا وجود وعدہ پر منحصر ہو جبتک مصرع اولیٰ کی کسی چیز سے مصرع ثانی کی کسی چیز کا تعلق لازمی نہ ہو خواہ وہ لزوم منطقی نہ ہو شاعرانہ ہی ہو اور گو کہ بغیر ربط کے دونون مصرع اپنی اپنی جگہ پر صحیح و معنی دار ہو سکتے ہین مگر دونون مل کر مہمل ہو جاتے ہین۔ یہی اُصول تمام معنی بند اشعار کا ہے کہ دونون مصرعون کے درمیان کچھ الفاظ محذوف ہوتے ہین جو کہ الفاظ سے لزوماً پیدا ہوتے ہین اور وہی باعث ربط ہوتے ہین۔

جو اس فلسفہ سے واقف نہین ہے اور اس رنگ کو کہتے ہین اُنکے کلام کا اکثر حصہ مہمل ہوتا ہے۔ ۸ شاعرون نے اسے اصلاح سے مستغنی رکھا ہے اور گیارہ نے اصلاح دی ہے۔

نمبر ا۔ دولخت ہونے کا عیب اس شعر مین غلطی کی حد تک نہین پہونچتا کیونکہ وعدے کیلئے تمنا لازم ہے مگر تمنا کیلئے وعدہ لازم نہین ہے۔ اسلئے تعلق ہے تو مگر کمزور ہے اس کمزور ربط کے علاوہ دوسرا عیب اس شعر مین یہ ہے کہ موج طوفان کی تشبیہ وہم سے نامناسب ہے، وجہ یہ کہ وہم ایک خفیف حس ہے جبتک یہ جنون کی حد تک نہ پہونچے موج طوفان سے مماثل ہونے کے لایق نہین۔

التماس ہیچمدان۔ یہ شعر دولخت نہین اور نہ اس کا ربط کمزور ہے۔ جب وعدہ باطل سے تمناؤن کا پیدا ہونا جناب نقاد بھی تسلیم کرتے ہین تو ربط کو کمزور اور شعر کو دولخت بتانا سراسر ظلم ہے شاعر نے کہین یہ دعویٰ نہین کیا کہ اسکا عکس بھی صحیح ہے یعنی تمنا کیلئے وعدہ لازم ہے نہ یہ کوئی مسلہ قید ہے کہ جس بات کا عکس صحیح نہ ہو وہ ناقابل ذکر ہے اور جب یہ بات روزمرہ مشاہدہ مین آتی ہے کہ معشوق کے جھوٹے دعوے سے تمنائین ضرور پیدا ہوتی ہین۔ تو یہ بحث دور از کار ہے۔

اُن کے جھوٹے وعدے سے، مین اُنکے، ظاہر کرتا ہے کہ یہ وعدہ معشوق ہی کا ہے اور جب ایسا ہے تو عاشق کے منھ پر یہ بات زیب نہین دیتی کہ وہ وعدۂ یار کو اگرچہ وہ جھوٹا ہی سہی خواب کے یا طوفان تمنا کو وہم قرار دے اسلئے جناب نقاد کا پہلا فرض یہ تھا کہ وہ شعر کا محمل صحیح بیان فرماتے مگر اُنھون نے تغافل روا رکھا اس لئے اُنکا یہ فرض یا قرض مین ادا کئے دیتا ہون۔

ایسی باتین عاشق کی زبان سے صرف ایسے وقت نکل سکتی ہین جب وہ وعدۂ یار پر انتظار کی گھڑیان جھیل رہا ہو اور معشوق کے ایفاء وعدہ مین جتنی دیر ہوتی جائے

اُسکی اُلجھن بڑھتی جائے اور وہ بار بار اُلجھ اُلجھ کر کہے ۵

جز خواب نہین وعدۂ باطل کی حقیقت جز وہم نہین موجۂ طوفانِ تمنا

یعنی معشوق نے جو نا وعدہ کر کے مجھے تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیا اور یہ میری سادگی تھی کہ مینے اُسکے وعدہ کی بنا پر اتنی تمنائین اپنے دل مین پیدا کر لین ورنہ حقیقتاً وعدہ یار خواب ہے اور میری تمناؤن کا طوفان وہم (خیالی و فرضی شے) ہے اسلئے کہ نہ وہ وعدہ وفا ہونیوالا ہے نہ یہ تمنائین بر آنیوالی ہین۔

علاوہ برین جن الفاظ مین یہ مفہوم ادا کیا گیا ہے اُن سے تکلف ٹپکتا اور تصنع برستا ہے۔ دوسرا عیب یہ بتایا گیا ہے کہ وہم ایک حس خفیف ہے اس لئے موج طوفان سے مماثل ہونے کے لائق نہین افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب جناب نقاد کی تمام توہین وہم بنکر رہ گئی ہین وہم حس ضعیف ہو یا حس قوی اُسکا خلاق ہونا زبان زد خاص و عام اور اُس کی یہی صفت بیان وجہ شبہ ہے حضرت ناطق کو خلط بحث مین ید طولیٰ حاصل ہے۔

غالباً اونکو خبر نہین کہ وہم کو ضعیف مانا ہے تو یقین کے مقابلہ مین اسلئے کہ یقین کے بعد مرتبہ ہے ظن غالب کا اُسکے بعد خیال کا اُسکے بعد گمان کا سب سے آخر مین (سب سے کم) وہم کا بیان اُسکے قوی یا غیر قوی ہونے سے بحث کرنا بے محل قابلیت جتانے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔

ہے یون کہ وہم وہ قوت ہے جو اُن چیزون کو موجود کر دکھاتی ہے جنکا وجود خارج مین نہین ہوتا اور یہی سبب ہے کہ اُسے خلاق کہتے ہین اور اسی لئے وہ طوفان سے مماثل ہونے کے قابل ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ وہ شاعر جن کی قابلیت جنکا تبحر جنکی اُستادی مسلم ہے اسے

کن موقعون پر استعمال کرتے ہین۔

بلبل شیراز سعدی علیہ الرحمہ

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم — وز ہرچہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

وہم کو یہاں سب سے بڑھکر سمجھکر اسکا ذکر سب سے آخر مین کیا ہے

بیرون زکائنات پر و صد ہزار سال ظہیر فاریابی سیمرغ وہم تا نہ جنابش نشان دہد

جناب ناطق نظر فرمائین کہ ظہیر سے باخبر شاعر نے وہم کو سیمرغ سے باعتبار قوت تشبیہ دی ہے یا باعتبار ضعف۔ ایسی صورت مین یہ اعتراض آفرینی کوئی وقعت نہین رکھتی۔

حضرت ناطق نے شوق کے شعر مین دو عیب نکالے تھے مگر بحمداللہ وہ عیب اُنکی نارسائی فہم اور رسائی وہم کا نتیجہ ثابت ہوئے۔

ارشاد ناطق۔ بے ربطی کے عیب کو چار شاعرون نے محسوس کیا اور اصلاح دی۔

اصلاح بیخود موہانی

جز خواب نہین جوش تخیّل کی حقیقت — جز وہم نہین ہستیٔ طوفان تمنّا

ارشاد ناطق۔ تمنا اور تخیّل کا تعلق ظاہر ہے کہ کسقدر بہتر ہے، اگر موج وہم کے ساتھ ایک مناسبت رکھتی تھی اب مطلق طوفان سے وہم کی تشبیہ بالکل بیگانہ ہو گئی۔ یہی صنعت خواب اور جوش تخیّل کی تشبیہ مین ہے۔

مبصر مارچ ۲۹ سنہ ء صفحہ ۳۳ کالم سطر ۱۲-۱۷

بیخود۔ مین اپنی اصلاح کی وجہ عرض کر دون۔

توجیہ اصلاح بیخود۔ مجھے صاف نظر آیا کہ دوسرے مصرع (جز وہم نہین ہستیٔ طوفان تمنا) مین فلسفیانہ و عارفانہ شان نکلتی ہے اور حضرت شوق اسوقت اُس عالم کی سیر کر رہے ہین

جہاں دنیا کی ہر شئے بلکہ دنیا خود ہی بے حقیقت نظر آتی ہے، ورنہ معشوق کا وعدہ، وہ جھوٹا ہی سہی خواب کہنے کے قابل نہیں ہے، خیر ہم اسے جناب ناطق کی خاطر سے ایسا ہی رہا بے حقیقت مانے لیتے ہیں مگر عاشق کی تمنائیں تو سیمابی نہیں ہوتیں یہ وہ نقش ہیں کہ جہاں ایک بار اُبھرے لوح دل کے ساتھ مٹتے ہیں پھر عاشق ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ ہماری تمنائیں وہم و خیال ہیں کوئی معنی نہیں رکھتا میرے نزدیک حضرت شوق پہلا مصرع بھی اُسی انداز کا کہنا چاہتے تھے جس انداز کا دوسرا مصرع تھا یعنی شعر کے دونوں مصرعے جز، سے شروع ہوں جیسا فخر المتاخرین مرزا غالب علیہ الرحمہ کا یہ شعر ہے۔

جُز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور جز وہم نہیں ہستیٔ اشیا مرے آگے

مصنف سے جب پہلے مصرع میں موجۂ طوفانِ تمنا کا جواب نہ بن پڑا تو وعدہ باطل، کا ٹکڑا رکھدیا اور یہ سمجھ کر رکھا کہ یہ کمی اُستاد پوری کریگا۔ پینے دیکھا کہ وعدہ باطل سے، تو طوفان کا لنگر نہیں اُٹھتا اس لئے اُسے جوش تخیل سے بدلا۔ اور جب جوش تخیل کا ٹکڑا پہلے مصرع میں آگیا تو صاف نظر آیا کہ اس کا بار موجۂ طوفان سے نہیں اُٹھتا۔ موجہ کو ہستی سے بدلا اب جوش تخیل اور طوفانِ تمنا برابر کے ٹکڑے ہو گئے اور یہی شعر کی حقیقی روح تھی جس کا بے وجہ بدلنا خلاف عقل تھا اور یہی وجہ تھی کہ صرف اتنی ہی اصلاح ضروری سمجھی گئی نکتہ۔ ایک بات اور کہتا چلوں وہ یہ کہ اہل نظر کی نگاہ میں دنیا جوش تخیل اور جوش تمنا کا دوسرا نام ہے اور اب اس شعر کی فلسفیانہ و عارفانہ شان دیکھئے اور یہ فیصلہ فرمانے کی کوشش کیجئے۔ کہ حضرت شوق کا یہ شعر غالب لاجواب کے شعر کے انداز کا ہو گیا ہے یا نہیں۔

جز نام نہین صورتِ عالم مجھے منظور (غالب) جز وہم نہین ہستیٔ اشیا مرے آگے

جز خواب نہین جوشِ تخیّل کی حقیقت (شوق) جز وہم نہین ہستیٔ طوفانِ تمنّا

جاننے والے جانتے ہین کہ ایسی صورت کے سوا جب زور طبیعت سے پورا شعر الفاظ مناسب کے قالب مین ڈھل جائے ہمیشہ بنا رخیال و بنا رشعر مصرع ثانی پر ہوتی ہے۔ اس لئے دوسرے مصرع پر مناسب مصرع بہم پہونچانا شاعر کا فرض ہوتا ہے یہ بھی ایک سبب ہے کہ مین نے دوسرے مصرع مین (موجۂ طوفانِ تمنا) دیکھکر پہلے مصرع مین جوشِ تخیّل کا رکھنا ضروری سمجھا۔

میری اصلاح کا عیب

یہ ضرور ہوا کہ اس تغیر (جز وہم نہین ہستیٔ طوفانِ تمنا) سے مصرع مین ایک عیب پیدا ہو گیا وہ یہ کہ نہین ہستیٔ پڑھتے وقت ہین ہنس، ہو جاتا ہے اور فصاحت کے ابروؤن پر بل پڑنے لگتے ہین مگر عجیب اتفاق ہے کہ بالکل یہی بات ہے جو سیدی و مولائی (باعتبار شاعری) مرزا غالب اعلی اللہ مقامہ کے اس شعر مین پیدا ہو گئی ہے۔

جز نام نہین صورتِ عالم مجھے منظور (غالب) جز وہم نہین ہستیٔ اشیا مرے آگے

لیکن یہ کوئی ایسا عیب نہین کہ اسکے خیال سے کوئی اچھا مضمون چھوڑ دیا جائے۔

مبصر بارچ صفحہ ۳۲ کالم اسط آخر کالم ۲ سطر (۱-۵)

ارشاد حضرت ناطق:۔ سائل نے پہلا مصرعہ علی حالہ رہنے دیا

دوسرے مصرع کو یون بدلا ع

جز مرگ نہین موجۂ طوفانِ تمنا

خواب اور مرگ مین ایک خاص مناسبت ہے اور طوفان کے تشا

تشبیہ مین بھی وہم سے مرگ بہتر ہے ایک حادثۂ عظیم وہ بھی ہے

اور یہ بھی اس لفظ کے بدلنے سے شعر مین اس خوبی کا بھی اضافہ ہوگیا
کہ طوفانِ تمنا کا ایک نتیجۂ خاص مرگ ہے۔

بیخود۔

اصلاح سائل

جز خواب نہین وعدۂ باطل کی حقیقت
جز مرگ نہین موجۂ طوفانِ تمنا

وعدۂ باطل کو خواب کہا۔ موجۂ طوفانِ تمنا کو مرگ فرمایا یقیناً مرگ سے خواب بلند تر اور کامل تر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت سائل خواب کو نیند اور مرگ کو موت کے معنون پر لے رہے ہین اور یہ مدعائے مصنف کے خلاف ہے اُس نے انھین لفظون کو خوابِ خیال (بے حقیقت) کے معنون پر لیا ہے۔

اگر اصلاح کے مسئلہ سے تعلق نہ رکھا جائے تو یہ شعر حضرت سائل کی قابلیت کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

ارشاد ناطق:۔ ناطق نے مصرعِ ثانی بدستور رکھا مصرعِ اولےٰ مین اصلاح دی۔

اصلاح ناطق

جز خواب نہین جز زدہ قلزم امید
(جز وہم نہین موجۂ طوفان تمنا)

مبصر مارچ ۲۹ء صفحہ ۳۳ کالم ۲ سطر (۶-۱۵)

یہ امر قابل تسلیم ہے کہ لفظی تعلقات باہمی دونون مصرعون کے بہت کچھ ہوگئے اُدھر موج طوفان اِدھر قلزم اُدھر تمنا اِدھر امید مگر ایک عطف اور دو اضافتون نے مجتمع ہو کر شعر کو گنجلک کر دیا اگر دو اضافتون پر عطف کا اضافہ نہ ہوتا تو بھی اصلاح غنیمت ہوتی اور بہت سی باتین ایسی ہوتی

ہین کہ اساتذہ کیلئے جائز ہوتی ہین اصلاح مین ناجائز ہوتی ہین اور
اسی طرح اسکا عکس یعنی بہت سے عیوب مبتدی کیلئے عیب نہین مگر اساتذ
کیلئے سخت شرمناک ہین۔

التماس بیخود۔ اس مین شک نہین کہ اصلاح ناطق مین مناسب الفاظ جمع ہوگئے ہین۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ تمنا کے جواب مین امید کا ٹکڑا بہت اچھا نکالا گیا ہے۔ مگر قابل افسوس ہے یہ امر کہ مد کے ساتھ جزر کا صرف صرف برائے بیت ہی نہین غلط بھی ہے اور سبب یہ ہے کہ مقتضاء مقام کے خلاف ہے اس لئے کہ موجۂ طوفان تمنا کے مقابل مین صرف مد قلزم امید کی ضرورت ہے (جزر گھٹنا) یہ ضرور ہے کہ مد کے ساتھ جزر بالعموم اردو کے محاورہ مین ہے لیکن بلاغت ایسی پابندیون سے آزاد ہے قصہ کوتاہ اس جزر کمبخت نے حضرت نقاد کی اصلاح کو غلط ہی کرکے چھوڑا۔

معیار بابت صفحہ ۳۲ کالم اسطر (۶-۹) اصلاح ناطق پر معترضین کے ارشاد کے مطابق یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ موج کی تشبیہ وہم سے نامناسب ہے وجہ یہ کہ وہم ایک خفیف حس ہے جبتک جنون کی حد تک نہ پہونچے موج طوفان سے مماثل ہونے کے لائق نہین۔

جناب ناطق کا یہ ارشاد بھی قابل قبول نہین کہ ایک عطف اور دو اضافتون نے مجتمع ہوکر شعر کو گنجلک کردیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اضافت ہو یا عطف نہ فصیح کہا جاسکتا ہے نہ غیر فصیح گرد و پیش کے الفاظ و تراکیب اسے غیر فصیح یا فصیح کردیتے ہین۔ جناب ناطق کا یہ مصرعہ جز خواب نہین جزر و مد قلزم امید، جبتک اس مصرعہ کے ساتھ ہے، جز وہم نہین موجۂ طوفان تمنا کسی طرح گنجلک نہین کہا جاسکتا کیونکہ جیسے الفاظ ایک مصرعہ مین ہین ویسے ہی دوسرے مصرع مین۔ انداز بیان اور نشست الفاظ کا انداز

بھی دونون مصرعون مین ایک ہے۔

شلاً جز خواب ہنین کا جواب جز وہم ہنین اور جز رود قلزم اُمید کا جواب موجِ طوفانِ تمنا بلکہ میرے نزدیک اگر ایسا ہوتا تو ازن صحیح قائم نہ رہتا صورت موجودہ مین صنعت ترصیع کی مرصع کاری نظر آتی ہے۔

حضرت نقاد نے پڑھ تو لیا ہے کہ تواتر و توالی اضافات مخل فصاحت ہے مگر کبھی سمجھنے کی کوشش ہنین فرمائی تین سے زیادہ اضافتون کا پے در پے آنا بالعموم غیر فصیح سمجھا جاتا ہے مگر محل اور موقع کی شناخت ہر خاص وعام کے بس کی ہنین۔

تین اضافتین کیسی میرے نزدیک اگر زیادہ بھی ہون تو مخل فصاحت ہون گی بشرطیکہ اپنے محل پر ہون اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ پر نگین جڑ دی گئی ہین مثلاً ملا جامی لوائح مین فرماتے ہین۔ —

مرتبۂ ثانیہ تعین اوست بہ تعینی جامع مرجعِ تعیناتِ فعلیۂ وجوبیہ الٰہیہ را و جمیع تعیناتِ انفعالیہ امکانیۂ کونیہ را۔ لوائح جامی صفحہ ۱ سطر (۱۰-۱۱) مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ

لسان الغیب شیرازی کیا خوب کہتا ہے۔

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست ۔۔۔ کلاہ داری و آئین سروری داند
ہزار نکتۂ باریکتر زمو اینجا ہست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ارشاد ناطق۔ یہ شعر اپنی بندش و ترکیب مین ایک ایسا اٹیشن ہے کہ اسکی جلا پردازی مین ۵ شاعرون نے عجیب قسم کی بے پروائی کی ہے افضل نظم۔ نوح۔ نیاز۔ یکتا ۔ نیم ماہ مارچ صفحہ ۳۳ کالم ۲ سطر (۱۶-۱۰ تا ۱۸) صفحہ ۳۴ کالم ۱ سطر (۱-۷)

ہان خواب ہنین وعدۂ باطل کی حقیقت (افضل) ہان وہم ہنین موجۂ طوفانِ تمنا

ایک لفظ مین تخیل کو ایسا انقلاب عظیم ہو گیا کہ پناہ بخدا اور اب یہ مفہوم ہوا کہ وعدہ باطل ایک خاص حقیقت رکھتا ہے اور اسی طرح موجہ طوفانِ تمنا بھی محض وہم نہین مگر یہ دونون کیا ہین یہ دو سوال پیدا ہوتے ہین تمنا کا جواب تو ہر انسان اپنی عقل سے دیسکتا ہے مگر وعدہ باطل کی حقیقت کا علم ہر کس و ناکس کو نہین۔

التماس ہچمدان۔ تخیل بدل نہین گئی بلکہ کسی حالت مین بھی غلط نہین رہی شعر مصنف

جز خواب نہین وعدہ باطل کی حقیقت ؎ جز وہم نہین موجہ طوفانِ تمنا

کی تخیل صرف ایسی حالت مین صحیح تھی کہ عاشق انتظار یار مین بار بار اُچھ اُچھ کر یہ کہہ اُٹھتا ہو لیکن جناب افضل کی اصلاح سے اب ہر حالت مین صحیح ہے بیشک وعدہ باطل یار بھی تمنا آفرین ہے اور موج طوفانِ تمنا بھی ناقابل انکار حقیقت ہے۔

حضرت ناطق کے پیدا کئے ہوئے سوال کوئی اہمیت نہین رکھتے پہ سوال کا بُرا بھلا جواب تو وہ خود ہی دیچکے اب رہی وعدہ باطل کی حقیقت، اس کا جواب اگر اپنی عقل سے ہر شخص نہین دیسکتا تو کیا جناب نقاد کی عقل سے بھی نہین دے سکتا وہ خود ہی اس بات کا جواب دے چکے ہین۔

مبصر فروری صفحہ ۱۲ کالم ۲ سطر ۱۰ — ارشاد ہوتا ہے۔ "دو لخت ہونے کا عیب اس شعر مین غلطی کی حد تک نہین پہونچتا، کیونکہ وعدہ باطل یار کیلئے بھی تمنا لازم" ہے زیادہ واضح طور پہ

مبصر مارچ صفحہ ۳۳ کالم ۱ سطر ۴ — یون ہے کہ معشوق کے جھوٹے وعدہ سے بھی تمناؤن کا طوفان برپا ہونا بدیہی امر ہے اگر انسان سوفسطائیون اور عارفون کی نظر سے دنیا پر نظر کر رہا ہے تو اُسے وعدہ یار کیا خود یار اور یار ہی کیا ساری کائنات بے حقیقت، اور

فریب نظر نظر آئیگی لیکن اگر عاشقانہ نظر سے دیکھا جائے تو وعدۂ یار (وہ جھوٹا ہی سہی) اور طوفانِ تمنا ہی چولی دامن کا ساتھ نظر آئے گا اور اسکا انکار بداہت کا انکار ہوگا۔

اصلاحِ نظم

جز خواب نہین لذت فانی کی حقیقت
جز وہم نہین موجۂ طوفانِ تمنا

...صر مارچ ...فحہ ۳۴ ...لم ۱ سطر ...۷ - ۱۲،

ارشاد ناطق۔ کسقدر رکیک بات ہے کہ لذت فانی کی حقیقت ایک خواب سے زیادہ نہین افسوس یہ ہے کہ لذت فانی کا تعلق موجِ طوفانِ تمنا سے آتنا بھی نہین جتنا اصل شعر مین وعدے سے تھا کہ تمنا تو پیدا ہوتی ہے اور اب تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ کجا موجۂ طوفان اور کجا لذت فانی،

اللہ اکبر بات کا سمجھنا بھی کسقدر مشکل ہے۔ معلوم نہین جناب نقاد اس وقت ہین کہان، اسلئے کہ اب تو دونون مصرعون مین آتنا اور ایسا ربط پیدا ہوگیا ہے کہ جس نے دیدہ ودانستہ آنکھ بند نہ کرلی ہو اُسے نظر آئے جناب طباطبائی نے مصرع کی حقیقی روح پہچانی اور یہ دیکھکر کہ شاعر کو اسوقت دنیا کی ہر شے بےحقیقت نظر آرہی ہے، وعدۂ باطل، کو لذت فانی سے بدل دیا اور اب مطلب یہ ہوا کہ انسان کی تمناؤن کا طوفان وہم سے زیادہ وقعت نہین رکھتا اور لذت فانی جسکے لئے تمنائین پیدا ہوتی ہین (یا جو تمناؤن کا نتیجہ ہے) وہ خواب سے زیادہ حقیقت نہین رکھتی، انسان کی تمناؤن کے طوفان کو وہم کہا جسکے معنے یہ ہوئے کہ جسطرح دہم کے مرقع مین صدہا تصویرین ایسی نظر آتی ہین جنکا وجود خارج مین نہین ہوتا، اسی طرح طوفانِ تمنا دیکھنے ہی بھر کا ہے

اصلیت کچھ بھی نہین، لذت فانی، کو خواب سے تعبیر کیا یعنے جسطرح خواب مین انسان خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے مگر جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ تھا۔ اب ظاہر ہو گیا کہ لذت فانی کا خواب ہونا کیونکر ممکن ہے۔

مبصر مارچ ۲۹ سنہ ۶ صفحہ ۳۴ کالم ۱ سطر (۱۱-۱۶)

ارشاد ناطق - نوح نے تمام شعر مین صرف لفظ موجہ پر نوٹ دیا ہے اور اُسی کو بدلا ہے یعنی اُسکی جگہ کثرت بنادیا ہے۔

جز خواب نہین وعدہ باطل کی حقیقت

اصلاح نوح

جز وہم نہین کثرتِ طوفان تمنا

التماس بیخود - حضرت ناطق جناب نوح کی طوفان خروشیون سے نطق فراموش ہین اور کوئی اچھی بُری رائے نہین دیتے۔

وہم کی خلاقی پر نظر کیجائے تو اُسکے ساتھ کثرت طوفان، ت، اور ط کے تصادم پر بھی لطیف نظر آتا ہے مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس شاندار اور گران لنگر جزو شعر کا تقابل، وعدہ باطل ایسے سبک سنگ سے آپڑا ہے تو انتخاب الفاظ کی گردن پر چھُری پھرتی نظر آتی ہے وعدہ باطل کی کشتی کو موجۂ طوفان، ہی بہائے لئے جاتا تھا کثرت طوفان نے تو اُسے ڈبو ہی کر چھوڑا۔

مبصر مارچ صفحہ ۳۴ کالم ۱ سطر ۱۷-۲۰ سطر ۱-۲

ارشاد ناطق - نیاز اکثر توجیہ اصلاح لکھ دیتے ہین اس شعر پر حسب ذیل ہے

توجیہ نیاز

چونکہ وعدہ باطل کا تعلق دوسرے سے ہے اسے وہم کہنا مناسب ہے اور طوفانِ تمنا کا تعلق اپنی ذات سے ہے اس لئے اسکو خواب سے تعبیر کرنا چاہیئے۔

ایراد ناطق - یہ بات تو سمجھ مین آگئی کہ طوفانِ تمنا کا تعلق اپنی ذات سے ہے

اور وعدہ باطل کا فریق ثانی سے مگر سوال یہ ہے کہ کیا طوفان خواب ہوسکے گا
اور دوسری مشکل یہ ہے کہ وعدہ باطل وہم کیونکر ہوگا، وعدہ اُسکا ہے نہ
کہ ہمارا اگر وعدہ ہوگا تو اُسی کا ہوگا جیسا کہ بقول نیاز یہ کلیہ ہے کہ طوفانِ تمنا
ہماری ذات سے تعلق رکھتا ہے لہذا ہمارا خواب ہے پھر اُسکا وعدہ
ایک واقعہ ہے، واقعہ وہم نہیں ہوسکتا بلکہ خواب تو ہو بھی سکتا ہے۔

اصلاح نیاز

جز وہم نہیں وعدہ باطل کی حقیقت
جز خواب نہیں موجۂ طوفانِ تمنا

مصرع اولیٰ میں وہم اور حقیقت کا صرف برمحل نہیں ہے اگر ایک بھی بدل جاتا تو صحیح ہوجاتا اور مصرع ثانی میں موجۂ طوفانِ تمنا کا خواب ہونا بعید از قیاس ہے یا تو وہ (وہم) نہیں ہے یا یہ خواب نوم نہیں بلکہ خواب مرگ ہے۔

بیخود۔ بیشک حضرت نیاز کی توجیہ معنی سے بے نیاز ہے۔ مگر جناب نقاد کا ارشاد بھی ایک معما ہے اسلئے کہ کبھی تو ارشاد ہوتا ہے خواب اور وعدہ باطل کی تشبیہ غیر مناسب ہے کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ وہم اور موجۂ طوفان میں تشبیہ صحیح نہیں اور بیان فرماتے ہیں کہ دو میں سے کوئی بدل جاتا تو شعر صحیح ہوجاتا۔

ارشاد ناطق۔ جگر بسوانی کی اصلاح اس شعر پر معنی خیز ہے۔ ...مارچ ۲۶، ۱۹۳۱ کالم ۲ سطر (۱۱-۱۶)

اصلاح جگر

سمجھے یہ تیرے وعدہ باطل کی حقیقت
ہے وہم وگمان موجۂ طوفانِ تمنا

اگرچہ ہم مقدر ہے مگر خیر کچھ ایسا بُرا نہیں ہے مطلب یہ کہ تیرے

وعدۂ باطل کی حقیقت یہ ہے کہ اُس نے جو ایک طوفانِ تمنا پیدا کر دیا ہے وہ وہم و گمان سے زیادہ اصلیت نہین رکھتا کیونکہ وعدہ جھوٹا اور تمناؤن کا جوشش بیکار محض۔

التماسِ بیخود۔ بعض حضرات کی تحریر کا معجزہ یہ ہے کہ شعر سے شعریت جاتی رہتی ہے یہی حال ہمارے ناطق صاحب کا بھی ہے۔ آپنے اچھے خاصے شعر کا مطلب لکھکر اُسے گوہرِ بے آب ساغرِ بے شراب بنا دیا ہے جناب جگر نے شبِ انتظار مین عاشقِ بیتاب کے اُلجھنے کی تصویر اچھی اُتاری تھی یعنی

سمجھے یہ ترے وعدۂ باطل کی حقیقت — ہے وہم و گمان موجۂ طوفانِ تمنا

مگر حضرت ناطق۔ 'وہم' کے مقدر ہونے پر فرماتے ہین کہ خیر کچھ ایسا بُرا نہین یہ بھی آپ کی سخن سنجی کا سحر ہے حالانکہ بیان 'وہم' کا نہ ہونا ہی فصیح و پُر لطف ہے اسلئے کہ قرینہ خود حصر کرتا ہے کہ یہ واقعہ اپنا ہی ہے، وہم آجاتا، تو حشو کا گھر آباد اور فصاحت کا گھر ویران ہوجاتا ہان یہ ضرور ہوا کہ مصنف کا طرزِ ادا باقی نہ رہا

شعر پنجم۔ اصل شعر

تیری نگہ لطف تھی تمہید محبت
میری نگہ شوق ہے عنوان تمنا

مبصر مارچ ۲۹ سنہ صفحہ ۲۴ کالم ۲ سطر (۱۷-۲۵) صفحہ ۲۵ کالم ۱ کل کالم ۲ سطر (۱-۸)

ارشادِ ناطق۔ تخیل یہ ہے کہ تو نے جو نگاہِ لطف سے مجھے دیکھا تھا اُس سے میری محبت کی ابتدا ہوئی (لفظ میری) محذوف ماننا پڑیگا اور میری نگاہِ شوق سے تمناؤن کا آغاز ہوا۔

عیوب۔ جبتک لفظ محبت عاشق کی طرف مضاف نہ ہو سیاقِ عبارت

سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نگاہ کا مضاف الیہ جو ہے وہی لفظ تمہید کا مضاف ہونا چاہیئے، علم نحو مذاق عاشقانہ کا ماتحت نہین کہ خواہ مخواہ ایک نیا مضاف الیہ بغیر کسی وجہ کے پیدا کرلے۔ مگر مذاق عاشقانہ کی یہ سفارش کافی ہے کہ محبت کا مفہوم محبت عاشق ہے۔

دوسرا عیب۔ اس شعر مین یہ بھی ہے کہ شوق اور تمنا کا مفہوم ایک ہی ہے فرض کیجئے کہ شوق دیدار یا وصل ہے مگر اسی کا نام تمنا اور ارمان ہے نگہ شوق کے کئی معنے ہین ایک یہ کہ استعارۃً شوق کو نگاہ فرض کرلیا جائے تو بھی ماننا پڑے گا کہ شوق کسی نہ کسی بات کا ہوگا پس کسی چیز کا بھی شوق ہو تمنا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اضافت بیانیہ سے یہ معنی لئے جائین کہ جو نگاہ مشتاق کا مفہوم ہے یعنی ایسی نگاہ جس سے شوق ظاہر ہوتا ہو۔ تیسرے معنی یہ ہین کہ شوق ایک فرد ذوی العقول مین سے تسلیم کرلیا جائے جس کا صاحب نگاہ ہونا خلاف فطرت نہین ہے اور یہ معنی بیان کی رُو سے جائز و مستعمل ہے جیسا کہ خونِ آرزو، فغانِ دل وغیرہ، چوتھی صورت یہ کہ شوق (تخلص) شاعر کی نگاہ آخری دونون صورتون مین معنی درست ہوتے ہین اور تکرار معنوی واقع نہین ہوتی مگر فن شاعری کا مسلک یہ ہے کہ اگر ایک چیز مفید مطلب نہ ہو تو شعر ناقص ہے اگر مخالف مطلب ہو تو غلط ہے لہذا مصرع ثانی بھی مجروح ہوتا ہے۔

یہ تو ناظرین نے غالباً بھلایا نہ ہوگا (کتنا پیارا انداز تقریر ہے گویا تمام ناظرین حضرت ناطق کے شاگرد یا در مِ خریدہ غلام ہین) کہ تمہید محبت مین

سوائے مذاق عشق کے کوئی نحوی قرینہ اس امر کا نہین ہے کہ جس کی نگاہ ہے
اُسی کی محبت نہ سمجھی جائے بلکہ ایک دوسرے شخص کی مگر مجھکو اپنی کسی رائے
پر اصرار نہین ہے کیونکہ چوبیس شاعرونکی رائے اور میری رائے سے
اختلاف ہے اور صرف دو صاحبون سے تائید، ۲۴ مین سے ۹ نے صاد
کا خلعت دیا ہے اور داد دی ہے، احسن ۔ جگر ۔ ریاحن ۔ زہری ۔ صفی
محشر ۔ بیباک ۔ شہرت ۔ نواب ۔ اور دس نے اصلاح سے بے نیاز رکھا
ہے، آرزو ۔ اطہر ۔ بیخود دہلوی ۔ باقی دل ۔ جلیل ۔ مضطر ۔ نظم ۔ نوح
یکتا ۔ باقی پانچ صاحبون نے اصلاح تو دی ہے مگر دونون عیوب کی
پروا نہین کی ہے ۔ ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ میری رائے کی وقعت
خود میرے دل مین کیا ہوسکتی ہے ۔ مگر شاید اس فن کی خدمات سے
یہ مباحث باہر نہ ہونگے ممکن ہے کہ تبصرہ بھر مین میرا کوئی خیال صحیح
ہو یا قریب صحت تو اس سے آیندہ کچھ لوگ احتیاط کرینگے ۔

نساس بیخود ۔ یہ خیال بے بنیاد ہے کہ تیری نگاہ لطف سے میری محبت کی ابتدا ہوئی پھر اُسکے ساتھ یہ شدت کہ لفظ میری کو محذوف ماننا پڑے گا یہ قول جناب کی انتہائی سادگی ظاہر کرتا ہے اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب صوف معشوق مین محبت کے جذبہ کا وجود تسلیم ہی نہین کرتے حالانکہ اسکا غلط ہونا محتاج دلیل نہین، شاید لفظ دلدار، اُنکی نظر سے کبھی گذرا ہی نہین جسکا مفہوم معشوق و عاشق نواز ہے

دلم بُردی و دلداری نہ کردی (ملا جامی) غمم دادی و غمخواری نہ کردی

جسکو شکستن دلِ عاشق عذاب ہو (مومن) وہ اور جانکنی کے محن وا مصیبتا

اگر انسان عاشق ہو مبتلائے ہوس نہ ہو تو یہ ممکن ہی نہین کہ معشوق اُسے نہ چاہے حضرت ناطق کی عقل آرائیان رنگ لاکے رہین اور اُمور بدیہی کیلئے بھی دلیل و ثبوت کی ضرورت پیش آنے لگی جناب مرزا محمد ہادی صاحب رسوا لکھنوی نے غالباً یہ شعر ایسے ہی موقع کیلئے فرمایا ہے ؎

دکھایا جہل نے تحقیق کا اثر اُلٹا (رسوا) مقدمات بدیہی بھی ہو گئے نظری

یہ ظاہر ہے کہ معشوق کا بیوفا ہونا مشہورات سے ہے اور حضرت نقاد ٹھہرے مشہورات کے حلقہ بگوش، واقعیت سے انھین دور کا واسطہ بھی نہین اُنھون نے کبھی اِس راز کی پردہ کشائی ضروری نہین سمجھی کہ آخر عشاق معشوقونکو بیوفا کہتے کیون ہین مین مختصر طور پر بیان کئے دیتا ہون۔

عاشق دیوانگی شوق مین یہ چاہتا ہے کہ معشوق ہر وقت اُسکی تمناؤن کو پورا کرتا رہے بھلا یہ بات کہان ممکن ہے، عاشق کی اکثر آرزوئین اچھا خاصہ دیوانہ پن ظاہر کرتی ہین معشوق انھین حماقت سمجھتا ہے ظاہر ہے کہ معشوق جسکے قبضہ قدرت مین ہو وہ اگر ایسی آرزو کرے جیسی مرزا غالب علیہ الرحمہ کے اس شعر مین ہے تو اُسے ضدی یا بیوفا کہنا صرف عاشق دیوانہ ہی پر زیبا ہے۔

دہوتا ہون جبکہ پینے کو اُس سیمتن کے پانو (غالب) رکھتا ہے ضد سے کھینچکے باہر لگن کے پانو

ظاہر ہے کہ یہ آرزو کیسی ہے؟

معشوق بیوفا ہو ہی نہین سکتا اسلئے کہ عشق اثر نہ ڈالے محال ہے ہوس کی بات اور ہے مومن خان کے شعر پر نظر ڈالئے تو حقیقت آئینہ ہوجائے۔

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا (مومن) مین الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

یاروں پہ کھلگیا اثر الفت نہان (داغ) اُس بُت کے اضطراب نے رسوا کیا مجھے

مصیبت یہ آپڑی ہے کہ ہوس اور عشق مین امتیاز نہین کیا جاتا ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب معشوق کے معنے رنڈی (اس لفظ سے کوئی صرف جوان عورت ہی نہ سمجھے جیسا کہ میرو انشا و رنگین وغیرہ کے زمانہ مین سمجھا جاتا تھا بلکہ شاہد بازاری مراد ہے) عیاش کیلئے لفظ عاشق اور ہوس کے لئے لفظ عشق استعمال ہوتا تھا اور کہ بعض شعرا نے اسی التباس کی وجہ سے معشوق کا لفظ چھوڑکر محبوب کا لفظ اختیار کیا تھا اور اسلئے اختیار کیا تھا کہ وہ اپنی زبان اور اپنے بیان مین اتنی قدرت نہ پاتے تھے کہ دنیا کو اپنی نوائے دلکش سے شیفتہ و مسحور کر کے لفظ معشوق کو اُسکی حقیقی منزلت پر پہونچا سکتے مثلاً کوئی ایسا نہ تھا جو یون کہ سکتا۔

(نظیری نیشاپوری)

تا منفعل ز رنجش بیجانہ نمیش | می آرم اعتراف گناہ نبودہ را
رنجانم ز خود ہر گز دلے را | کہ می ترسم درو جائے تو باشد

(سہیلی ہروی)

ز دیدن تو دلم یافت لذتے کہ فلک، | نعوذ باللہ اگر فکر انتقام کند،
بہ بدی در ہمہ جا نام بر آرم کہ مباد | (لاادری) خون من ریزی و گویند سزاوار بود

(سعدی)

عجب است با وجودت کہ وجود من بماند | تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند
نشوم سیر از نظارۂ تو | ہم چنان کز فرات مستسقی

(عراقی)

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت | سرِ دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(غالب)

ببشا پاسِ ناموست زخویشم بدگمان دارد | نہ شوریدہ نالہ می ریزم نمک در دیدہ در بازا

(میر)

دور بیٹھا غبار میرؔ اُس سے | عشق بن یہ ادب نہیں آتا

(سودا)

کرتے ہیں اسیر قفس و دام بھی فریاد | لے سکتے نہیں سانس گرفتارِ محبت

حقیقت یہ ہے کہ عاشق بھی معشوق ہے اور معشوق بھی عاشق، یہی محبت دونوں کو یکساں بیقرار رکھتی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ مقتضائے غیرتِ عشق ہے کہ طرفین میں ہر ایک اپنے کو عاشق دوسرے کو معشوق کہتا ہے۔

(نکتہ)

مگر میرا یہ خیال نہیں۔

میرے نزدیک طرفین اپنے آپ کو عاشق صرف کہتے ہی نہیں بلکہ پاتے بھی ہیں اس لئے کہ ہر ایک اپنے آپکو حد کا بیقرار اور انتہا کا بیصبر پاتا ہے۔ دوسرے کی بیتابی کا علم اگر ہوتا بھی ہے تو بربنا رقیاس یا یکجائی کی حالت میں جو کبھی کبھی نصیبوں سے میسر آتی ہے کبھی اُسکے بیان کرنے سے کبھی حال پریشان پر نظر کرنے سے اور ظاہر ہے کہ اپنی بیتابیوں کا جیسا علم انسان کو خود ہوتا ہے نہ کسی کو ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے یہی راز ہے کہ عاشق و معشوق میں سے ہر ایک اپنے کو عاشق کہتا اور دوسرے کو معشوق سمجھتا ہے اور چونکہ دل چیر کر دکھانے یا دکھانیکی چیز نہیں اسلئے دوسرے کا حال واقعی نہیں کھلتا اور ہر ایک اپنے کو زیادہ بیتاب سمجھتا ہے۔

عشق میں بیوفائی کا وجود ہی نہیں اگرچہ کچھ لوگ طبعاً بیوفا ہوتے ہیں مگر عشق انسان کی کایا پلٹ کردیتا ہے دل آجانے پر دوسرے سے بیوفائی کرنے کا تو کیا ذکر ہے حسین ہمیشہ اس بات کو ڈرا کرتے ہیں کہ کہیں ہمارا معشوق بیوفا نہ نکل جائے

رسم و رواج ۔ مجبوری ۔ آزادی ۔ بیتابی اور حیا وغیرہ کی کارفرمائیاں ہوتی ہیں جسے چاہنے والا علم صحیح کے نہونے کی وجہ سے بیوفائی سمجھتا ہے۔

بظاہر شاہدان بازاری میں عشق و وفا معدوم ہے لیکن حقیقت مسکراتی ہے کہ یہ بھی غلط ہے اُنکا پیشہ اُنکو بہتیروں سے اظہار محبت پر مجبور کرتا ہے ورنہ وہ بھی کسی ایک شخص پر جان دیتے ہیں جب حقیقت یہ ہے تو معشوق سے محبت کا انتساب ایک امر واقع ہے اوسپر اسقدر طوفان اُٹھانا کیا ضرور ہے۔

۳ :- حضرت ناطق نے اس شعر میں دوسرا عیب یہ بتایا ہے کہ دوسرے مصرع میں تکرار معنوی واقع ہوتی ہے وہ اس لئے کہ شوق و تمنا ہر حال میں ایک ہی ہیں یا دراصل ہوی باطل کے ثابت کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں اُنکی عبارت اوپر نقل کی جاچکی۔

ارشاد ناطق کی بیسروپائی ۔ اس اعتراض سے مدیر مبصر کی کوتاہی نظر بلکہ فقدان البصر کا ثبوت ملتا ہے یہی مدیر مبصر جنھوں نے مبصر جنوری کی لوح پر اپنا یہ شعر بخط جلی لکھوایا ہے (جو آگے بڑھکر نکال دیا گیا)

کمن نہفتہ لنبورت رموز سیرتھا (ناطق) کہ ور لبارت ما مینت جز لبمیر تھا

مبصر جنوری لوح محل

سیرت تو سیرت ہے صورت کے خط و خال کی دلکشی و نفرت انگیزی کے ذوق صحیح سے بھی محروم نظر آتے ہیں۔

اسمین شک نہین کہ کبھی کبھی شوق و تمنا ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہین لیکن یہ غلط محض اور محض غلط ہے کہ کہین بھی دوسرے معنے اِن کے نہین لئے جاتے۔ ہے یون کہ لفظ شوق و تمنا مختلف معنون پر نظر آتے ہین کہین شوق تمنا کی فرع کہین تمنا شوق کی فرع نظر آتی ہے اور دونون مین وہی فرق پایا جاتا ہے جو آدمؑ اور اولاد آدمؑ اور برہمن اور برہما مین نظر آتا ہے کہین شوق نام ہے رغبت و میلان طبیعی و رجحان فطری کا کہین نام ہے عشق کا وغیرہ وغیرہ۔

اگر شوق و تمنا صرف مترادف ہی ہوتے تو شوقِ تمنا آفرین، اور شوق آرزو کیش، کی ترکیبین مہمل ٹہرتین جو رقعات بیدل مین نظر آتی ہین۔

جب حقیقت یہ ہے تو شعر مابالبحث کے دوسرے مصرع مین شوق اور تمنا کو یکجا دیکھکر تکرار معنوی کا قائل ہونیوالا صاحب نظر کیا صاحب حواس بھی نہین قرار پاتا۔

مندرجۂ ذیل مثالون سے واضح ہو جائے گا کہ لفظ شوق ہر مقام پر تمنا کا قائم مقام نہین ہو سکتا۔

جناب مولوی حکیم سید محمد حسینؒ صاحب گریان اعلی اللہ مقامہ (لکھنوی) منتخب المصائب المعروف بہ مجالس حسینیہ تفسیر آیۂ وقفوہم کی تحت مین لکھتے ہین۔ منتخب المصائب صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ تصویر عالم پریس سنہ ۱۹۰۶ء

"اور جو شخص کہ جناب امیر المومنینؑ کو دشمن رکھے گا وہ داخل جہنم ہو گا اور ہرگز ہرگز پل صراط سے گذر نہ سکے گا اور حرارت دوزخ اُسکو اسقدر صدمہ پہونچائیگی کہ وہ فریاد کرے گا اور کوئی شخص اُسکی فریاد کو نہ پہونچے گا اور وہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دنیا کی طرف پھیر دیتے اور مین جناب امیرؑ کو دوست رکھتا یا کاشکے مین جلکر خاکستر ہو جاتا اگر کسی طرح اُس کے عذاب مین تخفیف نہ ہوگی۔ (بقدر حاجت)

کیا کسی مین قدرت ہے کہ اس عبارت (اور وہ تمنا کرے گا۔ الخ) مین تمنا کو شوق سے بدل سکے۔ مولوی محمد حسین صاحب گریان، جناب ناطق کی طرح حکیم (طبیب) بھی تھے فرد نقل بھی ستے تھے اہل زبان بھی تھے طب اور عربی کی کتب متداولہ کا درس بھی دیتے تھے لیکن مجھے یہان اُنکی اُردو سے بحث نہین کہ ٹکسالی تھی یا نہ تھی مجھے تو اس مقام سے بحث ہے اسلئے اُنکا معتبر یا غیر معتبر ہونا نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہین رکھتا۔

یا اس آیۂ کریمہ مین ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا (اور کافر کہے گا کاش مین خاک ہوتا) لیت یعنی کاش حرف تمنا ہے، اس لئے مفہوم یہ ہوا کہ وہ تمنا کرے گا، کاش مین خاک ہوتا یہان تمنا کی جگہ شوق بولنے والا دنیا کے پردہ پر نظر نہین آتا۔

اب مین اساتذہ متقدمین و متاخرین کے کچھ اشعار نقل کرتا ہون جنسے کھل جائے گا کہ شوق اور تمنا کن کن معنون پر بولے جاتے ہین۔

دل کھنچے جاتے ہین اُسی کی اُور (خدائے سخن میر) سارے عالم کی وہ تمنا ہے

تمنا = آرزو یعنی مدعائے آرزو۔

لکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر (خدائے سخن میر) شوق نے بات کیا بڑھائی ہے،

شوق = شوق لفظ تمنا اس محل پر نہین بولا جا سکتا۔

گر ترے دل مین ہو خیال وصل مین شوق کا زوال (غالب) موج محیط آب مین مارے ہے دست و پا کہ یون

شوق = چوپ۔ ولولہ، اُمنگ

ہے چشم تر مین حسرت دیدار سے نہان (غالب) شوق عنان گسیختہ دریا کہین جسے

شوق عنان گسیختہ = شوق بے اختیار

نادان ہین جو کہتے ہین کیون جیتے ہو غالب (غالب) قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

تمنا = آرزو = یہان شوق نہین کہہ سکتے۔ ——

وان سے یان آئے تھے ای ذوق تو کیا لائے تھے (ذوق) یان سے تو جائینگے ہم لاکھ تمنا لیکر

تمنا = آرزو۔ یہان لفظ شوق آیگا شوق کرے گھبرا اُٹھ ——

وقتِ آخر پوچھتے ہو کیا ہماری آرزو (داغ) اشکباری ہے تمنا بیقراری آرزو

تمنا = آرزو یہان لفظ شوق کی گنجائش ہی نہین۔ ——

ہوتی ہے وہان اور جفاؤن کی ترقی (داغ) اے ذوق فزون ہو بھی اسے شوق سوا ہو

شوق = شوق۔ اسے تمنا سے بدلنے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ——

لے اے دل بیتاب تمنائے شفا کر (داغ) درمان سے ہوا درد والم اور زیادہ

تمنا۔ آرزو۔ یہان شوق کی جگہ نہین ——

آنکھ لگی ہے اونکو تصویرون سے شوق (داغ) کیا کبھی دیکھی تھی حیرانی مری

شوق۔ شوق اودھر تمنا کو دور باش محل قدم بڑھانے اجازت نہین دیتی

ان کو ہے عدو سے وہ تمنا (داغ) جس بات کی ہم نے آرزو کی

تمنا = آرزو۔ شوق اودھر پڑھنے کا شوق کرے تو بُری ٹھہرے ——

لے دیکھئے یہان دل مین ہے کیا ایک تمنا (داغ) وہ تا بزبان خوف سے لائی نہین جاتی

تمنا = آرزو یہان شوق کو لائیے تو اُسیطرح آئے جس طرح دروپدی کورونکے دربار مین آئی تھی۔

ہجر مین سونیکی ایسی ہے تمنا اے وزیر (خواجہ وزیر لکھنوی) دیکھتا ہون اُسکو حسرت سے جسے آتی ہے نیند

تمنا = آرزو ——

اب اس امر مین جائے دم زدن نہین۔ کہ شوق ہر جگہ تمنا کا مترادف نہین ہوا کرتا یہان نگاہ شوق سے مراد شوق بھری نگاہ کے سوا کچھ نہین۔

ارشاد ناطق ۔ چند خاص اصلاحون کی طرف توجہ دلاتا ہون جن سے کسی نہ کسی مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے ۔

اصلاح افضل

تیری نگہ لطف ہے تمہید محبت
میری نگہ شوق ہے عنوان تمنا

معیار مارچ ۲۹ سنہ ء صفحہ ۲۵ کالم ۲ سطر ۶ تا ۱۰

صرف پہلے مصرع مین 'تھی' کی جگہ 'ہے' بنایا ہے شاعر کا تو یہ مقصد تھا کہ ایک مرتبہ اُسنے نگاہ لطف سے جو دیکھ لیا تو عاشق کیلئے محبت اور تمناؤن کا سلسلہ شروع ہو گیا مگر اصلاح یہ کہہ رہی ہے کہ وہ برابر نگاہ لطف سے دیکھ رہا ہے بعینہ یہی اصلاح شفق نے دی ہے ۔

التماس بیخود ۔ 'تھی' اور 'ہے' کا جھگڑا انشاء اللہ میری اصلاح کے موقع پر طے ہو رہے گا اور جناب نقاد نے شعر کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اس پر بھی وہین نظر کر لی جائیگی ۔

معیار مارچ ۲۹ سنہ ء صفحہ ۳۲ کالم ۲ سطر ۱۰ تا ۲۱

ارشاد ناطق ۔ بیخود موہانی نے لفظ محبت کو تغافل سے بدلکر اپنی ذہانت کا ثبوت دیا ہے مگر افسوس ہے کہ 'تھی' کو 'ہے' بنا دیا کہ جس سے مذاق عشق و تقاضاء حسن کی توہین ہوتی ہے کاش وہ ایک ہی لفظ بدلتے ۔

التماس بیخود ۔ مین جناب نقاد کا منت گزار ہون کہ محبت کو تغافل سے بدلنے پر اظہار پسندیدگی فرمایا ۔

اب مین 'تھی' اور 'ہے' پر بالتفصیل بحث کرنیکی اجازت چاہتا ہون اسمین شک نہین کہ جیسا زمانہ حضرت شوق نے اس شعر مین قائم کرنا چاہا تھا (اور قائم نہ ہو سکا) وہ ولد کے قابل ہوا کرتا ہے ۔ (مثلاً)

کھُلے گر بال و پر اب کے تو صیّاد (داغ علیہ الرحمہ) قفس رکھا ہوا ہے آشیان مین ،

فغان کو لاگ تری آسمان سے (داغ علیہ الرحمہ) اُٹھا جاتا ہے پردہ درمیان سے

جفا کی ان بتون نے یا وفا کی (داغ علیہ الرحمہ) دیا دل اب تو جو مرضی خدا کی

ان اشعار مین کئے گڑ کے ساتھ قفس رکھا ہوا ہے۔ اُٹھا جاتا ہے۔ اُٹھ جائیگا کے محل پر اور جفا کی وفا کی جفا کرین اور وفا کرین کے مقام پر رکھنا قابل واہ ہے اس طرح یہ الفاظ صرف ہوئے ہین کہ فصاحت بلائین لیتی ہے روزمرہ دعائین دیتا ہے۔ حضرت شوق نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا تھا افسوس ہے کہ بن نہ پڑا اگر وہ کسی طرح قابل ملامت نہین اساتذہ سے یونہی سیکھا کرتے ہین جس مقام پر لکھنو کے سب سے بڑے نقاد (بزعم خود) حضرت ناطق کو لغزش ہو وہان حضرت شوق کی لغزش کو دیکھنا جناب نقاد کی توہین کرنا ہے۔

اب مین عرض کر دون کہ 'تھی' اور 'ہے' کے ساتھ رہنے مین شعر کا کوئی معقول مفہوم ہے بھی یا نہین۔

یہ شعر اپنی اصلی حالت پر رہے تو مفہوم یہ ہوگا۔

اصل شعر۔

تیری نگہ لطف تھی تمہید محبت میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

شعر کی تخیل ۔ تیری نگاہ لطف تیری محبت کی تمہید تھی۔ اور میری نگاہِ شوق تمنا کا عنوان ہے یعنی تونے جو نگاہِ لطف سے مجھے دیکھا تھا تو وہ تیری محبت کی تمہید تھی اور اُس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ یہ التفات آگے بڑھ کر محبت ہو جائے گا لیکن ایسا نہین ہوا اگر میری نگاہِ شوق ابھی تک مضمونِ تمنا کی سرخی (عنوان) بنی ہوئی ہے یعنی اگرچہ تونے مجھ سے محبت نہین کی مگر مین ابھی تک منزلِ آغاز تمنا مین ہون۔

ع تیری نگاہ لطف تمہید محبت تھی، اب عین محبت ہو گئی یعنی تمہید اب اصل مضمون

(محبت، بن گئی اگر 'تھی' سے یہ مطلب نکالا جائے تو کوئی امر مانع نہین۔

نکتہ۔ ایک نازک بات کہہ لون تو آگے بڑھون۔

شاعر نے پہلے مصرع مین 'نگاہ لطف' کو تمہید محبت اور دوسرے مصرع مین 'نگاہ شوق' کو عنوان تمنا کہا ہے، شعر مین تمہید و عنوان کا تقابل موجود ہے اسلئے یہان عنوان (سرخی۔ سرنامہ) ابھی معناً تمہید ہی کے لگ بھگ بلکہ اُس سے پست لفظ ٹھہرتا ہے اور اب صاف کھلجاتا ہے کہ پہلے مصرع مین بھی 'تھی' کی جگہ 'ہے' ہونا چاہیئے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ کہنا کہ تونے کبھی مجھے نگاہ لطف سے دیکھا تھا، اُسوقت سے آجتک یعنی اتنا زمانہ گذرنے کے بعد بھی میری نگاہ (مضمون تمنا) دفتر تمنا نہ بنی عنوان تمنا بنی رہی کیسی لغو بات ہے، دوسری لغویت اسکی یہ ہے کہ 'تمہید' عنوان اور اصل مضمون کی درمیانی منزل ہے یعنی پہلے عنوان قائم قائم کرتے ہین پھر تمہید لکھتے ہین آخر مین ربط دیکر اصل مضمون (مدعا) شروع کردیا کرتے ہین، یہ کتنی ناموزون بات ہے کہ معشوق تو محبت کے عنوان سے آگے بڑھکر تمہید تک پہونچ گیا اور عاشق صاحب ابھی تک عنوان کی پہلی منزل مین کھڑے یا پڑے ہین یہی سبب تھا کہ مینے پہلے مصرع مین 'تھی' کو 'ہے' سے بدل دیا اور اب شعر کی یہ صورت ہوگئی۔

بیخود خاکسار کی اصلاح

تیری نگہ لطف ہے تمہید تغافل
میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

اور شعر کا مفہوم یہ ہوگیا کہ تیری نگاہ لطف کا انجام تغافل ہے اور میری نگاہ شوق کا انجام تمنا یعنی تو آگے بڑھکر سراپا تغافل اور مین سراپا تمنا ہوجاؤن گا۔

جناب نقاد کی سخن سنجی سے ڈرتا ہون اس لئے مناسب نظر آتا ہے کہ میری اصلاح

سے جو بات شعر میں پیدا ہو گئی ہے اُسے سمجھا بھی دون۔

وجوہِ بلاغت۔ اول دن سے یہ جاننا۔ کہ جو آج مہربان ہے کل نامہربان ہو جائے گا۔ اور تغافل کرے گا پھر اُسکی تمنا کرنا اور ہمیشہ تمنا کرنا بلکہ سراپا تمنا بنجانا زیادہ اثرانگیز ہے۔ شعر کی صورت موجودہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق کی رفتار اور اُسکی اُفتادِ مزاج سے عاشق بیخبر نہین وہ خوب جانتا ہے کہ مجھ سی محبت کرنا تو درکنار مین اِسے یاد بھی نہ رہونگا پھر بھی اپنے دل کو اسقدر بے اختیار پاتا ہے کہ یہ سمجھ لینے پر مجبور ہے ع جو کچھ مرے نصیب کا ہونا تھا ہو گیا یعنی ہم ایسے پھنسے کہ اب کبھی دامِ محبت سے رہائی نہوگی۔

میری اصلاح مین 'تمہیدِ عنوان' والے اعتراض کی گنجائش نہین اسلئے کہ یہان 'تمہیدِ محبت' کا ٹکڑا 'تمہیدِ تغافل' سے بدلگیا ہے اگر معشوق عنوان تغافل سے تمہیدِ تغافل تک پہونچگیا تو کیا علاوہ برین یہ بات بھی ہو کہ اس ٹکڑے سے یہ بھی نکلتا ہے کہ التفاتِ یار مین اندازِ تغافل کی جھلک پائی جاتی ہے۔

یہان 'ہے' سے وہ دوام پیدا ہو گیا ہے جو حضرت ناطق کے نزدیک 'تھی' اور 'ہے' کے اجتماع سے ممکن تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ صرف 'تھی' کو 'ہے' سے بدل دینا کافی تھا 'تمہیدِ محبت' کو تمہیدِ تغافل سے کیون بدلا اسکا جواب یہ ہے کہ شعرِ مصنف (تیری نگہ لطف تھی تمہیدِ محبت، میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا) مین 'تھی' کو 'ہے' سے بدل دینے کے بعد شعر کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تو مجھ سے محبت کرے گا مین تیری تمنا کرونگا۔ یہ اگر واقعہ بھی ہو تو شعر مین کہنے کے قابل نہین ہے یہ تو بنیون کا سا بیوہار ہے، پہلے شعر عامیانہ تھا اب شاعرانہ ہے۔

ارشادِ ناطق۔ عزیز کی اصلاح مین مصرع اولے کے دونون عیب نکل گئے

ع۔ تیری نگہ لطف تھی تمہید مظالم البتہ لفظ مظالم حسن تغزل اور شیرینی

زبان مین مخل ہے اور دو ت کا اجتماع تنافر پیدا کرتا ہے

التماس بیخود۔ شعر مین وہ عیب تھے ہی کہان کہ نکل جاتے ہان جناب کا یہ ارشاد بجا ہے کہ تغزل سے 'مظالم' کا بار نہین اُٹھتا۔ اور تنافر بھی پیدا ہو گیا ہے مجھے اتنا اور کہنا ہے کہ 'تھی' اور 'ہے' کا ساتھ اس محل پر غلط ہے۔

معیار مارچ صفحہ ۳۶ کالم ۱ سطر (۱-۳)

اصلاح مومن

تیری نگہِ لطف تھی اک شوق کی تحریک
(مصرعہ ثانی بدستور) میری نگہ شوق الخ

ارشاد ناطق۔ نگہ کی تکرار مین جو لُطف تھا وہ شوق کی تکرار سے شرمندہ ہو گیا۔

التماس بیخود۔ لاریب شوق کی تکرار سے نگاہ کی تکرار کا لطف جاتا رہا مگر حضرت ناطق کو جناب مومن کا ممنون ہونا چاہیئے کیونکہ اُنھون نے جناب نقاد کے خیال کی عملی تائید فرمائی ہے، جناب نقاد نے زور دیا تھا کہ محبت کے ساتھ 'میری' محذوف ماننا پڑیگا اُنھون نے اسے عمّلاً دکھا دیا۔ اور اب اُنکا مرکوزِ خاطر اصلاح مومن مین صاف نظر آتا ہے یعنی وہ فرماتے ہین کہ تیری نگاہ لطف نے میرے شوق کی تحریک کی اور میری نگاہِ شوق سے تمناؤن کا آغاز ہوا۔ یہ اصلاح جناب ناطق کے لئے باعث امتنان اور فن کیلئے موجب حیف ہے 'تھی' اور 'ہے' کا استعمال بیان بھی صحیح نہین ہوا۔

معیار مارچ صفحہ ۳۶ کالم ۱ سطر (۴۰-۴۱)

اصلاح ناطق

تیری نظر لطف تھی پیغام محبت
میری نگہ شوق ہے عنوان تمنا

ارشاد ناطق۔ مصرع اولیٰ مین تو کوئی عیب نہین رہا مگر مصرع ثانی کا

نقص تکرار شوق و تمنا قیامت تک کیلئے باقی رہ گیا کیونکہ اس کے بعد صرف نیاز کی اصلاح قابل ذکر رہ جاتی ہے۔

التماس بیخود۔ نگہ لطف اور نگہ شوق سے جو تکرار نگاہ کا لطف تھا وہ نگہ کو نظر سے بدل دینے مین جاتا رہا اگر ایک جگہ نگاہ کو نظر سے بدلا تھا تو دوسری جگہ بھی ایسا ہی کرنا تھا غالباً جناب نقاد کو خیال آیا کہ ایک ہی لفظ کا دو بار ایک ہی شعر مین آنا مخل فصاحت ہے یہ یاد آنا تھا کہ قیامت آئی۔ نگہ نظر سے بدلی گئی حالانکہ یہان اقتضاے مقام یہی تھا کہ یہ تکرار باقی رکھی جاتی۔

یہ امر مشتبہ ہے کہ یہان 'پیغام محبت' کے کیا معنی لیے گئے ہین۔ اس لئے کہ ہر صاحب فہم تو یہ سمجھے گا کہ وہ نگاہ لطف جو محبت کا پیغام تھی یہ مفہوم ادا کر رہی تھی کہ مین تم سے محبت کرتا ہون، مگر جناب ناطق فرمائین گے کہ نہین اس کا مفہوم یہ تھا کہ تم مجھ سے محبت کرو (اسلئے کہ حضرت نقاد تمہید محبت کے مقام پر بہایت زور دیکر فرما چکے ہین کہ محبت کے ساتھ 'میری' محذوف ماننا پڑے گا) اور میری نگاہ شوق نے اتنا سہارا پاکر تمناؤن کا آغاز کر دیا۔ یہان بھی 'تھی' کی جگہ 'ہے' چاہیئے اور یہ اصلاح نہایت خوبصورت اصلاح ٹھرتی ہے وہ یون کہ نگاہ لطف یار کبھی محبت کا پیام لائی تھی، حضرت ناطق وہ پیام آتے وقت جس مقام پر تھے یعنی آغاز تمنا کی منزل مین آج بھی وہین موجود ہین ایک قدم آگے نہین بڑھایا ہان اگر 'عنوان تمنا' کی جگہ طومار تمنا ہوتا تو یقیناً اصلاح اگرچہ پھر بھی ناقص رہتی (اسلئے کہ دوسرے مصرع مین عنوانِ تمنا ہے، اسکے مقابل مین دوسرے مصرع مین تمہید محبت یا کوئی ایسا ہی ٹکڑا ہونا چاہیئے تھا لفظ 'تمہید' کو اس شعر سے کوئی ایسا شاعر جو ادیب ہو کبھی نہ نکالے گا) لیکن شعر ضرور اچھا ہو جاتا بُرا ہو قافیہ کی قید کا جس نے زنجیر پا ہو کر 'عنوان' کو 'طومار' سے بدلنے

نہ دیا اسلئے یہ عیب تاقیامت باقی رہ گیا۔

عیب متذکرہ صدر مشرب عاشقی مین گناہ کبیرہ کے مرتبہ تک پہونچتا ہے اس لئے کہ خود نگاہ یار اور خالی نگاہ یار نہین نگاہ لطف یار پیغام محبت لائے اور اُس پر ایک زمانہ گذر جائے جس کا ادراک شعر مین 'تھی' اور 'ہے' کے ہونے سے ہوتا ہے اور عاشق تمنا کی ابتدائی منزل ہی مین ہو بلکہ جہان کھڑا ہو وہین کھڑا رہجائے۔

معیار مارچ ۲۹ سنہ ع صفحہ ۳۶ کالم ۱ سطر (۹-۱۰)

اصلاح نیاز

تیری نگہ لطف نہو وعدۂ تسکین
میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ دوسرے مصرع کا عیب بدستور رہا اور پہلے مصرع کی نظم و بندش اصل شعر سے خوبی مین کم ہوگئین۔

بلکہ نہ ہوکے اجمال نے مہمل اور مصرع ثانی سے بے تعلق کر دیا ہے۔

التماس بیخود۔ دوسرے مصرع مین کوئی عیب نہ تھا یہ ضرور ہے کہ پہلے دونون مصرعون مین ترصیع کی سی شان نکلتی تھی وہ اصلاح نیاز سے جاتی رہی لیکن نہ ہو سے جو اجمال پیدا ہوا وہ مجھکو نظر نہین آتا مین تو شعر کا صاف مطلب یہ سمجھتا ہون کہ تیری نگاہ لطف وعدۂ تسکین نہ ہو نہ سہی مگر میری نگاہِ شوق عنوان تمنا ہے یعنی تو اگر مہربان ہو کر نامہربان ہو جائے تو ایسے تو جان مین ترک تمنا پہ قدرت نہین رکھتا میرا جو حال ہے وہی رہے گا اتنا نقص ضرور ہے کہ لفظ عنوان طومار کیلئے جگہ خالی کرنا چاہتا ہے مگر حضرت نیاز کی نگاہ قہر اُسے وہین رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ وعدۂ تسکین اس شعر مین کوئی خوبصورت ٹکڑا نہین ہے۔

شعر ششم
اصل شعر

اے قافلۂ یاس گذر دل مین نہ ہو کر
پامال نہ کر گورِ غریبانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ صرف تعقیب کی خرابی ہے، نثر سے تخیل صاف ہو جاتی ہے۔ اے قافلۂ یاس دل مین ہو کر نہ گذر، تمنا کے گور غریبان پامال نہ کر، اس شعر کو ۲ شعرا نے اصلاح سے بچا دیا ہے ۱۴ نے شعر کو خارج کر کے اپنی طرف سے ایک ایک شعر موزون کر دیا ہے اور ۱۹ نے اصلاح دی ہے، بہترین اصلاحون مین ایک بیخود موہانی کی بھی اصلاح ہے۔

معیار مارچ ۲۹ء صفحہ ۳۶ کالم ۱ سطر ۱۴ (۱۷-۱۴)

معیار مارچ ۲۹ء صفحہ ۳۶ کالم ۱ سطر ۱۶ (۲۰-۱۶)

اصلاح بیخود موہانی

اب قافلۂ یاس مرے دل سے نہ گذرے
پامال نہ ہو گورِ غریبان تمنا،

ہر چند کہ سب عیب نکل گئے مگر فن شعر بھی وہ نازک فن ہے کہ تاثیر شعر ایک جداگانہ شئے ہے جو اثر اصل مصرع مین تھا وہ اصلاح مین نہ رہا اس کا راز یہ ہے کہ قافلۂ یاس کی طرف خطاب نہ رہا کیف شعری بعض لوگون کی اصلاح مین کافور ہو جاتا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان لوگون نے خود کبھی کسی سے اصلاح نہین لی ہے کہ جس کا یہ نتیجہ ہو جاتا ہے کہ اپنی ذہانت و قابلیت سے حتی الامکان کام لیتے ہین مگر اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین اس لئے ایسے لوگ اگر صحیح

اصلاح دیدین تو اور بھی قابل تعریف ہین۔

التماس بیخود موہانی۔

(عبارت نقاد کی دلآرائی و دلربائی)

جناب نقاد کی اُردو بھی عجیب اُردو ہے صلہ ہے موصول ندارد مبتدا ہے خبر غائب۔
ارشاد ہوتا ہے۔

'ہر چند کہ سب عیوب نکل گئے مگر فن شعر بھی وہ نازک فن ہے کہ تاثیر ایک جداگانہ شے ہے'!

سبحان اللہ اس اُردو کا کیا کہنا مگر فن شعر وہ نازک فن ہے کہ تاثیر ایک جداگانہ شے ہے 'وہ نازک فن ہے' کے بعد صلہ آنا چاہیئے وہ غائب ہے۔

یہ ٹکڑا بھی نہایت خوبصورت ہے

کیف شعری بعض لوگون کی اصلاح مین کافور ہوجاتا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان لوگون نے خود کبھی کسی سے اصلاح نہین لی ہے کہ جس کا یہ نتیجہ ہوجاتا ہے (ہوتا ہے لکنا چاہیئے) کہ اپنی ذہانت و قابلیت سے حتی الامکان کام لیتے ہین مگر اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین، اس لئے ایسے لوگ اگر صحیح اصلاح دیدین تو اور بھی قابل تعریف ہین۔

'مگر اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین' کے بعد اس مفہوم کو ادا کرنا چاہیئے تھا کہ اسی سے بھٹک جاتے اور بہکی بہکی باتین کرنے لگتے ہین جبتک اس مفہوم کا کوئی ٹکڑا نہ ہو عبارت مختل ہی نہین بے معنی ہے۔

مطالب نقاد کی دل آرائی

ارشاد ہوتا ہے کہ صرف تعقیب کی خرابی (نقص) ہے اگر اتنی ہی خرابی ہوتی تو مجھے کیا خدا نے خراب کیا تھا کہ اثر سی شئے کو آپ کے قول کے مطابق مٹا کر رکھ دیتا بندہ پرور مجھے تعجب آتا ہے اس لئے کہ میئے اپنی اصلاح میں اے قافلۂ یاس کو اب قافلۂ یاس بنا دیا تھا اس پر بھی جناب کو تنبہ نہ ہوا یہ ٹکڑا داب نہایت معنی خیز تھا اور بہت بڑا مفہوم اپنے دامن میں لئے تھا اس لئے کہ کیا دنیا میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ تمناؤں کو خاک میں ملانے والا یاس کے سوا کوئی اور بھی ہے 'اب' کہنے سے مدعا یہ تھا کہ تمناؤں کا بچپن تمناؤں کی جوانی جس نے خاک میں ملائی وہ یہی ظالم ہے۔

ایسی حالت میں قافلۂ یاس کو گورِ غریبانِ تمنا کے پامال نہ کرنے کا حکم دینا یا ایسی التجا اُسکے سامنے پیش کرنا خلاف عقل ہے جسے تمناؤں کی رعنائی آرزوؤں کی زیبائی پر رحم نہ آیا وہ اُنکی قبروں کے پامال کرنے میں تامل کیوں کرنے لگا۔ اس لئے قافلۂ یاس کو مخاطب کرنا معیوب ہی نہیں غلط بھی ہے۔

نکتہ۔ دوسرا سبب اس سے بھی زیادہ لطیف و نازک ہے اور وہ یہ ہے کہ جسنے کسی کی گود کے پالونکو یوں خاک میں ملایا ہو اُسے مخاطب کرنیکو جی ہی نہیں چاہتا اس نکتہ سے ہر ماہر نفسیات واقف ہے اور یہی سبب تھا کہ میئے اس محل پر قافلۂ یاس کو مخاطب کرنا صرف بدنما ہی نہیں غلط اور بے محل سمجھا۔

اب رہی تمنا۔ اس کے لئے کوئی قید نہیں تمنا امر محال کی بھی ہوتی ہے اور دل کا مجبور تمنا ہونا ظاہر ہے، مثلاً مُردے کا زندہ ہو جانا غیر ممکن ہے مگر ہم یہ الفاظ برابر سنتے ہیں کاش نہ مرتا کاش جی اُٹھتا۔

اسکے علاوہ یہ سمجھنے میں کون سا امر مانع ہے کہ یہ تمنا خالی تمنا نہ ہو بلکہ دعا ہو اور مخاطب

وہ ہو جس کا لقب مقلب القلوب (خدا) ہے یعنی جو ہر دل کے بدلنے پر قدرت رکھتا ہے۔

اب رہا اثر اور بے اثری کا مرحلہ اسکا نہ ہونا آسان ہے کسی بیداد گر سے (جس نے کسی کے لاڈلون پر دُنیا کا کوئی ظلم اُٹھا نہ رکھا ہو) یہ التجا کرنا کہ ان کی قبرونکو پامال نہ کر، حتیٰ اثر زیادہ ہے یا اپنے دل مین یہ تمنا کرنے مین کہ اے کاش یہ قافلہ جس نے مجھے اتنے ناشاد نامراد اُٹھ جانیوالونکا سوگوار بنا دیا ہے اب ادھر سے نہ گذرتا اور میرے نازپروردونکی قبرین پامال نہ ہوتین۔ اس بے بسی کی تمنا یا دعا اور اس دل مین بے اختیار پیدا ہونیوالی تمنا یا دعا کے اثر کی کہین پناہ ہے۔

اے قافلۂ یاس گذر دل مین نہ ہو کر ؎ پامال نہ کر گور غریبان تمنا، مین اگر پامال نہ کر کی جگہ پامال نہ ہو کہا جاتا تو یہ عیب آتا ظاہر نہ ہوتا اس لئے کہ مین ارادہ کا دخل پایا جاتا ہے اور ہو مین صرف اظہار تمنا مضمر ہے۔

جناب نقاد نے بعض اصلاحون سے اثر کے کافور ہو جانیکی شکایت کی ہے مجھے بھی یہی شکایت ہے مگر محض حضرت نقاد ایسے (جیسے) شعراء سے۔ ایسی اصلاح کے صدقے جایئے کہ جب کسی صحیح شعر کو ہاتھ لگا دیا غلط ہوئے بغیر نہ رہا۔

جناب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شاید ان لوگون نے خود کسی سے اصلاح نہین لی یہی سبب ہے کہ اصلاح کی تام راہون سے نابلد ہین مجھے اسکے متعلق صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ وہبی و کسبی دو چیزین ہین کچھ شاعری پر منحصر نہین ہر فن مین درجۂ کمال تک پہونچنے کا حق اور ایجاد و اختراع کا منصب صرف صاحبانِ طبع خداداد کو پہونچتا ہے مین نے ایک قصیدہ کے مطلع مین اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

دنیا کا بیان اور ہے بیخود کا بیان اور (مطلع بیخود موہانی) فطرت کی زبان اور ہے قدرت کی زبان اور

اصلاح کے معاملہ مین اس ناچیز کی رائے یہ ہے کہ کلام اساتذہ اور کتب آئمہ فن سے بڑھ کر کوئی اُستاد نہین انکے ہوتے کسی صاحب عقل سلیم کو اُستاد کی ضرورت نہین اور خاصکر اُستاد ناقص کی۔ شوق اور ذہانت رہبری کیلئے کافی ہین۔ یہ ضرور ہے کہ اگر کسی تیز طبع شخص کو اُستاد شفیق وکامل خدا دیدے تو وہ معراج کمال تک بہت جلد پہونچ سکتا ہے اور بس لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عرض کرونگا کہ اگر ایسا اُستاد نہ ملا اور وہ شخص زمانہ کی ٹھوکرین کھاکر خود ہی راہ راست پر آگیا تو یہ صورت پہلی صورت سے افضل ہے اس لئے کہ اُس نے جو کچھ سیکھا ہے عملاً سیکھا ہے۔ ایسے آدمی سے غلطی ہوگی بھی تو بتقاضائے بشریت جو قابل ملامت نہین مجھے بعض حضرات کی تہیدستی وبے مائگی پر نہایت افسوس آتا ہے جنھون نے خود تحصیل علم وکمال کیلئے جان دیدی اُستاد شفیق نے بھی لہو پانی ایک کردیا مگر پھر بھی خالی ہاتھ رہے اور اُستاد کو اپنی تعلیم وتربیت گردگانِ گنبد نظر آئی اُسکی روح ہاتھ ملتی ہے اور کہتی ہے ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل   کہ خضر از آبِ حیوان تشنہ می آرد سکندر را

شعر ہفتم۔ مقطع غزل

اصل شعر۔

اے شوق نہ کیون روح کو پرواز ہو دشوار
پیوست کلیجے مین ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ تخیل شاعرانہ یہ ہے کہ پیکان چھبنے سے روح بھی نتھی ہوگئی (یہ ہے ثقات کا داب تکلم) مگر خرابی یہ ہے کہ روح اگرچہ جگر (کلیجے) دماغ اور دل ہر سہ مقامات پر ہوتی ہے جسکو روح طبعی روح

ج ۱۱
سنہ ۲۹ ء
صفحہ ۳۴ کالم ۲
سطر (۲۴-۲۸)

نفسانی اور روح حیوانی کہتے ہین مگر شاعرانہ مذاق طبی اصول پر نہین ہے
بلکہ صرف دل ہین روح کا مخزن مشہور ہوگیا ہے جس طرح خصوصیتِ روح
دل کیلئے مقبول عام ہوگئی ہے اُسی طرح عوام مین کلیجہ دل کے
معنون مین مشہور ہے شاید اسی وجہ سے شوق نے کلیجہ نظم کیا ہے اور جن
اساتذہ نے اسکو جائز رکھا اُنکا بھی یہی خیال ہوگا مگر ثقاۃ مین کلیجہ دل کے
معنون پر مستعمل نہین ہے۔ بظاہر اسکے دو جواب ہوسکتے ہین اول یہ کہ اگر کلیجے
یعنی جگر مین تیر پیوست تھے تو ممکن ہے کہ دل مین بھی ہو ایک کے اثبات سے
دوسرے کی نفی لازم نہین آتی (حکمائے اخلاق نے اسی کو سفہ کہا ہے
(یعنی بے ضرورت دماغ سوزی کرنا) دوسری بات یہ ہے کہ کم از کم کلیجہ مین
جو روح ہے وہ تو تیر کی پابند (کیا کہنا ایسے محاورے شاہدان بازاری
مین عام ہین بیخود) ہوگئی ہے تاہم یہ جواب کافی نہین منطق اور چیز ہے
اور شاعری اور شے، شعر مین غلطی ہو عیب ضرور ہے ابوالعلا ناطق۔

التماس بیخود۔ اس الف لیلہ اس طلسم ہوشربا اس بوستانِ خیال کا خلاصہ صرف
اس قدر ہے کہ ثقات کلیجا دل کے معنون پر نہین بولتے، اور اگر یہ دعوے رد ہوجائے
تو جناب ناطق کی ناطقہ آرائیان سرد و بے ہنگام ٹہرین مین خدا کا نام لیکر لوحِ طلسم کا عکس
ڈالتا ہون جناب نقاد ذرا غور سے ملاحظہ فرمائین کہ اشعارِ ذیل مین کلیجا دل کے معنون پر ہے
یا نہین اور کلیجا دل کا قائم مقام ہوسکتا ہے یا نہین۔ شعرائے ذیل گروہ ثقات سے ہین یا
انبوہِ عوام سے۔ اس کا فیصلہ خود جناب نقاد پر چھوڑا جاتا ہے۔

کبھی مین عین رونے مین جگر سو آہ کرتا ہون (میر تقی میر) کہ دل اُٹھ جائین یارون کے ہوائے زندگانی سے

جگر = دل ۔ آہ کا تعلق جگر سے نہین دل سے ہے ۔

(میر تقی میر)

یہ زخم جگر داورِ محشر سے ہمارا
انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا

زخم جگر = زخم دل ۔ اس لئے کہ احساس بیداد اور فریاد بیداد کا تعلق دل سے ہے ۔

(میر تقی میر)

پیغامِ غمِ جگر کا گلزار تک نہ پہونچا
نالہ مرا چمن کی دیوار تک نہ پہونچا

خوشی اور غم کا احساس دل سے متعلق ہے ۔

(غالب علیہ الرحمہ)

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراغ
تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی

زخم جگر = زخم دل ۔ یعنی اب اخفائے راز محبت سے نجات مل گئی ۔

(غالب علیہ الرحمہ)

لگے نظر نہ کہین اُنکے دست و بازو کو
یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

زخم جگر = زخم دل ۔ یہان دست و بازو سے مراد حسن و نگاہ و ادائے یار کے سوا کچھ نہین اور ایسے وار دل ہی پہ ہوتے ہین ۔

(ذوق)

وہ چشم مخمور اک نظر سے چبھوئے لاکھون جو نشتر سے
تو ہو روان ہر رگ جگر سے لہو کے لالہ رنگ ہو کر

رگ جگر = رگِ دل ۔ اس لئے کہ نگاہ و ناز کے نشتر دل ہی مین اُترتے ہین ۔

(ذوق)

لذت سے محبت کی ہے ہر زخم جگر کو
ذوقِ نمک درد و الم اور زیادہ

زخم جگر = زخم دل ۔ ذوق الم دل سے متعلق ہے جگر غریب مفت مین بدنام ہے ۔

(داغ)

کیا کرے داغ کوئی اُسکی محبت کا علاج — وہ کلیجا ہی نہین جس مین یہ ناسور نہین

کلیجا = دل ۔ محبت کے ناسور کا تعلق براہ راست دل سے ہے۔

(داغ)

فریادِ جگر، نغمہ نَے، نالۂ بلبل — دلکش ہو کسی طرح کی ہو کوئی صدا ہو

فریادِ جگر = دل کی فریاد۔

(داغ)

سینے سے اپنے ساتھ اُڑا کر یہ لیگئے — گویا تمھارے تیر تھے میرے جگر کے پانون

جگر = دل ۔ اس لئے کہ تیر سے نگاہ و ادائے یار مُراد ہے۔

(داغ)

رہگئے لاکھون کلیجا تھام کر — آنکھ جس جانب تمھاری اُٹھ گئی

کلیجا = دل ۔ اس لئے کہ نگاہِ یار کا اثر دل پر براہ راست پڑتا ہے اسکے بعد جگر بھی متاثر ہو تو مضائقہ نہین۔

(امیر)

کلیجا تھام لوگے جب سنوگے — نہ سنوائے خدا شیون کسی کا

کلیجا = دل ۔ نالہ کا اثر دل پر پڑتا ہے۔

اور اساتذہ کرام کے یہان جگر کو دل کے معنون پر آتے ہوئے دیکھکر بیخود خاکسار نے بھی کہا ہے۔

(بیخود موہانی)

حالت پہ میری چھوڑ دے اے چارہ گر مجھے — مرنے نہ دیگی لذتِ دردِ جگر مجھے

حضرت ناطق کو اسی مین تامل ہے کہ دل کے معنون پر کلیجا اتفاقات بولتے ہین یا نہین مین عرض کرون کلیجا تو کلیجا ہے اساتذہ سینہ اور چھاتی کہتے ہین اور دل مُراد لیتے ہین۔

(ذوق)

ہان تامل دمِ ناوک فگنی خوب نہین — ابھی چھاتی مری تیرون سے چھنی خوب نہین

چھاتی۔ دل۔ سبب یہ کہ نگاہ یار دل کو چھلنی کرتی ہے نہ کہ سینہ کو۔

حضرت نقاد۔ روح کی قسمین، اثبات و نفی کی بحثین علامہ دہر ہونے کے ثبوت مین پیش کرتے ہین لیکن تحقیق اور سخن فہمی اُن کے متعلق یون منادی کرتی ہے ع عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ۔

ارشاد ناطق۔ صرف چھ شاعرون نے کلیجہ کو بدل دیا ہے، باقی۔ بزم موحن۔ ناطق۔ نظم۔ محشر انہین سے ہم نے کلیجہ کو دل سے بدلدیا ہے۔

اصلاح باقی

کیون روح نہ مضطر رہے شوق اُسکی خلش سے
پیوست مرے دل مین ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ تخیل بدل گئی اور بہت ہی معمولی ہو گئی مگر مصرع ثانی دُرست ہو گیا۔

التماس بیخود۔ یقیناً تخیل بدلگئی اور شعر شوق مین جدت مضمون سے جو شان پیدا ہو گئی تھی جاتی رہی مگر الفاظ بہت خوبصورت اور متناسب جمع ہو گئے۔ رہا مصرع ثانی وہ پہلے ہی سے درست تھا، ہان 'کلیجے' کی جگہ 'مرے دل' کے رکھنے سے مصرع کی روانی کسیقدر کم ہو گئی۔

اصلاح محشر

(مصرعہ اولےٰ بدستور)
پیوست ہوا دل مین جو پیکانِ تمنا

معیار اپریل
صفحہ ۱۲ کالم
سطر ۷-۹

ارشادِ ناطق۔ مصرع ثانی دُرست ہوا چُست نہ ہوا کیونکہ جو بیکار ہے۔

التماسِ بیخود۔ مصرع ثانی نہ دُرست ہوا نہ چُست ہاں جو خواہ مخواہ کیلئے آگیا۔

معیار اپریل
صفحہ ۱۲ کالم
سطر ۱۰-۱۲

اصلاحِ ناطق

اے شوق نہ کیون روح کو دشوار ہو پرواز
پیوست مرے دل مین ہے پیکانِ تمنا

ارشادِ ناطق۔ مصرع ثانی بے عیب ہوگیا۔ مگر مصرع اولی مین اب بھی کسی قدر تعقیب ہے۔

التماسِ بیخود۔ مصنف کا شعر یون تھا ؎ اے شوق ہے اب روح کو پرواز بھی شوار
پیوست کلیجے مین ہے پیکانِ تمنا۔

اُس کا مفہوم یہ تھا کہ جبتک تمنائے یار نہ کی تھی جینا سہل اور مرجانا آسان تھا اب دنیا سے یہ آرزو لیکر اُٹھ جانا سخت مشکل ہے اس لئے کہ دل کسی طرح اس نامرادی کی موت پر راضی نہین اور جناب ناطق کی اصلاح سے یہ مفہوم ہوگیا کہ میرے دل مین پیکانِ تمنا پیوست ہے اور یہی سبب ہے کہ روح کیلئے پرواز مشکل ہوگئی ہے مختصر یہ کہ میرے دم کے آسانی سے نہ نکلنے کا سبب یہ ہے کہ مجھے کسی کی تمنا ہے۔ خدائے سخن میر فرماتے ہین ؎

دمِ مرگ دشوار دی جان اُن نے   مگر میر کو آرزو تھی ہوس کی ،

ابظاہر ہے کہ جناب ناطق نے مصنف کی تخیل بدلدی اُس نے 'اب' اور 'بھی' کے معنی خیز ٹکڑے سکے تھے۔ جناب نقاد نے صرف شاہ مضمون کے زیور ہی نہین لوٹ لئے بلکہ گیسو بھی کاٹ لئے اور اصلاح کے متعلق صلانہ شد بلا شد کا مضمون صادق آنے لگا، دوسرے مصرع مین 'کلیجے' صرف ایک لفظ تھا جسکی وجہ سے شعر مین بتیے دریا کی روانی تھی 'مرے دل' کے ٹکڑے سے 'مرے' کا اضافہ بیوجہ ہوا اور کوئی کام نہ نکلا یہ بھی سمجھ مین نہین آتا کہ پرواز بھی

دشوار، کا ٹکڑا 'دشوار ہو پرواز' اسے کیون بدلا گیا، یہ بجا ہے کہ شعر مصنف مین 'ہے' حرف ربط شروع مصرع مین تھا جسے آخر مصرع مین ہونا چاہیئے تھا۔ اسکے تعقیب کا کچھ علاج ضرور ہوا مگر جناب حکیم صاحب نے 'پرواز' کو آخر مصرع مین رکھکر ایک دردا ور پیدا کر دیا۔

اصلاح نوح

اے شوق کرے روح جو پرواز تو کیونکر
پیوست مرے دل مین ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ مصرع ثانی بے عیب ہوگیا مگر مصرع اولیٰ مین تعقیب اور ضعف نظم اصل مصرع سے بھی زیادہ ہے۔

نمبر اپریل صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر (۱۳-۱۶)

التماس بیخود۔ مصرع ثانی مین اتنا عیب تو ضرور پیدا ہوا کہ کلیجا دل سے بوجہ بدلا گیا تعقیب اس مین اتنی ہی ہے جتنی مصنف کے مصرع مین تھی یعنی جہان اُس نے 'کرے' کہا ہے مصنف نے 'ہے' کہا تھا، باقی ضعف نظم کا تو کہین اس مین شائبہ تک نہین بلکہ حشو کو ایسے حُسن سے سمیٹا ہے کہ بے اختیار واہ نکلتی ہے مگر ایک نازک غلطی جناب نوح سے ضرور ہوئی ہے وہ یہ کہ اُنھون نے روح کے پرواز کرنیکو مشکل کی جگہ غیر ممکن کہدیا۔ یہان دشوار یا دشوار کے معنی کا کوئی لفظ رکھنا ضروری تھا۔

ارشاد ناطق۔ شوق کے اس شعر مین تخیّل اسقدر معمولی ہے کہ اسی کو تخیّل شاعرانہ کہتے ہین یعنی تیر کے پیوست ہونے کی وجہ سے روح پرواز کرنے سے معذور ہو گئی ہے۔ اس زمانہ مین فن نے اتنی ترقی تو ضرور کی ہے کہ تخیّل شعری وسیع ہو رہی ہے، اور تخیّل شاعرانہ متروک ہو رہا ہے۔

التماس بیخود۔ جناب ناطق فرماتے ہین کہ اب تخیّل شعری وسیع ہو رہی ہے اور مجھے حیرت ہے کہ یہ کس دنیا کا حال بیان کیا جا رہا ہے مجھے تو یہ حالت کہین نظر نہین آتی خدا وہ دن کرے

کہ ہمارا بدنصیب ملک اس نعمت عظمےٰ پر سجدۂ شکر بجالانے کا موقع پائے۔ حضرت ناطق کا یہ کہنا کہ روح پرواز کرنے سے معذور ہو گئی۔ غلط ہے اور اُسی طرح غلط ہے جس طرح جناب نوح کی اصلاح مین اس لئے کہ دشوار اور محال مین بڑا فرق ہے۔ یہ تخیل شاعرانہ نہین تخیل شاعر ہے اور ندرت کا پہلو لئے ہوئے۔

ارشاد ناطق۔ ہم صاحبون نے تخیل کو بدلا ہے دیکھنا یہ ہے کہ تبدیلی کیسی ہوئی

اصلاح افضل

اے شوق کھنچی صبح کھنچا تیر جو اُس کا
پیوست کلیجے مین ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ مصرع اولیٰ بدستور رہا اگر اسکے معنی بیان کرون تو ممکن ہے کہ مفہوم شاعر (یعنی مُصلح) کا نہ ہو۔

التماس بیخود۔ جناب نقاد کا یہ ارشاد میری سمجھ مین نہین آتا کہ پہلا مصرع بدستور رہا غالباً یا لغزش قلم یا سہو کاتب ہے۔ ناقد لے بدل بیان ”دوسرا مصرع“ لکھنا چاہتا تھا۔

جناب نقاد نے اصلاح جناب افضل کے متعلق کچھ نہین کہا۔ اصلاح موجودہ سے تخیل مصنف بدل گئی اور ندرت خیال جاتی رہی لیکن شعر زیادہ لطیف ہو گیا مفہوم یہ ہو گیا کہ ادھر تیر کھنچا اُدھر دم نکل گیا گویا اب ہماری زندگی جبھی تک ہے جبتک معشوق کا تیر جگر سے نہ نکلے، یعنی اب ہماری زندگی کا انحصار التفات ناز پر ہے یہ نہ رہا تو ہم نہ رہے۔

اصلاح بیباک

بیتابیٔ شوقِ جگر افگار نہ پوچھو
(مصرعہ ثانی بدستور)

ارشاد ناطق۔ ایک شعریت تو پیدا ہو گئی۔

التماس بیخود۔ اس 'تو' سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے شعر مین شعریت نہ تھی اور یہ انکشاف عجیب انکشاف ہے، حضرت بیباک کی اصلاح سے تخیل شعر بدل گئی جس مین ندرت بھی تھی مگر اس مین شک نہین کہ شعر سیدھا سادہ اور خوبصورت ہو گیا۔ 'جگر افگار' کے اضافہ سے شعر کا اثر بھی بڑھ گیا، ایک طرح کی تڑپ اور بے ساختگی پیدا ہو گئی۔

اصلاح ریاض

اے شوق اب اُٹھنے کا نہین ہاتھ جگر سے
پیوست کلیجے مین ہے پیکانِ تمنا

معیار اپریل ... صفحہ ۲۱ کالم ۲ ... سطر (۹-۱۰)

ارشاد ناطق۔ (اصلاح بیباک) کی کیفیت ریاض کی اصلاح (مین) ہو رہی ہے بلکہ اس ترکیب سے مصرع اولی کو بدلا ہے کہ مصرع ثانی مین کلیجے پر جو اعتراض ہوتا تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔

التماس بیخود۔ کلیجے پر جو اعتراض تھا وہ مدیر معبر کی عدم البصیرت کا نتیجہ تھا، اشعار اساتذہ نے اُسے باطل کر دیا، یہ ضرور ہے کہ شعر مین مزہ پہلے سے بہت زیادہ ہو گیا۔ اگرچہ مصنف کی تخیل قائم نہ رہی۔ اس ٹکڑے سے 'اب اُٹھنے کا نہین ہاتھ جگر سے' زبان کی لطافت اور روزمرہ کی نظافت بڑھ گئی۔

ارشاد ناطق۔

اصلاح نظم

اے شوق رہے روح کو پرواز کی تحریک
(مصرعہ ثانی بدستور)

معیار اپریل ... صفحہ ۲۱ کالم ۲ ... سطر (۱۱-۱۶)

اس کے معانی اور مشکلات کو مجھ سے زیادہ ناظرین حل کر سکتے ہین، کیونکہ 'تحریک رہنے' کا محاورہ عام لوگون سے مخفی ہے اور تیر کی پیوستگی سے پرواز روح کی تحریک کیونکر ہوتی رہے گی نقاد نہین سمجھ سکتا۔

التماس بیخود ۔ یہان حضرت ناطق کی جسارت پر اہل دل انگشت بدندان رہ جائینگے، اسلیے کہ جناب طباطبائی کی اصلاح کے متعلق جناب نقاد لکھتے ہین کہ مصرع ثانی بدستور، حالانکہ انکی اصلاح یون ہے ؎

لے شوق ہے روح کو پرواز کی تحریک

سینے مین کھٹکتا ہے پیکان تمنا

مین اسے اُن کے سہو نظر سے تعبیر کرتا ہون، مگر اتنا ضرور کہونگا کہ تخییل مصنف کے بدل جانے کی طرف سے صرف نظر کرلین تو ماننا پڑے گا کہ اب شعر زیادہ مزیدار ہوگیا، جب سینے مین پیکان تمنا کھٹکتا رہیگا تو ظاہر ہے کہ روح جلد پرواز کریگی، شاعر نے روح کے ساتھ لفظ پرواز رکھا ہے اِس سے ظاہر ہے کہ اُسے طائر فرض کیا ہے، اگر کوئی کھٹکا ہوتا رہے، تو وہ طائر کو جلد آمادہ پرواز کریگا، مین نہین سمجھ سکتا کہ اس مین کونسا اشکال پیدا ہوگیا کہ جناب ناطق سا پہلوان نقد و تبصرہ سپر انداختہ نظر آتا ہے

صاف لفظون مین شعر کا مفہوم یہ ہے کہ دیکھو ترک تمنا نہ کرنا ورنہ دنیا مین اُلجھکر رہجاوگے اور اس زندگی سے جو حقیقت مین اسیری کا دوسرا نام ہے نجات نہ ملے گی۔

مین حضرت ناطق کے اِس تبصرہ مین ابتدا سے دیکھتا چلا آتا ہون کہ جناب موصوف جناب طباطبائی اور مجھ ناچیز کی اصلاحون کے خلاف کچھ نہ کچھ لب کشائی ضرور فرماتے ہین، اور حضرت طباطبائی کے متعلق اکثر ارشاد ہوتا ہے کہ انکی اصلاح سمجھ مین نہ آئی، گویا جناب موصوف مہمل گو ہین، اوہ شاید ہے

بھی کچھ ایسا ہی کہ جب حضرت ناطق سا نکتہ آفرین اور سخن سنج، اُن کی صلاحون کے سمجھنے سے معذور ہے تو بادشاہ چہ رسد، یہ وہ ناقد ہے جو اپنے کو نقاد لکھتے ہوے نہ جھجکتا ہے نہ شرماتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ غالباً یہ سعی ناکام وغیر محمود صرف اسلیے ہے کہ جناب طباطبائی کی ادبی قابلیت، شاعرانہ عزت، محققانہ عظمت، (اگرچہ یہ باتین خفا ہوجانے کے بعد اُن مین کچھ دیر کے لیے باقی نہین رہتین) ہندوستان مین مسلم ہے، اگر جناب نقاد کے زورِ قلم نے اُسے مٹا دیا تو بڑا کام اور بڑا نام کیا، لیکن یہ سودائے خام ہے۔

مطلع کی صلاح مین "ہے سیل عزم دست بدامان تمنا" یہ مصرع حضرت نقاد کی سمجھ مین نہ آیا، اور غضب یہ ہے کہ ومن یقینت کی مفصل تفسیرون کے ملاحظہ کرنے پر بھی ناکامی ہی رہی، صرف اُن مقامات پر جناب طباطبائی کی جان بچ گئی ہے جہان اُنھون نے شعر کو ہاتھ نہین لگایا، صرف مطلع کی ایک اصلاح یعنی "اور جوش جنون سلسلہ جنبان تمنا" تو حضرت نقاد کی سمجھ مین آئی، جسکا اعتراف اُنھون نے فرمایا ہے، مگر وہان بھی من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید ہی کا معاملہ ہے، لیکن بیخود ناشاد وہ بدنصیب ہے کہ شعر کو بحالہ قائم رکھنے پر بھی، یہ سُن لیا کرتا ہے۔

قول ناطق

ایک آخری بات اس مسئلہ کے متعلق یہ بھی کہنے کے قابل ہے کہ بیخود موہانی شوق قدوائی اور نیاز فتحپوری کی رائے اصلاح کے بارے مین زیادہ قابل سند ہے کیونکہ بیخود اور شوق کو کسیکا شعر ذرا مشکل سے پسند آتا ہے اور اپنے شعر سے

بھی زیادہ دوسرے کے شعر کو احتیاط و غور سے دیکھتے ہین، اگر اس شعر
مین یہ نحوی نقص ہوتا تو وہ چشم پوشی کرنے والے نہ تھے، یہ ارشاد مبصر فروری
صفحہ ۱۲ کالم ۲ سطر ۵ تا ۱۰ مین نظر آتا ہے جہان اس شعر سے

ہچکی کی صدا ہے جسے سمجھے دم آخر
ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا

مین جناب نقاد نے "یہ" اور "وہ" کے محل استعمال کے متعلق بحث فرمائی ہے
مگر مجھے اِن کرم فرمائیون پر کوئی شکوہ نہین مجھے یہ اشعار رہ رہ کر یاد آتے ہین،

(غالب) نظر لگے نہ کہین اُن کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

(داغ) قضا کا نام نہین، تقدیر کو زمین، مجھے کو سین
مرے قاتل کا چرچا کیون ہے میرے سوگوارون مین

مین تو یہ بھی نہین کہنا چاہتا ہون

چہ خود کردند راز خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند

بندۂ ناچیز
خاکسار محمد احمد بیخود موہانی
ایم اے۔ منشی فاضل
پروفیسر شیعہ کالج
"لکھنو"

غلط نامہ گنجینۂ تحقیق

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۴	سنگسری	سبکسری
۷	۱۱	تنقیہ کادم	تنقید
۱۲	۱	آئینہ بدست	آئینہ بدست
〃	۳	وہ حنا تو	وہ، تو حنا
〃	۹	خونشدہ	جو خونشدہ
۱۵	۹	ادل سوختن	دل سوختن
۱۶	۸	ادھر ہونے لگا	اُدھر مچنے لگا
۱۶	۹	کی عبارت	کا ارشاد
۲۲	۴	ہنگیں کو کم	ہنگیں کم ہوگئیں
۲۵	۱	تو	کہ شعر تو
۳۰	۱	افسوس ہے	افسوس ہوا
۳۵	۱۷	منون پر	معنون پہ
۴۰	۹	مثالین لکھتا	مثالین دیتا
۵۲	۱۴	ظہیر فاریابی	×
۵۹	۲	بحر	بہر
〃	۷	ادا ہوا	ادا ہو
〃	۱۸	ٹاٹ آنگیا	ٹاٹ کی آنگیا
۶۳	۲	زار ہو	زار ہوا
۶۵	۵	اسقدر ہوگا	اسقدر عجیب
۷۶	۳	جن کا	جس کا
۷۹	۶	ملفوف	ملفوظ
۸۰	۱۷	ان اشعار	اس شعر
۹۴	۱۸	تو اپنا چھیڑ	تو اپنا راگ چھیڑ
۹۷	۷	سالہ	رسالہ
۱۰۰	۱۲	سہا کا مضمون	سہا کے مضمون
۱۰۰	۱۴	حرف بحرف نقل کر دیا ہی	نقل کر دیا ہی
۱۰۶	۶	دوسرا شعر	دوسرا شعر برابر ہو تو
〃	۷	ہو	ہے
۱۱۸	۳	بھاتا	پاتا
۱۲۳	۲	جتنے میں	جتنے
〃	۱۰	جمانیت	جمانیات
۱۲۵	۱۳	جناب ہلنے	انھون نے
۱۲۷	۱۵	بسینہ اگر بر	بسینہ اگر یہ
۱۳۰	۱۳	غم والفت	غم اُلفت
۱۳۳	۱۵	یہانتک کہ	یہانتک
۱۴۲	۷	فارسی مضمار	فارس مضمار
۱۴۳	۱۱	اسیں	کہ اسین
۱۴۷	۸	کا ترجمان ہے	کے ترجمان ہین
۱۴۹	۱۱	مدامہ	علامہ
۱۵۱	۱	ہجوم ورنج	ہجوم رنج
۱۰۰	۱۳	ایک خیالات کی دنیا	خیالات کی ایک دنیا
۱۷۵	۱۹	مذہب	اُسکے مذہب
۱۷۸	۳	خاص قابل تفریق	خاصیات قابل تفریق
۱۸۵	۱۱	عامۃ الودد	عامۃ الورود
۱۹۳	۱	بلگرامی	لکھنوی
۱۹۵	۱۴	کھینچدیا ہے	کھینچدیا گیا ہے
۱۹۸	۴	بانگ باز نسبت آیا	بانگ باز نسبت آیا
۲۰۰	۱۳	مانع نہو سکیں	مانع نہو سکین یہ افلاک سیر سے اُنکے مانع نہو سکینگے
۲۰۰	۱۳	تو	یہ تو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰۳	۵	بکلتا	بکالتا
۲۰۵	۱۸	پڑا	پڑھا
۲۲۲	۲	شور بہ قیمت	شور بالقیمت
۲۲۳	۲	خلوت	حلوا
۲۲۵	۱	ہمدمی	ہمدمی زند
۲۲۶	۵	چلیے، تو	اسلیے اکہ
۲۳۵	۱۸	دو جیم دو سین	دو جیمیں دو سینیں
۲۳۸	۶	شعر کو	شعرا کو
۲۴۸	۵	مذکور	مذکورہ
۲۵۹	۴	تمنا	تمنا
۲۸۰	۸	اس مفہوم	کے مفہوم

صفحہ	غلط	غلط	صحیح
۲۸۱	۴	امید	بنیاد
۲۸۸	۴	لگا	لگا کہ
۲۸۹	۱۳	ممکن ہے	کہ یہ ممکن ہے
۳۰۲	۱۰	عام	عام ہے
۳۰۳	۴	سب مجھکو	سب بے توئی سمجھ کر
۳۰۷	۶	صرت صرت	صرت صیرت
۳۱۵	۱۴	بہ قول	یہ قول
۳۱۷	۶	کہ بعض	بعض
۳۲۳	۱	ملقب	مقلب
۳۲۹	۱۴	ہوس کی	کسی کی

معذرت

بدنصیبی تھی کہ یہ گنہگار راوِر کاتبانِ اعمال بار بار تپ ولرزہ کی مہمانداریوں میں ایسے اُلجھے رہے کہ غلط نامہ وبالِ دوش ہی رہا خدا کرے کہ " گنجینۂ تحقیق "شرح دیوانِ اردوے غالبؔ" حجم ۱۶۰۰ کا پیش خیمہ ہو۔

ناچیز

بیخود موہانی